BOOK HOME

حضرت نظام الدین اولیاءؒ

پروفیسر عبدالرحمٰن مومن

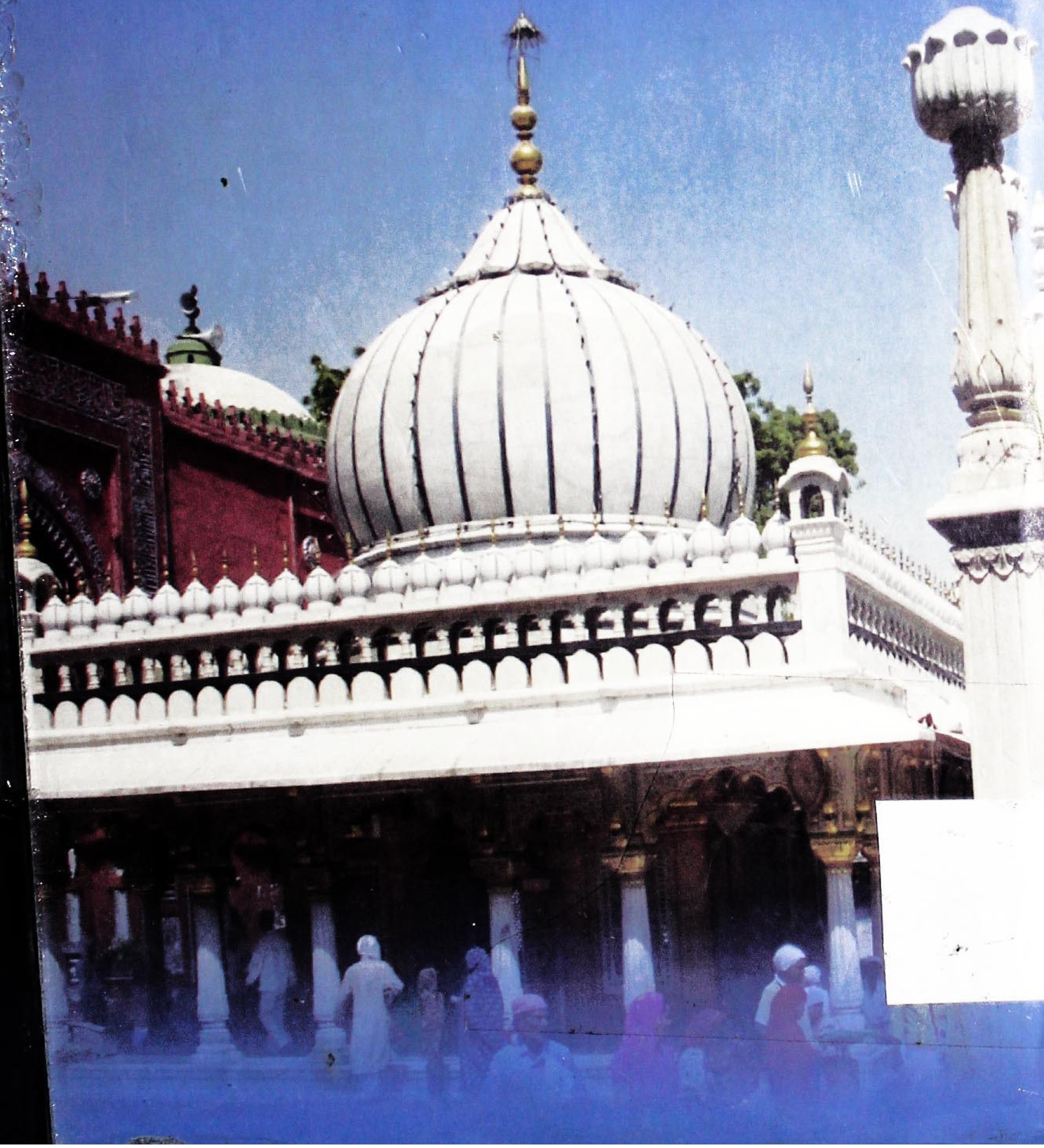

Marfat.com

Marfat.com

حضرت نظام الدین اولیاءؒ

سوانح عمری

پروفیسر عبدالرحمٰن مومن

DATA ENTERED

BOOK HOME

Marfat.com

حضرت نظام الدین اولیاءؒ

297.692
458 U
91991

پروفیسر عبدالرحمٰن مومن

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اہتمام	رانا عبدالرحمٰن
پروڈکشن	ایم سرور
کمپوزنگ	محمد انور
پرنٹرز	آب وتاب پرنٹرز، لاہور
اشاعت	2010ء
قیمت	400 روپے
ناشر	بک ہوم لاہور

بک ہوم

بک سٹریٹ 46- مزنگ روڈ لاہور، پاکستان
فون:042-37231518-37245072 فیکس:042-37310854
bookhome1@hotmail.com - bookhome_1@yahoo.com
www.bookhomepublishers.com

فہرست

پیش لفظ 7

مقدمہ 10

تصوف کا آغاز 11

تصوف کی اصلیت 13

تصوف اور کتاب وسنت سے مطابقت 15

عالم اسلام کا اخلاقی وروحانی انحطاط 20

کیا تصوف بدعت ہے؟ 23

باب 1: ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کا فروغ 26

خواجہ معین الدین چشتی 27

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی 29

شیخ حمید الدین سوالی ناگوری 31

شیخ فرید الدین مسعود 34

بابا فرید کی تعلیمات وملفوظات 37

شیخ نجیب الدین متوکل 39

شیخ جمال الدین ہانسوی 40

سلسلہ چشتیہ کے امتیازی خصائص 42

باب 2: خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ابتدائی ایام 45

Marfat.com

مولانا علاء الدین اصولی 52
دہلی کا سفر 55
بابا فرید سے بیعت 56
خلافت 64
درسِ حدیث کی تکمیل 66
والدہ کی وفات 70
باب 3: سلطان جی مسند ارشاد پر 74
معمولات 74
ذوق سماع 77
خانقاہ 79
فتوح 80
حسن خلق 82
مریدین وخلفاء کی تربیت 86
سلاطین و امراء سے بے تعلقی 93
سلطان جی کی تعلیم اور تحریک کے انقلابی اثرات 101
وصال 105
باب 4: تعلیمات 107
زہد اور ترک دنیا 107
اطاعت و زہد میں اعتدال 111
مخالفت نفس 117
مخالفت نفس کے طریقے 121
حسن خلق 127
استقامت 132

Marfat.com

باب5: ملفوظات 142

سوزعشق 142

تسلیم ورضا 145

صحو وسکر 146

شیخ کے صفات 147

سلوک 148

آداب صحبت 151

وقت کی حفاظت 151

تجرد وتاہل 152

سماع 153

حکایات 156

باب6: سلطان جی کی جامعیت 160

وفورعلم 160

روایت حدیث کے بارے میں احتیاط 164

پاس شریعت 166

ذکاوت وفراست 167

فصاحت وبلاغت 168

خوش طبعی 171

سلطان جی بحیثیت مربی اور سرپرست 172

توسع اور رواداری 173

باب7: ممتاز خلفاء ومریدین 175

مولانا فخر الدین زرادی 175

مولانا شمس الدین یحییٰ 179

شیخ نصیر الدین محمود 180

مولانا حسام الدین ملتانی 182

قاضی محی الدین کاشانی 183
مولانا علاء الدین نیلی 184
مولانا برہان الدین غریب 185
شیخ قطب الدین منور 187
مولانا وجیہ الدین پائلی 189
مولانا فخر الدین مروزی 190
سراج الدین عثمان 190
امیر حسن سنجری 191
امیر خسرو 191
باب 8: نظامی تعلیمات کی عصری معنویت 193
آفاقی اور بین الاقوامی پہلو 193
قومی وملکی پہلو 196
ملی پہلو 197
علماء اور زوال ملت 198
گندم نما جو فروش صوفی 203
جدید تعلیم یافتہ طبقہ 206
نفسیاتی وطبی پہلو 207
ضمیمہ: سلطان جی کی سیرت کے بنیادی ماخذ 209
حوالہ جات 213
کتابیات 244

Marfat.com

پیش لفظ

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ قدس اللہ سرہ العزیز کا شمار اسلامی ہندوستان کی عہد ساز شخصیتوں میں ہے۔ آپ نے آٹھویں صدی ہجری کے نصف اول میں رشد و ہدایات کا جو بازار گرم کیا اس کے دوررس اثرات نہ صرف دہلی اور اطراف و اکناف کے علاقوں پر بلکہ سارے برصغیر پر پڑے۔ سلطان جی کی انسانیت نوازی، محبت و شفقت اور ان کی من موہنی سیرت و شخصیت نے ہزاروں لاکھوں انسانوں کو اپنا گرویدہ بنایا۔ آج بھی ان کی تعلیمات اور ان کے آستانہ کی طرف لوگ بلا امتیاز مذہب و ملت کھنچے چلے آتے ہیں۔

سلطان جی کی سیرت و کمالات پر نصف درجن سے زائد کتابیں اردو اور انگریزی زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ ان کے ظاہری و باطنی کمالات اور ان کے کثیر الجہت کارناموں کو کما حقہ اجاگر کرنے کا حق اب تک ادا نہیں کیا گیا ہے۔ زیر نظر کتاب اس سمت میں ایک ادنیٰ کوشش کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں سلطان جی کی تعلیمات و ملفوظات اور آپ کی سیرت و شخصیت کو کتاب و سنت اور آثار صحابہ و تابعین کے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ آپ کی تعلیمات میں ہمیں اسلامی تصوف اور مشائخ متقدمین کے مشرب کی معتبر ترجمانی ملتی ہے۔ ارادہ ہے کہ اس کتاب کو انگریزی زبان کے قالب میں بھی پیش کیا جائے تاکہ غیر مسلم حضرات اور مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ حضرت کی تعلیمات اور ان کے کمالات سے واقف ہو سکے۔

اس کتاب کی تیاری میں مستند اور قدیم ماخذ کے علاوہ بعض قلمی مخطوطات اور نادر کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے جو پہلی بار منصۂ شہود پر آئی ہیں۔ جن مخطوطات سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں سیر الاولیاء (ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ)، نفائس الانفاس (کتب خانہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو) اور مراۃ الاسرار (قلمی نسخہ مملوکہ مسلم احمد نظامی، دہلی) شامل ہیں۔ تصوف و معرفت سے متعلق دو اہم کتابیں جو پہلی دفعہ زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہیں، امام عبد اللہ بن مبارک (متوفی 181 ہجری)

Marfat.com

کی کتاب الزہد والرقائق اور شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی (متوفی 412 ہجری) کی طبقات الصوفیہ ہیں۔ کتاب الزہد والرقائق حضرۃ الاستاذ ابوالماثر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نور اللہ مرقدہ کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ 1966ء میں طبع ہوئی۔ طبقات الصوفیہ مفید حواشی کے ساتھ مصر سے طبع ہوئی ہے۔ ان دونوں کتابوں سے خاطر خواہ استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ تصوف کی معروف و متداول کتابوں سے ممکنہ حد تک استفادہ کیا گیا ہے۔

میں بطور تحدیث نعمت یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اگرچہ میری تعلیم مغربی طرز کی دانش گاہوں میں ہوئی ہے لیکن خوش قسمتی سے مجھے طالبعلمی کے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی عربی و اسلامیات کے جید اساتذہ سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ عربی زبان کی تھوڑی بہت شد بد جو میرے حصہ میں آئی ہے وہ میرے استاد محترم شیخ عبدالعزیز عزت سابق استاذ جامعہ ازہر کے فیضان نظر اور ان کی بے پایاں شفقت کا ثمرہ ہے۔ میرے دینی مزاج کی تشکیل میں محترم مولانا محمد اسحاق صاحب حیدرآبادی دامت برکاتہ کی شفقت اور ہمت افزائی کا بڑا حصہ ہے۔ میں اسے اپنی سعادت اور خوش بختی سمجھتا ہوں کہ حضرۃ الاستاذ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نور اللہ مرقدہ کے فیضان صحبت سے مجھے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ میری علمی کاوشیں بڑی حد تک حضرت الاستاذ کی نظر کرم اور دعاؤں کی مرہون منت ہیں۔ جن شخصیتوں نے میرے دل و دماغ پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، ان میں حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی طاب ثراہ کی شخصیت سرفہرست ہے۔ میں حضرت شاہ صاحب کی تبحر علمی، خداداد بصیرت اور اصابت رائے سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ آج جب ان کی خورد نوازی اور محبت و شفقت یاد آتی ہے تو آنکھیں بھر آتی ہیں:

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

میرے ذہن و شخصیت اور علمی زندگی پر سب سے گہرا اثر فاضل محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مدظلہ العالی کا ہے۔ ربع صدی سے زائد عرصہ سے یہ عاجز ان کے خرمن علمی سے خوشہ چینی کر رہا ہے۔ وہ دن میری زندگی کے یادگار ایام میں سے ہیں جو میں نے پیرس میں ڈاکٹر صاحب کی صحبت میں گزارے۔ ڈاکٹر صاحب کی ہمت افزائی اور شفقت و محبت میری علمی زندگی میں مشعل راہ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہم نیازمندوں پر برسہا برس قائم رکھے۔

میری تعلیم و تربیت اور سیرت و شخصیت کی تشکیل میں سب سے بڑا حصہ میرے والد مرحوم

اور میری والدہ محترمہ کا رہا ہے۔ان کی بے پایاں محبت وشفقت اور دعائیں میرے شامل حال نہ ہوتیں تو میں کچھ بھی نہ کر پاتا۔

اس کتاب کی تیاری میں میرے دیرینہ کرم فرما جناب مسلم احمد صاحب نظامی نبیرہ ڈپٹی نذیر احمد کی تحریک وتشویق کا بڑا حصہ ہے۔آج سے کئی برس پہلے ان کی معیت میں پہلی دفعہ سلطان جی کے دربار عالی میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔مسلم احمد صاحب درگاہ شریف کے قدیمی حاضر باش ہیں اور سلطان جی سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔خود بھی صاحب تصنیف بزرگ ہیں۔ان کے پاس سیر الاولیاء کے نسخہ کلکتہ کی مائکروفلم ہے جس سے انہوں نے ازراہ کرم مجھے استفادہ کرنے کا موقع عنایت فرمایا۔ان کی ملکیت میں مراۃ الاسرار کا ایک بیش قیمت قلمی نسخہ ہے، جس کے بعض مقامات سے میں نے استفادہ کیا ہے۔میں ان کی بے پایاں عنایات اور دعاؤں کیلئے ازحد شکر گزار ہوں۔اس کتاب کی اشاعت میں جناب ڈاکٹر محمد منظور عالم صاحب نے خصوصی دلچسپی لی ہے، میں ان کا شکر گزار ہوں۔میں جناب انجم نعیم صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی کمپیوٹر کمپوزنگ کی صحت کا خیال رکھا اور صوری محاسن سے آراستہ کیا۔

عبدالرحمٰن مومن

21 محرم الحرام 1417ھ

9 جون 1996ء

Marfat.com

مقدمہ

تصوف کی اصل تزکیہ واحسان ہے جو قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ متقدمین صوفیاءکرام کی سیرت اوران کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے طریقہ پر قرآن وسنت کی روح غالب تھی۔ ان کی سیرت میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اورصحابہ کرامؓ کی حیات صالحہ کی واضح جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ قرآن کریم میں جس چیز کو تزکیہ کہا گیا ہے اورحدیث شریف میں جس کی تعبیر احسان سے کی گئی ہے وہ متقدمین صوفیاءکرام کا مقصد اور مطمح نظر تھا۔ وہ رضائے الٰہی کے جویا تھے۔ اخلاص اور اصلاح باطنی کو اپنے اپنے مقصد کی برآری کیلئے ضروری سمجھتے تھے۔ نفس امارہ کی آفتوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کیلئے سعی بلیغ سے کام لیتے تھے اورسب سے بڑھ کر یہ کہ عشق الٰہی کو اپنی تمام تمناؤں اور کوششوں کا مقصد ومنتہی گردانتے تھے۔

قرآن کریم کی درج ذیل آیتیں صوفیاءکرام کے نزدیک خصوصی اہمیت رکھتی ہیں:

نحن اقرب الیه من حبل الورید (ہم انسان کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں)۔ والذین امنوا اشد حباً لله (جولوگ ایمان لائے ان کے دلوں میں اللہ کی محبت بہت بڑھی ہوئی ہے)۔ ففروا الی الله (بھاگو اللہ کی طرف)۔ واصبر لحکم ربک فانک باعیننا (اپنے رب کے حکم پر صبر کر کیوں کہ تو ہماری نظروں کے سامنے ہے)۔ واذکر اسم ربک وتبتل الیه تبتیلا (اپنے پروردگار کا ذکر کرتے رہو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو)۔ فاینما تولوا فثم وجه الله (تم جہاں کہیں منہ کرلو ادھر ہی کو اللہ کا سامنا ہے)۔ ابونصر سراج (متوفی-378ھ) کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں درج ذیل الفاظ آئے ہیں وہاں ان صفات کی طرف اشارہ ہے جو صوفیاءکرام کے یہاں کلیدی اہمیت رکھتی ہیں: صادقین (سچے لوگ) مخلصین (فقط اللہ کی بندگی کرنے والے) خائفین (اللہ کا خوف رکھنے والے) عابدین (عبادت گزار) صابرین (صبر والے) اولیاء (دوست) ابرار (نیک) مقربین (قربت کا شرف رکھنے والے) قانتین (ادب والے فرماں بردار) خاشعین (عاجزی کرنے والے)

Marfat.com

محسنین (نیکی والے)موقنین (یقین والے)راسخین (ثابت قدم)مخبتین (تواضع والے)مصطفین (چنے ہوئے)مقتصد (سیدھے راستہ پر قائم)شاھدین (شہادت دینے والے)۔[1]

احسان کی تعریف آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی:

الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک[2]

(احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس انداز میں کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم سے یہ نہ ہو سکے تو یوں سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے)۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث قدسی مروی ہے جسے صوفیاء کرام حدیث احسان کی تفسیر میں پیش کرتے ہیں۔ مذکورہ حدیث میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ کچھ مجھ سے مانگتا ہے تو دیتا ہوں اور پناہ چاہتا ہے تو پناہ دیتا ہوں۔[3]

تصوف کا آغاز:

صحابہ کرامؓ کو شمع نبوت سے براہ راست مستفید ہونے کا شرف حاصل تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ، آپ کی نظر کیمیا اثر اور آپ کی تعلیم و تربیت صحابہ کرامؓ کے دلوں میں تزکیہ واحسان کی جوت جگانے کیلئے کافی تھی۔ اس کے بعد جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا، اس نسبت مبارکہ سے بعد ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم[4] (سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا ہوگا جو میرے بعد آئیں گے اور اس کے بعد ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئیں گے) لیکن ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں نے تزکیہ واحسان کی شمع روشن رکھی۔ صوفیاء کا بہ حیثیت ایک جماعت کے دور تابعین میں ظہور ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلے جو شخص صوفی کے نام سے مشہور ہوئے وہ ابو ہاشم کوفی (متوفی-150ھ) تھے۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اگرچہ عہد نبوی اور دور صحابہ میں تصوف اور صوفیاء کی اصطلاح مروج نہ تھی لیکن تصوف کی اصل صدر اول میں موجود تھی۔ امام ابوالقاسم قشیری (متوفی 465ھ) لکھتے ہیں:

Marfat.com

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کے بزرگوں نے اپنے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے سوا کسی اور نام کو اپنے لیے پسند نہیں کیا اس لیے کہ ان کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہ ہوسکتی تھی چنانچہ انہیں صحابہؓ کہا گیا۔ انہوں نے اس نام کو نہایت ہی شرف والا نام سمجھا۔ پھر ان کے بعد کے لوگوں کو تبع تابعین کہا گیا۔ اس کے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا اور جدا جدا مراتب پیدا ہو گئے چنانچہ ان خاص قسم کے لوگوں کو جنہیں دینی امور کے ساتھ خاص لگاؤ تھا، زاہد و عابد کہنے لگے پھر بدعتیں رونما ہونے لگیں۔ ہر فرقہ مدعی بن بیٹھا کہ اس میں زاہد پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اہل سنت میں ان خاص لوگوں نے جنہوں نے اپنے انفاس کو اللہ تعالیٰ کیلئے وقف کر دیا اور اپنے دلوں کو غفلت کے طاری ہونے سے محفوظ رکھا، اپنے لیے الگ نام تصوف رکھ لیا۔ ان بزرگوں کیلئے یہ نام دوسری صدی ہجری سے پہلے مشہور ہو چکا تھا۔''[5]

شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی-632ھ) فرماتے ہیں کہ عہد رسالت اور انقطاع وحی کو ایک عرصہ گزرنے کے بعد لوگ مختلف الآرا ہو گئے اور لوگوں کے راستے الگ الگ ہو گئے۔ اس آزادروی کا نتیجہ یہ نکلا کہ نفسانی خواہشات نے علمی اور اخلاقی فضا کو مکدر کر دیا۔ لوگ بداعمالیوں میں گرفتار ہو گئے اور دنیا کی محبت میں پھنس کر رہ گئے۔ ایسے ناشائستہ اور غیر صالح ماحول میں کچھ حضرات نے عزلت اور گوشہ نشینی کو غنیمت سمجھا اور زاویوں میں جا کر بیٹھ گئے۔ اسباب کو انہوں نے چھوڑ دیا اور ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان ہی لوگوں کو صوفی کہا گیا۔ بعد میں اس علم یعنی تصوف نے ایک باقاعدہ علم اور رسوم کی شکل اختیار کر لی۔[6]

دوسری صدی ہجری سے چھٹی صدی ہجری کے عرصہ میں بیسیوں تاریخ ساز شخصیتیں ہوئیں جنہوں نے رشد و ہدایت کا بازار گرم کیا اور لاکھوں انسانوں کو اپنے انفاس طیبہ سے مستفید کیا۔ ان میں سرفہرست یہ شخصیتیں ہیں: خواجہ حسن بصری (متوفی-110 ہجری)، حضرت ابراہیم بن ادہم (متوفی- 163ھ)، حضرت داؤد طائی (متوفی- 165ھ)، حضرت فضیل بن عیاض (متوفی- 187ھ)، حضرت شقیق بلخی (متوفی-194ھ)، حضرت معروف کرخی (متوفی- 201ھ)، حضرت ابوسلیمان دارانی (متوفی- 215ھ)، حضرت یحییٰ بن معاذ رازی (متوفی- 258ھ)، حضرت

حارث محاسبی (متوفی-283ھ)، حضرت عبداللہ بن سہل تستری (متوفی-283ھ)، حضرت احمد بن خضرویہ بلخی (متوفی-261ھ)، حضرت ابوحفص حداد نیشاپوری (متوفی-260ھ)، حضرت بشر حافی (متوفی-227ھ)، حضرت بایزید بسطامی (متوفی-261ھ)، حضرت حاتم اصم (متوفی-237ھ)، حضرت ذوالنون مصری (متوفی-245ھ)، حضرت سری سقطی (متوفی-257ھ)، حضرت جنید بغدادی (متوفی-297ھ)، حضرت ابوعبداللہ عمرو بن عثمان مکی (متوفی-291ھ)، حضرت ابوالحسین نوری (متوفی-299ھ)، شاہ شجاع کرمانی (متوفی-300ھ)، حضرت ممشاد دینوری (متوفی-299ھ)، حضرت یوسف بن حسین رازی (متوفی-304ھ)، حضرت ابومحمد رویم (متوفی-303ھ)، حضرت ابوبکر شبلی (متوفی-334ھ)، حضرت خیر نساج (متوفی-322ھ)، حضرت ابوعلی رودباری (متوفی-322ھ)، حضرت ابوعلی دقاق (متوفی-406ھ)، امام محمد بن محمد غزالی (متوفی-505ھ)۔

تصوف کی اصلیت:

لفظ تصوف کیسے نکلا، اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ اکثر صوفیاء اس طرف گئے ہیں کہ انہیں صوف یا پشمینہ پہننے کی وجہ سے صوفی کہا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ انہیں ان کے باطن کی صفائی اور باطن کے آثار کی پاکیزگی کی وجہ سے صوفی کہا گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ ان کا نام صوفی اس لیے پڑا کہ ان کے اوصاف میں اہل صفہ کے اوصاف کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔[7] اصحاب صفہ اپنا زیادہ تر وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور خدمت میں بسر کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ جو ملا اسے صبر و شکر کے ساتھ کھالیا۔ ان کے شب و روز ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت سے معمور رہا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آپ فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم کو دوست رکھے گا) لہٰذا جو شخص متابعت رسولؐ میں جتنا کامل ہوگا اتنی ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے حصہ میں آئے گی۔ صوفیاء کرام نے بحد امکان آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی تعمیل کی اور ثابت قدمی سے آپؐ کے راستے پر چلے۔ عبادت، اذکار، اخلاق، معاشرت غرض ہر شعبہ حیات میں آپؐ کی متابعت کرنے کی کوشش کی اور بحد کمال تک سنت کا احیاء کیا۔

شیخ ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصر آبادی (متوفی-367ھ) فرماتے ہیں کہ تصوف کی اصل

Marfat.com

کتاب وسنت پر کاربند رہنا، خواہشات اور بدعتوں کو ترک کرنا، مشائخ کی حرمتوں کی تعظیم کرنا، مخلوق کے عذروں کو دیکھنا اوران پر مداومت کرنا اور رخصتوں اور تاویلات کے ارتکاب سے بچنا ہے۔[8] حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ مخلوق کی موافقت کرنے سے دل کو پاک رکھنا، طبعی اخلاق سے علیحدگی اختیار کرنا، بشری صفات کو بجھا دینا، نفسانی خواہشات سے اجتناب کرنا، روحانی نفوس سے میل جول رکھنا، علوم حقیقی سے تعلق رکھنا اور ہر لحظہ ایسے امور کا کرنا جو اولیٰ اور افضل ہوں، تمام امت محمدیہ کی خیر خواہی کرنا، حقیقی طور پر اللہ سے وفا کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی تابعداری کرنے کا نام تصوف ہے۔[9] نیز وہ فرماتے ہیں کہ تصوف کثرت صوم وصلوٰۃ کا نام نہیں ہے بلکہ یہ سینہ کی سلامتی اور نفس کی سخاوت کا نام ہے۔[10]

حضرت بوعلی رودباری فرماتے ہیں: **الصوفی من لبس الصوف علی الصفا واذاق الھوی طعم الجفا ولزم طریق المصطفی وکانت الدنیا منه علی قفا** (صوفی وہ ہے جس نے پاک باطنی سے پشمینہ پہنا، اپنی خواہشات کو جفا کا مزہ چکھایا، دنیا کو پس پشت ڈالا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کو (اپنے اوپر) لازم کیا۔[11] شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں:

> ''صوفیاء کرام وہی حضرات ہیں جنہوں نے سنت کا احیاء کیا اور اپنے دلوں کو کدورت اور کینہ وبغض سے پاک کیا۔ ان کے کام کی بنا بلند ہے اور اس سے ان کا وجود طاہر ہو گیا اور ان کی فضیلت عیاں ہوگئی اور معیار سنت پر قادر ہونے اور اس کے حق واجب کے ساتھ مستعد ہونے کی وجہ صرف یہی ہے کہ انہوں نے دنیا سے زہد کو اختیار کیا اور اسے دنیا پرستوں اور اس کے طالبوں کیلئے چھوڑ دیا کہ کینہ اور نفاق کی پرورش اور ان کی اٹھان دنیا اور اہل دنیا کے نزدیک رفعت ومنزلت کی محبت ہے اور صوفیائے کرام نے اس سلسلہ میں بالکل بے نیازی اور بے رغبتی برتی ہے جیسا کہ بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ ہمارا یہ طریقہ ان ہی لوگوں کی اصلاح اور درستی کیلئے ہے جنہوں نے اپنی ارواح کے گھور کو کوڑا کرکٹ یعنی علائق دنیا سے پاک وصاف کرلیا ہے اور جب ان لوگوں کے قلوب سے دنیا کی محبت اور رفعت کی چاہت نابود ہوگئی تو انہوں نے صبح وشام اس حال میں بسر کی کہ ان کے دلوں میں کسی کی طرف سے بغض وکینہ نہ تھا۔''[12]

Marfat.com

امام غزالی (متوفی 505ھ) پر فلاسفہ، متکلمین اور دیگر علوم وفنون کے ماہرین کی کتابوں کا مطالعہ کرنے اور بڑی کدوکاوش کے بعد یہ روشن ہوا کہ صوفیاء کا گروہ ہی وہ گروہ ہے جو خالصتاً اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستہ پر گامزن ہے۔ ان کی سیرت تمام لوگوں کی سیرتوں سے بہتر ہے۔ ان کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔ ان کا راستہ ہی صحیح ترین راستہ ہے بلکہ اگر تمام عاقلوں کی عقلوں اور تمام حکماء کی حکمتوں اور رموز شریعت سے واقف تمام علماء کے علم کو جمع کیا جائے تاکہ صوفیاء کی سیرت واخلاق میں کوئی تبدیلی کی جا سکے اور ان کے اخلاق وسیرت کے مقابلہ میں بہتر اخلاق وسیرت کا نمونہ پیش کیا جا سکے تو یہ بات ناممکن ہوگی کیونکہ صوفیاء کے ظاہر وباطن کی تمام حرکات وسکنات مشکوٰۃ نبوت کے نور سے مستنیر ہیں اور دنیا میں نور نبوت کے علاوہ کوئی اور نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جا سکے۔[13]

صوفیاء کی تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ نفس کی خواہشات کو ترک کر دیا جائے۔ اخلاق رذیلہ اور صفات ذمیمہ سے دامن بچایا جائے حتیٰ کہ ان کوششوں کے نتیجہ میں دل کی یہ کیفیت ہو جائے کہ اس میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کا تصور نہ رہے اور دل ذکر الٰہی کی تنویرات سے روشن اور منور ہو جائے۔ صوفیاء کرام کے کچھ مخصوص آداب ہیں۔ وہ قلیل کو کثیر پر ترجیح دیتے ہیں۔ غذا، لباس اور ہر قسم کے سامان دنیوی میں صرف ضروری چیزوں پر گزارہ کرتے ہیں۔ چھوٹوں سے شفقت کرتے ہیں اور ہر ایک سے تواضع سے پیش آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھتے ہیں۔ تمام علائق واسباب سے قطع نظر کر کے صرف ذات الٰہی پر تکیہ رکھتے ہیں۔ نیکیوں اور طاعتوں کی جانب خلوص نیت کے ساتھ پیش قدمی کرتے رہتے ہیں۔ بلاء الٰہی پر صابر اور قضاء الٰہی پر راضی رہتے ہیں۔ مجاہدہ اور مخالفت نفس میں مشغول رہتے ہیں اور اس کو یاد رکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں نفس کو امارۃ بالسوء (برائی کی طرف زبردست حکم کرنے والا) سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث نبویؐ میں ارشاد ہوا ہے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔[14]

تصوف اور کتاب وسنت سے مطابقت:

اگرچہ تصوف کے اصول ومبادی کی تدوین وتوضیح دور تابعین میں شروع ہوئی لیکن اس کی اصل قرآن وسنت سے ماخوذ ہے۔ متقدمین صوفیاء کرام نے تصوف کو ہمیشہ اسلامی اصول واحکام کے تابع قرار دیا اور شریعت وطریقت کو لازم وملزوم سمجھا۔ ہم اس سلسلہ میں سرکردہ صوفیاء کے

Marfat.com

اقوال وارشادات پیش کریں گے تاکہ بعض حلقوں میں تصوف سے متعلق جو غلط فہمی پائی جاتی ہے اس کا ازالہ ہوسکے۔ حضرت سری سقطی فرماتے ہیں کہ تصوف تین باتوں میں پایا جاتا ہے:

(1) صفی کا نور معرفت اس کی پرہیزگاری کے نور کو نہ بجھائے۔ (2) اپنے باطن سے کوئی ایسی بات نہ کہے جو نص قرآنی یا نص سنت کے خلاف ہو۔ (3) کرامات دکھانے کی خاطر کوئی حرام بات نہ کر جائے۔[15] حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق کیلئے اللہ تک پہنچنے کے راستے بند ہیں سوائے ان لوگوں کے (راستے کے) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں۔[16] آپ کا قول ہے **من لم یحفظ القران ولم یکتب الحدیث لایقتدی فی ھذا الامر لان علمنا ھذا مقید بالکتاب والسنہ**[17] (جس نے قرآن حفظ نہیں کیا اور حدیث نہیں لکھی اس کی اس معاملہ میں یعنی تصوف میں پیروی نہیں کی جائے گی کیونکہ ہمارا یہ علم کتاب وسنت سے بندھا ہوا ہے۔) آپ سے کسی نے پوچھا کہ بعض اہل معرفت کہتے ہیں کہ ہم تو واصل ہو چکے لہٰذا اب ہمارا عمل ترک کر دینا بھی نیکی میں شمار ہوگا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ یقیناً واصل ہو چکے ہیں مگر واصل باللہ نہیں واصل جہنم ہو گئے ہیں)[18] حضرت ابوسلیمان دارانی (متوفی 215ھ) کا قول ہے۔ **ربما یقع فی قلبی النکتہ من نکتہ القوم ایاما فلا اقبل منہ الا بشاھدین عادلین الکتاب والسنۃ**[19] (بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میرے دل پر صوفیاء کے نکات معرفت وارد ہوتے ہیں اور کئی دنوں تک رہتے ہیں مگر جب تک دو ثقہ گواہ یعنی کتاب وسنت اس کی تائید نہیں کرتے میں انہیں قبول نہیں کرتا)۔ شیخ احمد بن ابی الحواری (متوفی ۔ 230ھ) فرماتے ہیں کہ جس شخص نے سنت نبوی کی پیروی کے بغیر کوئی کام کیا اس کا وہ عمل باطل ہے۔ فرماتے ہیں کہ سب سے بہتر رونا یہ ہے کہ بندہ ان اوقات پر روئے جن میں اس نے شریعت سے موافقت نہیں کی۔[20] شیخ ابوعبداللہ مغربی (متوفی 299ھ) فرماتے ہیں کہ بہترین عمل یہ ہے کہ ہم اپنے اوقات کو شریعت کے موافق امور سے معمور رکھیں۔[21] شیخ احمد بن عطا الادمی (متوفی 309ھ) کا ارشاد ہے کہ جو آداب شریعت کا پابند رہا اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو نور معرفت سے منور کر دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان وافعال اور اخلاق میں ان کی تابعداری کرنے سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں ہوسکتا ہے۔[22] شیخ ابوحمزہ بغدادی (متوفی 289ھ) فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال، افعال اور اقوال میں تابعدار کرنے کے سوا اللہ کی راہ کی طرف کوئی اور چیز رہنمائی نہیں کر سکتی۔[23] شیخ ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصر آبادی (متوفی 367ھ) کا ارشاد ہے: تصوف کی اصل کتاب وسنت پر کاربند رہنا، خواہشات اور بدعتوں کو ترک کرنا، مشائخ کی حرمتوں

Marfat.com

کی تعظیم کرنا، مخلوق کے عذروں کو دیکھنا اور ان پر مداومت کرنا اور رخصتوں اور تاویلات کے ارتکاب سے بچنا ہے۔[24] امام ابوالقاسم قشیری مشائخ عظام کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ سب لوگ شریعت کی تعظیم کرنے پر متفق ہیں اور طریق ریاضت میں سنت کی تابعداری کی پابندی کرتے ہیں۔ دینداری کے آداب میں سے کسی ادب میں یہ لوگ خلل پیدا نہیں ہونے دیتے اور اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص معاملات اور مجاہدات سے خالی ہے اور اس نے اپنے طریقہ کی بنیاد پرہیزگاری اور تقویٰ پر نہیں رکھی ہے تو وہ اپنے دعویٰ میں اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنے والا ہے، وہ فتنہ میں مبتلا ہے۔ خود بھی تباہ ہوا اور ان لوگوں کو بھی تباہ کر دیا جو دھوکے سے اس کی باطل باتوں کی طرف مائل ہو گئے۔[25]

شیخ عبدالواحد سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک صوفی کون ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرے نزدیک صوفی وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل کے بقدر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قائم ہیں اور اپنے دلوں کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہیں اور اپنے نفس کی شرارتوں سے بچنے کیلئے اپنے پیشوا اور سردار کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔ میری نظر میں یہ لوگ صوفی ہیں۔[26] حضرت ابوبکر شبلی (متوفی 334ھ) کے خادم سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ تم نے ان کی وفات کے وقت کیا مشاہدہ کیا؟ خادم نے بتلایا کہ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا اور ان کی زبان لڑکھڑا گئی اور پیشانی پر پسینہ آ گیا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ مجھے وضو کرا دو۔ میں نے ان کو وضو کرایا لیکن ان کی ڈاڑھی میں خلال کرنا بھول گیا تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور میری انگلیوں کو اپنی ڈاڑھی میں خلال کیلئے ڈالا۔[27] یعنی عالم نزع میں بھی احکام شریعت کا اس درجہ احترام ان کے دل میں موجود تھا۔ حضرت سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے چھ اصول ہیں: قرآن کریم کو مضبوطی سے تھامے رہنا، سنت رسولؐ کی پیروی کرنا، حلال غذا کھانا، لوگوں کو ایذا پہنچانے سے اپنے آپ کو روکے رکھنا، گناہوں سے اجتناب کرنا، توبہ اور حقوق کی ادائیگی[28] حضرت محمد بن فضل بلخی فرماتے ہیں:

اعرف الناس باللہ اشدھم مجاھدۃ فی اوامرہ واتبعھم لسنۃ نبیہ[29]

(سب سے بڑا عارف وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں کوشش کرتا ہے اور سب سے زیادہ اس کے رسول کی سنت کی پیروی میں لگا رہتا ہے۔) حضرت ابوعثمان حیری (متوفی 298ھ) فرماتے ہیں: جس نے اپنے قول و فعل میں اپنے اوپر سنت کو حاکم قرار دیا وہ حکمت کی بات کرے گا اور جس نے اپنے قول و فعل میں خواہشات نفسانی کو حاکم بنایا وہ بدعت کی بات کرے گا۔

Marfat.com

ان کی وفات کا جب وقت آیا تو ان کی حالت بدل گئی اور ان کے بیٹے ابوبکر نے فرطِ غم سے اپنی قمیص پھاڑ ڈالی۔ اس پر حضرت ابوعثمان نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ اے میرے بیٹے! ظاہر میں سنت کے خلاف کرنا باطن میں ریاکاری کی علامت ہے۔[30] حضرت ابوالحسین نوری فرماتے ہیں کہ جس شخص کو تو اللہ کے ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرتے ہوئے دیکھے جو اسے شریعت کی حد سے نکال دے تو تجھے اس شخص کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے۔[31] شیخ ابوالحسن شاذلی (متوفی۔656ھ) فرماتے ہیں کہ جب تمہارا کشف کتاب وسنت کے خلاف ہو تو کتاب وسنت پر پابند رہو اور کشف کو چھوڑ دو کیونکہ ایمان اور اتباع سنت سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں۔ ابوعلی جوزجانی سے بعض اصحاب نے پوچھا کہ اللہ تک پہنچنے کا راستہ کون سا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ راستے بہت سے ہیں لیکن ان میں سب سے صحیح طریقہ جو شک وشبہ سے بالاتر ہے وہ سنت رسولؐ کی پیروی ہے ایسی پیروی جو قول وفعل، عزم وارادہ اور نیت میں ہو۔[32]

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی سے لوگوں نے کہا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں ہم کو نماز پڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ آپ کا ایسے لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ قبروں تک پہنچ گئے ہیں اور جہنم تک پہنچنے والے ہیں۔[33]
حضرت محمد بن علی ترمذی فرماتے ہیں: جو شخص علم شریعت اور اوصاف عبودیت سے ناواقف ہے وہ اوصاف ربوبیت سے تو اور بھی زیادہ بے خبر ہوگا اور جو ظاہر میں معرفت نفس کی راہ سے بے خبر ہے وہ معرفت رب کی راہ یعنی طریقت سے بھی بے خبر ہوگا کیونکہ ظاہر باطن کے ساتھ مربوط ہے اور ظاہری تعلق بغیر باطن کے محال ہے لہٰذا اوصاف ربوبیت کی معرفت ارکان عبودیت اور بندگی کی درستی پر منحصر ہے اور یہ بات صحت ادب اور احکام شریعت کی پابندی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔[34]
حضرت ابوحفص حداد کا ارشاد ہے کہ جو شخص ہر وقت اپنے اقوال، احوال اور افعال کو کتاب وسنت کی میزان میں نہ تولے اور اپنے دل کو اس طرف متوجہ نہ کرے تو ہم اس کو مردوں میں شمار نہیں کرتے۔[35] شیخ علی ہجویری (متوفی-470ھ) فرماتے ہیں کہ شریعت وطریقت میں فرق نہیں ہے کیونکہ شریعت بغیر حقیقت کے نہیں اور حقیقت بغیر شریعت کے نہیں۔ دونوں لازم وملزوم ہیں۔[36]
شیخ ابوسعید ابوالخیر (متوفی-440ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ابوالفضل سرخسی سے سنا کہ عبودیت کی حقیقت دو چیزیں ہیں ایک تو خدا سے احتیاج رکھنا کہ یہ بڑی عظیم عبودیت ہے اور دوسری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہترین پیروی او راس طرح کہ اس اتباع میں اپنے نفس کیلئے راحت یا کوئی حصہ مقصود نہ ہو۔[37] حضرت حارث محاسی فرماتے ہیں:

من صحح باطنه بالمراقبته والاخلاص زين الله ظاهره باتباع السنته والمجاهدة.[38]

(جس شخص نے اپنے باطن کی مراقبہ اور اخلاص سے درستی کی اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو سنت کی پیروی اور مجاہدہ سے سنوارے گا۔) حضرت ابوبکر طمستانی (متوفی 340ھ) فرماتے ہیں: ہمارا طریقہ واضح ہے اور کتاب وسنت ہمارے درمیان قائم ہے اور ہجرت اور صحبت نبوی کی وجہ سے صحابہ کا افضل ہونا بھی معلوم ہے لہٰذا ہم میں سے جو شخص کتاب وسنت کا ساتھ دے اور اپنے نفس اور مخلوق سے دور ہو جائے اور دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرے تو وہ سچا ہے اور صحیح راستہ پر ہے۔[39] حضرت ابوالعباس بن عطا کا ارشاد ہے کہ جس نے اپنے اوپر آداب سنت کو لازم کرلیا اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت سے روشن کرے گا اور کوئی مقام آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام، افعال اور اخلاق کی متابعت سے زیادہ عظمت والا نہیں ہے۔[40] امام عبدالوہاب شعرانی (متوفی 973ھ) فرماتے ہیں: یادرکھو کہ صوفیاء کا طریقہ کتاب وسنت کے عین مطابق ہے جس نے کتاب وسنت کے خلاف کیا وہ راہ مستقیم سے بھٹک گیا۔ امام ابوبکر کلاباذی فرماتے ہیں کہ شریعت وطریقت میں تناقض مطلقاً نہیں بلکہ شریعت ہی کی تکمیل واتمام کا نام طریقت ہے۔ علم کی دو قسمیں ہیں ظاہری اور باطنی۔ شریعت کا علم علم ظاہر ہے۔ جب اس کا اثر ظاہر سے گزر کر قلب وباطن تک محیط ہو جاتا ہے تو اسے علم باطن یا علم طریقت سے موسوم کرتے ہیں۔ طریقت کتاب اللہ اور سنت رسولؐ سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ ان ہی کے مغز وباطن کا نام ہے۔[41] امام قشیری فرماتے ہیں کہ شریعت نام ہے التزام حکم عبودیت کا اور حقیقت نام ہے مشاہدہ ربوبیت کا، پس جس شریعت کو حقیقت کی تائید حاصل نہ ہو، وہ غیر مقبول ہے اور جو حقیقت شریعت کی پابند نہیں، وہ لاحاصل ہے۔[42]

دوسری صدی ہجری ہی سے تصوف سے متعلق کتابیں لکھی جانے لگیں۔ ان کتابوں میں امام عبداللہ بن مبارک (متوفی 181ھ) کی کتاب "الزهد والرقائق" اور حارث محلسبی (متوفی 243ھ) کی کتاب "الرعایه" سرفہرست ہیں۔ دوسرے طبقہ کی کتابوں میں ابونصر سراج طوسی (متوفی 378ھ) کی کتاب "اللمع فی التصوف"، امام ابوبکر کلاباذی (متوفی 380ھ) کی "التعرف لمذهب اهل التصوف" امام ابوطالب مکی (متوفی 386ھ) کی "قوت القلوب" ابوعبدالرحمٰن السلمی (متوفی 412ھ) کی "طبقات الصوفیه" حافظ ابونعیم اصفہانی (متوفی 430ھ) کی "حلیته الاولیا" امام ابوالقاسم قشیری (متوفی 465ھ) کا "رسالہ قشریه"

Marfat.com

سید علی ہجویری (متوفی 470ھ) کی "کشف المحجوب" شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی 632ھ) کی "عوارف المعارف" اور امام غزالی (متوفی 505ھ) کی "احیاء العلوم الدین" خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کتابوں میں تصوف کے تصورات اور اصول ومبادی کی توضیح میں جابجا قرآن کریم کی آیات، احادیث اور آثار صحابہ سے استشہاد کیا گیا ہے۔ مزید برآں احادیث کی روایت میں محدثین کے طریقہ پر اسناد کا التزام بھی کیا گیا ہے۔ ان کتابوں میں متقدمین صوفیاء کے جو احوال واقوال درج ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی شمعیں چراغِ نبوت سے جلائی تھیں۔

عالم اسلام کا اخلاقی وروحانی انحطاط:

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالم اسلام کے اخلاقی وروحانی انحطاط کی پیشین گوئی اپنے زمانہ ہی میں کردی تھی۔ چنانچہ آپؐ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے نیک لوگ اٹھ جائیں گے اور پھر جوان کے بعد ہیں اور پھر کوڑا کرکٹ باقی رہ جائے گا جیسے جو یا کھجور کا خراب حصہ۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔[43] نیز آپؐ نے فرمایا کہ دنیا میں سوائے بلا اور فتنہ کے کچھ نہیں رہ جائے گا۔[44] صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انی لاری الفتن تقع علی بیوتکم کوقع المطر.

(میں تمہارے گھروں میں فتنوں کو برستے ہوئے ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے بارش کا پانی گرتا ہے)۔ چنانچہ پہلی صدی ہجری ہی میں فتنوں اور آزمائشوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ دور صحابہ اور دور تابعین میں حساس شخصیتوں نے ان حالات پر آنسو بہائے۔ حضرت عائشہؓ (متوفی 58ھ) عرب کے مشہور شاعر لبید (متوفی 41ھ) کا یہ شعر پڑھتیں تو کہتیں کہ خدا لبید پر رحم فرمائے۔ جن لوگوں کے درمیان ہم رہ رہے ہیں اگر لبید ان کے زمانہ میں ہوتا تو خدا معلوم اس کی کیا حالت ہوتی۔

ذھب الذین یعاش فی اکنافھم   و بقیت فی خلف کجلد الاجرب[45]

حضرت عبداللہ بن عباس (متوفی 68ھ) کا شعر ہے:

وما الناس بالناس الذین عھدتم   وما الدار بالدار التی کنت اعرف[46]

(یہ لوگ تو ان جیسے نہیں ہیں جن کا زمانہ میں نے پایا تھا اور نہ یہ ملک وہ ملک ہے جسے میں پہچانتا تھا)۔

حضرت عبداللہ بن مبارک (متوفی 181ھ) کا شعر ہے:

Marfat.com

تعزب الحق حتی ماله علم یوتی الیه ولا یرجی له احد
(حق اجنبی ہو گیا یہاں تک کہ اس کا نشان تک نہیں رہا کہ کوئی اس تک پہنچ سکے اور نہ کسی سے اس کی امید کی جا سکتی ہے)۔

فتنوں اور آزمائشوں نے اسلامی تہذیب کے تمام شعبوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا لیکن ہر دور میں علمائے حق اور اصحاب استقامت نے ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا اور ہدایت کے میناروں کی روشنی بجھنے نہ دی۔ تیسری صدی ہجری میں باطل فرقوں نے سر اٹھایا جن میں کرامیہ، باطنیہ، معتزلہ، سبائیہ اور مانویہ شامل تھے۔ کرامیہ فرقہ ابوعبداللہ محمد بن کرام (متوفی 255ھ) کے نام سے منسوب ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ ذات الٰہ ایک جوہر ہے۔ اس کے پیروؤں نے جوہر کو جسم میں بدل ڈالا۔ کرامیہ کہتے تھے کہ کوئی شخص اگر محض زبان سے کلمہ پڑھے خواہ دل میں کفریہ عقائد کیوں نہ رکھتا ہو، وہ مومن ہے۔ کرامیہ عقیدہ زیادہ تر خراسان میں پھیلا۔ اسے شاہ غزنہ امیر ناصر الدین ابومنصور سبکتگین کی حمایت حاصل ہوئی۔ 488ھ میں نیشاپور میں کرامیوں اور اہل سنت کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی۔ حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی کے زمانہ میں کرامیہ کی ایک بڑی تعداد خراسان میں موجود تھی۔[47] باطنیہ فرقہ نے حسن بن صباح کے زمانہ میں زور پکڑا۔ ان لوگوں نے زہد و تقویٰ کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں میں بداعتقادی پھیلانے کی کوشش کی۔ باطنیہ نے ایک خاص قسم کی تاویل، جسے تفسیر باطنی کہہ سکتے ہیں، کی اشاعت کی۔ انہوں نے سماوات سے امام اور ارض سے امام کے پیرو مراد لیے۔ ان کی اصطلاحات، تصورات اور تمثیلات نے بعض صوفیاء کو متاثر کیا۔ اسی طرح بعض صوفیاء قرامطہ کے نظریات سے متاثر ہوئے۔ ان باطل فرقوں نے تصوف کی تعلیمات کو اپنے رنگ میں توڑ مروڑ کر پیش کیا جس کی وجہ سے عوام کے ذہنوں میں بدگمانی اور انتشار پیدا ہوا۔ بعض باطل عقیدے مثلاً حلول اور اتحاد چوتھی صدی ہجری میں قرامطہ، باطنیہ اور کرامیہ فرقوں کے ذریعہ تصوف میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے اپنے غیر شرعی اعمال اور اپنے الحاد و زندقہ کو تصوف کے رنگ میں پیش کیا اور زہد کی آڑ میں لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔

اس زمانے کے علماء راسخین اور مشائخ جو علم ظاہر و باطن میں کمال رکھتے تھے، حق و صداقت کی مدافعت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے غلط کار اور جعلی صوفیوں کا پردۂ فریب چاک کیا اور ان کے باطل عقائد کی شد و مد سے تردید کی۔ متقدمین صوفیاء کرام کے ارشادات اور ان کی کتابوں میں اس المیہ پر کافی مواد موجود ہے۔ حضرت جنید بغدادی نے تیسری صدی ہجری کے نصف دوم میں ارشاد فرمایا علمنا هذا قد طوی بساطه منذ کنا سنته ونحن نتکلم فی

حواشیہ (ہمارے اس علم طریقت کی بساط مدت ہوئی اٹھ چکی ہے اور ہم تو صرف اس کے حاشیہ کے بارے میں مصروف گفتگو ہیں)۔ ابوالحسن بوشنجی (متوفی 348ھ) نے فرمایا: (التصوف اسم بلا حقیقتہ وقد کان قبل حقیقتہ ولا اسم)[48] (آج تصوف محض ایک نام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور پچھلے زمانہ میں یہ ایک حقیقت تھی بلا نام کے)۔ امام ابوبکر کلاباذی کہتے ہیں کہ آہستہ آہستہ تصوف کی روح تو جاتی رہی اور صرف نام رہ گیا۔ حقیقت غائب ہوگئی اور رسم موجود رہی۔ وہ لوگ اس کے مدعی بن بیٹھے جو اس سے نابلد تھے۔ انہوں نے تصوف میں وہ امور داخل کیے جو اس میں نہ تھے اور ان کی طرف وہ باتیں منسوب کیں جن سے ان کا تعلق نہ تھا چنانچہ انہوں نے حق کو باطل بنا دیا۔ تصوف سے دل متنفر ہوئے اور نفوس نے منہ موڑ لیا۔[49]

امام قشیری نے اپنے رسالہ میں لکھا:

''صوفیہ کی جماعت کے محققین تو بیشتر ختم ہو چکے ہیں اور اب صرف ان کا نشان باقی رہ گیا ہے۔ ان کی مثال، اس شعر کی مصداق ہے:

اما الخیام فانہا کخیامھم وارٰی نساء الحی غیر نسائہا

(ان کے خیمے تو ویسے ہی دکھائی دیتے ہیں جیسے کہ (محبوب کے لوگوں کے) خیمے دکھائی دیتے تھے مگر قبیلہ کی عورتیں ان خیموں کی عورتوں جیسی دکھائی نہیں دیتیں)۔ طریقت میں خلا پیدا ہو گیا ہے بلکہ درحقیقت طریقت مٹ چکی ہے...... پرہیز گاری جاتی رہی اور اس کی چادر لپیٹ دی گئی اور لالچ بڑھ گیا۔ لوگوں کے دلوں سے شریعت کا احترام اٹھ گیا......لوگوں نے شریعت کی بے حرمتی کرنے اور بے حیائی کو اپنا شعار بنا لیا۔ لوگ عبادات کے ادا کرنے کو حقارت سے دیکھتے ہیں...... جب میں نے دیکھا کہ آج کل اللہ کی طرف سے ہماری آزمائش طول پکڑ چکی ہے مجھے اس بات پر غیرت آئی کہ اہل طریقت کو برائی سے یاد کیا جاتا ہے۔''[50]

شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں: کثرت سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جنہوں نے صوفیاء کا سا طریقہ اختیار کر رکھا ہے مگر درحقیقت ان کے حالات صوفیاء سے مختلف ہیں اور کچھ لوگ صوفیاء کے لباس میں لوگوں کے سامنے آرہے ہیں حالانکہ یہ لوگ بداعمال ہیں جس کی وجہ سے ان لوگوں کے دلوں میں جو صوفیاء کے اسلاف کے اصولوں سے ناواقف ہیں، بدگمانی پیدا ہو

Marfat.com

جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ صوفیاء کو برا بھلا کہنے لگ جاتے ہیں اور یہ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ تصوف محض ایک رسم ہے اور صوفی محض نام، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ حضرت سہروردی نام نہاد گمراہ صوفیوں کی بابت فرماتے ہیں کہ ان کا ایک باطل عقیدہ حلول کا عقیدہ ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں حلول کرتا ہے۔ یہ حلول ہر ایک جسم میں نہیں ہوتا بلکہ وہ جن جسموں کو پسند فرماتا ہے، ان میں حلول کرتا ہے۔ حضرت سہروردی فرماتے ہیں کہ یہ عقیدہ عیسائیوں کے لاہوت وناسوت کے نظریہ سے ماخوذ ہے۔[51] متقدمین صوفیائے کرام کی کتابوں بالخصوص التعرف، رسالہ قشیریہ، عوارف المعارف، کتاب اللمع اور کشف المحجوب میں مکار اور بناوٹی صوفیاء اور ان کے باطل نظریات کا پول کھولا گیا ہے۔ صوفیاء کے بعض گروہ نے ترک طعام، عزلت گزینی اور نفس کشی کے معاملہ میں افراط اور انتہا پسندی سے کام لیا۔ ابونصر سراج نے اپنی کتاب اللمع کے آخری ابواب میں ان پر گرفت کی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ ہر زمانہ میں صوفیاء کرام نے تصوف کو حشو وزوائد اور غیر اسلامی عناصر سے پاک کرنے کی مخلصانہ کوشش کی۔

کیا تصوف بدعت ہے؟

صوفیاء کرام نے اخلاق ذمیمہ کی اصلاح اور نفس کی تادیب کی غرض سے مجاہدات وریاضت کے مختلف طریقے اختیار کیے۔ بعض لوگ اس قسم کی ریاضت ومجاہدہ کو بدعت واحداث سے تعبیر کرتے ہیں اور انہیں غیر اسلامی قرار دیتے ہیں لیکن یہ تنقید ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ احداث فی الدین اور احداث للدین میں بنیادی فرق ہے۔[52] احداث فی الدین وہ بدعت ہے جس کی مذمت حدیث شریف میں **کل بدعتہ ضلالتہ** کے الفاظ میں آئی ہے۔ احداث فی الدین ان عقائد واعمال پر محیط ہے جو اسلامی نظریہ حیات سے مغائرت رکھتے ہوں اور جن کی وجہ سے اسلامی عقائد اور اسلامی معاشرہ میں ضعف وانتشار پیدا ہونے کا خدشہ ہو۔ اس کے برخلاف احداث للدین نہ صرف جائز بلکہ بعض صورتوں میں مستحسن بھی ہے۔ اس کی تائید نہ صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے ہوتی ہے بلکہ صحابہ کرامؓ کے دور میں اس کی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں۔ امام شرف الدین نووی نے صحیح مسلم کے حوالہ سے بسند صحیح یہ حدیث نقل کی ہے: جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا، اسکو اجر ملے گا اور اس کے بعد جو اس طریقہ پر عمل کرے گا، اس کا ثواب بھی اسے ملے گا، اور ان دونوں کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ جاری کیا اس کی پاداش اس کو بھگتنی ہوگی اور اس کے بعد جو بھی اس طریقہ پر عمل

Marfat.com

کرے گا اس کا گناہ بھی اس کے سر ہوگا اور ان دونوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ [53] اس حدیث کی بنیاد پر علماء اسلام نے بدعت حسنہ اور بدعت سیہ میں امتیاز قائم کیا ہے۔ جو لوگ اس امتیاز کے قائل نہیں اور ہر نئی چیز کو غیر اسلامی قرار دیتے ہیں وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ انسانی معاشرہ ایک جامد چیز کا نہیں بلکہ ایک متحرک اور تغیر پذیر شے کا نام ہے۔ اسلامی نظریہ حیات آفاقیت اور ہمہ گیری کا حامل ہے اور ازل سے ابد تک ہر دور اور ہر خطہ زمین میں انسانی معاشرہ کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انسانی معاشرہ کی اثر پذیری اور تغیر و تبدل کی رعایت اسلامی نظریہ حیات میں موجود ہے۔ احادیث نبویؐ اور آپؐ کے اسوہ حسنہ میں اس تخلیقی لچک کی متعدد مثالیں ملتی ہیں مثلاً حکمت اور دانشمندی کے ضمن میں آپؐ نے ارشاد فرمایا الحکمته ضالته المومن حیث وجدها فهوا حق بها۔ [54] (حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے، وہ اسے جہاں بھی پاتا ہے اپنے کو اس کا حقدار سمجھتا ہے)۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عہد میں غیر اقوام کی کئی چیزیں اختیار کیں اور ان کے استعمال کا صحابہ کرامؓ کو حکم دیا۔ جنگ خندق میں حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر آپ نے خندق کھودنے کا ایرانی طریقہ اپنایا۔ اسی جنگ کے دوران یہودیوں کے قلعہ سے دبابات اور منجنیق جیسے جنگ کے آلات مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے استعمال کی اجازت دی۔ آپؐ کے زمانہ میں خطبہ دینے کیلئے جو منبر بنایا گیا تھا، اسے حضرت تمیم داریؓ نے شام کے گرجوں میں مروج منبروں کو دیکھ کر بنایا تھا۔ [55] آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایرانی شلوار پہنی اور ہندوستانی دواؤں کے استعمال کا مشورہ دیا۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کے دور میں بعض کاموں کی ابتداء ہوئی جو اگرچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھے لیکن صحابہ کرامؓ کی بصیرت ایمانی نے انہیں منشا نبوی کے موافق سمجھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں نماز تراویح کی جماعت شروع کی گئی۔ سن ہجری کا آغاز ہوا۔ معلموں اور اماموں کی تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ چنگی کا محکمہ قائم کیا گیا۔ [56] یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ کرامؓ بقید حیات تھے۔ حضرت عمرؓ کے ان اقدامات پر ان کی طرف سے کوئی اعتراض یا نکیر نہیں کی گئی۔

صوفیاء کرام نے تادیب نفس اور رذائل اخلاق کی اصلاح کی غرض سے جو مجاہدے اور ریاضتیں وضع کیں، وہ مقصود بالذات نہیں تھیں۔ ان کی حیثیت تزکیہ واحسان کے حصول کیلئے وسائل وذرائع کی تھی۔ ان میں سے کئی مجاہدات کی اصل عہد نبوی اور دور صحابہ میں پائی جاتی ہے۔ صوفیاء کرام کے وضع کردہ مجاہدات اور ریاضتوں میں مقامی وتہذیبی خصائل اور شخصی مزاج ومیلان

کی رعایت پوری طرح موجود ہے۔ اکابر صوفیاء کا قول ہے طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق.[57] (وصول الی اللہ اور معرفت حق کے طریقے لوگوں کے سانسوں کی طرح بے شمار ہیں)۔ چنانچہ سالک کی تربیت اس کے ظرف واستعداد، رجحان طبع اور قومی خصائل کے مطابق کی جاتی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے طریقہ نقشبندیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ بہاء الدین ترکوں کی سرزمین میں مقام احسان کی تجدید کیلئے مقرر کیے گئے تھے۔ ترکوں میں بہیمی قوت بہت زیادہ تھی۔ حضرت شیخ مجذوب تھے۔ ان کے ملکی سر نے الٰہی نور اور تدلی کو قبول کرلیا تھا۔ اس لیے آپ کی نسبت اور آپ کی تربیت کا جو خاص قاعدہ تھا اسی سے ایسا مفید طریقہ نکل آیا جو حد سے زیادہ نفع بخش ثابت ہوا۔

اکابر صوفیاء اس حقیقت سے بھی اچھی طرح واقف تھے کہ ریاضت ومجاہدہ کا مقصد تزکیہ اخلاق کا حصول ہے لہٰذا مرشد کی نظر اس مقصد کی طرف ہونی چاہیے نہ کہ ریاضت ومجاہدہ اور اوراد ووظائف کی طرف جو صرف وسائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شیخ نصیر الدین محمود فرماتے ہیں کہ نفس کو شکستہ اور مغلوب بنانے کیلئے کڑی ریاضتیں اور مجاہدے تجویز کیے جاتے ہیں۔ اس نفس کشی کا مقصد اخلاق ذمیمہ سے نجات حاصل کرنا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: نسبت صوفیاء کبریت احمراست ورسوم اشیاں، ہیچ نیرزد (صوفیہ کی نسبت باطنی نعمت عظمیٰ ہے لیکن ان کے رسوم اور طریقوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے)۔

Marfat.com

باب:1

ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کا فروغ

دوسری صدی ہجری ہی میں صوفیاء کرام کے بابرکت قدم ہندوستان پہنچ چکے تھے۔ برصغیر پاک و ہند کے پہلے صوفی جن کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے، حاجی ترابی ہیں جو 171 ہجری میں سندھ تشریف لائے۔ وہ تبع تابعین میں سے تھے۔[1] قدیم صوفیاء میں سید صفی الدین گازرونی (متوفی 398ھ)، سالار مسعود غازی (متوفی 426ھ)، شیخ علی ہجویری (متوفی 481ھ)، سلطان سخی سرور (متوفی 577ھ)، شیخ عطاء اللہ (متوفی 550ھ)، سید احمد توختہ (متوفی 602ھ) اور شیخ حسین زنجانی (متوفی 600ھ) خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

پاک و ہند کے سلاسل تصوف میں سلسلہ چشتیہ نے سب سے زیادہ قبول خاص و عام حاصل کیا۔ چشت افغانستان میں ہرات کے قریب ایک گاؤں ہے۔ سلسلہ چشتیہ کے بانی خواجہ ابواسحاق شامی (متوفی 329ھ) تھے۔ وہ شام کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے بغداد آئے اور شیخ ممشاد دینوری (متوفی 298ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے خواجہ ابواسحاق کو چشت جانے کا حکم دیا۔ اپنے پیرومرشد کی خدمت میں سات سال گزارنے کے بعد خواجہ ابواسحاق نے چشت کا سفر کیا اور یہاں آ کر فقر و فاقہ کی زندگی گزاری۔ یہاں ان کی تبلیغ و ارشاد سے سلسلہ چشتیہ کی بنیاد پڑی۔[2] خواجہ ابواسحاق کا شجرہ طریقت اس طرح ہے: خواجہ ابواسحاق شامی، خواجہ ممشاد علو دینوری، خواجہ ابوہبیرہ بصری، خواجہ حذیفہ مرعشی، خواجہ ابراہیم بن ادہم بلخی، خواجہ فضیل بن عیاض، خواجہ عبدالواحد بن زید، خواجہ حسن بصریؒ، حضرت علیؓ بن ابی طالب، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ خواجہ ابواسحاق مکاشفات کے پوشیدہ رکھنے میں بے حد کوشش فرماتے تھے تاکہ عوام آپ کے کمال حال پر مطلع نہ ہوں۔[3] آپ سماع کے بہت شوقین تھے لیکن دنیاداروں کو ان کی محفل سماع میں شریک ہونے کی اجازت نہ تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ دنیا والوں کو اپنی مجلس میں شریک ہونے کے فیض سے کیوں محروم کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ دنیا

اور دنیا والے اہل کثافت کے زمرہ میں آتے ہیں اور درویش اہل لطافت کے زمرہ میں۔ کثافت اور لطافت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دو ضدوں کا اجتماع محال ہے۔ پھر سماع کیلئے اجماع اخوان کی شرط ضروری ہے تا کہ اس وقت سب کا دل خدا کی طرف متوجہ رہے اور سب حاضرین دیدار یار کے طالب ہوں۔ [4] ایک مرتبہ شدید خشک سالی ہوئی۔ سلطان وقت اور تمام علماء وآئمہ خواجہ ابواسحاق کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے قوالوں کو طلب فرمایا اور مجلس سماع منعقد کرنے کا حکم فرمایا لیکن سلطان وقت سے فرمایا کہ آپ تشریف لے جائیں۔ سلطان نے بعض فقراء کے ذریعہ خواجہ ابواسحاق سے درخواست کی کہ اسے بھی مجلس میں شرکت کی اجازت دی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر سلطان مجلس سماع میں موجود ہوں گے تو بہت سی نعمتیں جو سماع کے دوران اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہیں، وہ موقوف ہو جائیں گی پھر بارش کیسے ہوگی؟ سلطان آپ کے حکم کے مطابق اپنے محل میں چلا گیا۔ خواجہ ابواسحاق پر سماع کے دوران حال اور وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور وہ زار زار رونے لگے۔ اس وقت رحمت الٰہی جوش میں آئی اور بارش ہونے لگی۔ [5]

خواجہ معین الدین چشتیؒ:

چھٹی صدی ہجری میں سلسلہ چشتیہ ہندوستان میں خواجہ معین الدین چشتی کے ذریعہ پہنچا۔ آپ کا شجرہ طریقت اس طرح ہے: خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ عثمان ہارونی، حاجی شریف زندانی، خواجہ مودود چشتی، خواجہ ناصر الدین یوسف، خواجہ ابو محمد چشتی، خواجہ ابو احمد چشتی، خواجہ ابواسحاق شامی۔ خواجہ معین الدین چشتی کی ولادت 534 ہجری میں بمقام سجستان ہوئی جو مشرقی ایران میں ہے۔ آپ کے والد خواجہ غیاث الدین حسن نہایت نیک اور پرہیزگار آدمی تھے۔ خواجہ معین الدین کی نشو ونما شہر خراسان میں ہوئی۔ آپ پندرہ برس کے تھے کہ والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ وہ ایک پن چکی اور باغ چھوڑ گئے جو آپ کے گذر بسر کا سہارا بنا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کے بعد سمرقند و بخارا کا سفر کیا جو اس زمانہ میں علم وفضل کے مرکز بنے ہوئے تھے۔ وہاں آپ نے قرآن کریم حفظ کیا اور علوم ظاہری میں دستگاہ حاصل کی وہاں سے آپ ہارون پہنچے جو نیشاپور کے نواح میں ایک قصبہ ہے۔ خواجہ عثمان ہارونی (متوفی 617ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ عثمان علوم ظاہری و باطنی میں کمال رکھتے تھے اور ریاضت ومجاہدات میں بے نظیر تھے۔ آپ اکثر سفر میں رہا کرتے تھے اور تجرید وتفرید میں زندگی بسر کرتے تھے۔ خواجہ معین الدین نے اپنے پیر

Marfat.com

و مرشد کی دل و جان سے خدمت کی۔ سفر و حضر میں ان کا سامان اور بستر ساتھ لے کر چلتے تھے۔[6] وہ اپنے مرشد کے ساتھ سیوستان، دمشق، اوش، بدخشاں، بغداد اور حرمین شریفین گئے اور وہاں کے مشائخ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ تقریباً بیس سال اپنے مرشد کی خدمت میں رہنے کے بعد 52 سال کی عمر میں خواجہ معین الدین نے خرقہ خلافت پایا۔ ان کے مرشد انہیں بہت عزیز رکھتے تھے اور فرماتے تھے: معین الدین محبوب خدا است و مرا فخر است بر مریدی او (معین الدین حق تعالیٰ کا محبوب ہے اور ہمیں اس کی مریدی پر فخر ہے۔)[7] خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد خواجہ معین الدین نے دور دراز کے سفر کیے اور مشائخ عظام سے فیض حاصل کیا۔ سنجان میں شیخ نجم الدین کبریٰ (متوفی 168ھ) کی خدمت میں اڑھائی برس تک رہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی (متوفی 561ھ) کی خدمت میں پانچ مہینے رہے۔ آپ نے ضیاء الدین عبدالقاہر سہروردی (متوفی 632ھ)، شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی 632ھ)، شیخ اوحد الدین کرمانی (متوفی 634ھ) اور شیخ ابوسعید تبریزی سے بھی ملاقات کی اور ان سے روحانی فیض حاصل کیا۔ اس زمانہ میں خواجہ معین الدین نے سخت مجاہدات کیے۔ روزانہ قرآن کریم ختم کرتے۔ ہمیشہ روزہ سے رہتے اور سات روز کے بعد روٹی پانی میں بھگو کر افطار کرتے تھے۔ دوہرا سلا ہوا بغل بند یا دوتائی استعمال کرتے۔ اگر کہیں سے پھٹ جاتا تو اس میں پیوند لگا لیا کرتے۔ اکثر سفر میں رہتے اور جہاں لوگوں کو ان کی بزرگی کا پتہ چل جاتا وہاں نہ ٹھہرتے۔[8]

خواجہ معین الدین اپنے اسفار کے دوران جب مدینہ منورہ پہنچے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار اقدس پر مراقب ہوئے تو ان کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی۔ 588 ہجری میں آپ لاہور پہنچے وہاں سے آپ دہلی آئے۔ دہلی میں جب خلق خدا مزاحم ہوئی تو آپ اجمیر کی طرف روانہ ہو گئے۔[9] اس زمانہ میں اجمیر میں رائے پتھورا کی حکومت تھی۔ ایک مسلمان جو خواجہ معین الدین سے بیعت تھا، رائے پتھورا کے دربار میں ملازم تھا۔ رائے پتھورا نے اس کو تکلیفیں پہنچانی شروع کیں۔ خواجہ معین الدین نے رائے پتھورا کو اس کے ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے اپنے مصاحبوں اور حواریوں سے کہا کہ یہ شخص باہر سے آیا ہے اور ہم پر حکم چلاتا ہے۔ جب اس کی یہ باتیں خواجہ کے کانوں تک پہنچیں تو آپ نے فرمایا کہ پتھورا کو ہم نے زندہ گرفتار کر کے لشکر اسلام کے حوالے کر دیا ہے۔ اسی زمانہ میں سلطان معزالدین سام غزنی سے اجمیر پہنچا۔ پتھورا کا مقابلہ لشکر اسلام سے ہوا اور وہ سلطان معزالدین کے ہاتھوں زندہ گرفتار ہوا۔ خواجہ معین الدین نے اجمیر اور اس کے نواح میں اسلام اور معرفت حق کی شمع روشن کی اور بے

Marfat.com

شمار لوگ آپ کے انفاس طیبہ کی برکت سے ایمان واسلام کی دولت سے مشرف ہوئے۔ ستانوے برس کی عمر میں آپ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ آپ کے خلفاء میں شیخ حمید الدین سوالی ناگوری اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے معرفت کے کارواں کو آگے بڑھایا۔

خواجہ معین الدین چشتی کی تعلیمات اور ملفوظات معرفت وبصیرت سے لبریز ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: حق تعالیٰ کے پہچاننے کی علامت خلق سے بھاگنا اور معرفت میں خاموش رہنا ہے۔ اہل محبت کی علامت یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی کا مطیع نہ ہو اور کسی سے ڈر کر اس کے حکم پر نہ چلے۔ فرمایا کہ سب سے بہتر اطاعت مظلوموں کی فریاد رسی کرنا، ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرنا اور بھوکوں کو پیٹ بھر کھانا کھلانا ہے۔ فرمایا کہ جس میں تین خصلتیں ہوں گی وہ اس حقیقت کو جان لے کہ حق تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے: اول سخاوتے چوں سخاوت دریا، دوم شفقتے چوں شفقت آفتاب، سوم تواضعے چوں تواضع زمیں[10] (اول سخاوت دریا کی طرح، دوم شفقت آفتاب کی طرح، سوم تواضع زمین کی طرح)۔ فرمایا کہ بدبختی کی علامت یہ ہے کہ گناہ کرتا رہے پھر بھی مقبول بارگاہ ہونے کا امیدوار رہے۔ عارف کی علامت یہ ہے کہ خاموش اور غمگین رہے گا نیز یہ کہ موت کو پسند کرے، عیش وراحت کو چھوڑ دے اور یاد الٰہی سے انس حاصل کرے۔ فرمایا چار چیزیں نفس کا جوہر ہیں: اول درویشی میں تونگری کرنا، دوم بھوک میں سیر نظر آنا، سوم غم میں مسرور معلوم ہونا، چہارم دشمن سے بھی دوستی کا معاملہ کرنا۔ فرمایا کہ درحقیقت متوکل وہ ہے جس کو مخلوق سے تکلیف اور اذیت ملے لیکن نہ وہ کسی سے شکایت کرے اور نہ کسی سے ذکر کرے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ:

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، جو خواجہ معین الدین چشتی کے اجل خلفا میں سے ہیں، افغانستان کے شہر فرغانہ کے ایک قصبہ اوش میں پیدا ہوئے۔ اوش میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ بغداد تشریف لائے۔ 522 ہجری میں بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمد اصفہانی کی موجودگی میں خواجہ معین الدین چشتی کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ شمس الدین التتمش کے دور حکومت میں آپ دہلی تشریف لائے۔ سلطان نے آپ کا پرزور استقبال کیا۔ اس کو حضرت قطب الدین بختیار سے بڑی عقیدت تھی اور وہ ہفتہ میں دو دفعہ ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا۔ اس نے آپ کو شیخ الاسلام کے عہدہ کی پیش کش کی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ تمام شہر کے لوگ آپ کے معتقد اور گرویدہ تھے۔

Marfat.com

ایک دفعہ خواجہ قطب الدین بختیار کے پیرومرشد خواجہ معین الدین چشتی اجمیر سے دہلی تشریف لائے۔ اس زمانہ میں شیخ نجم الدین صغریٰ دہلی کے شیخ الاسلام تھے۔ خواجہ معین الدین اور شیخ نجم الدین صغریٰ میں بڑی دوستی تھی۔ خواجہ معین الدین جب ان سے ملنے گئے تو وہ اپنے صحن میں ایک چبوترہ بنوا رہے تھے۔ وہ خواجہ معین الدین کے ساتھ گرمجوشی سے پیش نہیں آئے۔ ان کی سردمہری دیکھ کر خواجہ معین الدین نے فرمایا کہ شاید شیخ الاسلامی نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ شیخ نجم الدین نے جواب دیا کہ یہ بات نہیں ہے۔ میں تو آپ کا وہی مخلص اور قدیم نیازمند ہوں لیکن آپ نے شہر میں اپنا ایک مرید ایسا چھوڑا ہے جو میری شیخ الاسلامی کو کسی درجہ میں بھی شمار نہیں کرتا۔ ان کی یہ بات سن کر خواجہ معین الدین نے تبسم فرمایا اور کہا کہ اچھا تم پریشان مت ہو۔ قطب الدین کو میں اپنے ہمراہ لے جاؤں گا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ خواجہ قطب الدین کے کمال کی شہرت کی دھوم مچی ہوئی تھی اور تمام اہل شہر ان کے بے حد معتقد تھے۔ خواجہ معین الدین نے خواجہ قطب الدین سے فرمایا کہ تم اس قدر مشہور ہو گئے ہو کہ لوگ تمہاری شکایت کرنے لگے ہیں لہٰذا تم یہاں سے چلو اور میرے ساتھ اجمیر میں رہو۔ پس آپ کے ارشاد کے مطابق خواجہ قطب الدین اپنے شیخ کے ہمراہ اجمیر روانہ ہوئے۔ جب لوگوں کو پتہ چلا کہ حضرت دہلی چھوڑ کر جا رہے ہیں تو تمام شہر میں کہرام مچ گیا۔ سلطان شمس الدین التمش اور تمام اہل شہر آپ کے پیچھے روانہ ہوئے۔ جہاں خواجہ قطب الدین کے قدم مبارک پڑتے تھے لوگ اس زمین کی خاک کو تبرک سمجھ کر اٹھا لیتے تھے اور سب لوگ نہایت آہ وزاری کر رہے تھے۔ جب خواجہ معین الدین نے لوگوں کی اس عقیدت اور اضطراب کی حالت دیکھی تو فرمایا: بابا بختیار! تم اسی شہر میں رہو کیونکہ لوگ تمہارے لیے پریشان اور بے چین ہیں۔ مجھے یہ گوارا نہیں کہ اتنے لوگ تمہارے لیے بے چین ہوں۔ میں نے اس شہر کو تمہاری پناہ میں چھوڑا ہے پھر خواجہ قطب الدین اہل شہر کے ساتھ واپس لوٹ آئے اور خواجہ معین الدین اجمیر کی طرف روانہ ہوئے۔ [11]

ایک زمانہ میں خواجہ قطب الدین، شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ملتان میں تھے۔ اچانک منگولوں کا لشکر ملتان کے قلعہ کی دیوار کے نیچے پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کی تیاری میں لگ گیا۔ ملتان کا والی ناصر الدین قباچہ ان بزرگوں کی خدمت میں آیا اور دعا کی درخواست کی۔ خواجہ قطب الدین نے ایک تیر قباچہ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ اسے دشمن کے لشکر کی طرف رات میں پھینک دینا۔ چنانچہ قباچہ نے ایسا ہی کیا جب دن نکلا تو پتہ چلا کہ منگولی لشکر وہاں سے جا چکا تھا۔ [12]

Marfat.com

خواجہ قطب الدین نے اپنی زندگی عبادت و ریاضت اور سخت مجاہدات میں گزاری۔ آپ ہر رات تین ہزار مرتبہ درود شریف آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھیجتے تھے۔ مشغولیت اتنی تھی کہ آخری عمر میں آپ نے سونا چھوڑ دیا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں ذرا سی دیر میں بھی سو لیتا ہوں تو تکلیف محسوس کرتا ہوں۔ آپ نے آخری زمانہ میں قرآن کریم حفظ فرمایا۔ ہر روز دو کلام پاک ختم کرتے تھے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا بیان ہے کہ عید کا دن تھا۔ خواجہ قطب الدین عید گاہ سے واپس لوٹ کر اس جگہ آئے جہاں آج آپ کا روضہ مبارک ہے۔ یہ جگہ اس زمانہ میں جنگل تھی۔ خواجہ اس مقام پر کھڑے ہو کر کچھ سوچنے لگے۔ جو عزیز آپ کے ساتھ تھے انہوں نے عرض کی کہ آج عید کا دن ہے اور لوگ آپ کے منتظر ہیں کہ آپ گھر تشریف لائیں اور کچھ تناول فرمائیں۔ خواجہ نے فرمایا کہ مجھے اس زمین سے اہل دل کی بو آتی ہے۔ پھر آپ نے اس زمین کے مالک کو بلوایا اور اپنی جیب خاص سے زمین کی قیمت ادا کر کے اسے خرید لیا اور وصیت فرمائی کہ مجھے اسی جگہ دفن کیا جائے۔

ایک مرتبہ شیخ علی سکری کی خانقاہ میں محفل سماع تھی۔ خواجہ قطب الدین بھی اس محفل میں شریک تھے۔ قوال نے شیخ احمد جام کا یہ شعر پڑھا:

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

خواجہ قطب الدین پر اس شعر نے اس قدر اثر کیا کہ آپ خانقاہ سے گھر تک مدہوش و متحیر لائے گئے۔ بار بار قوالوں سے فرماتے کہ یہی شعر پڑھو۔ قوال یہی شعر پڑھتے۔ حضرت خواجہ اسی عالم تحیر اور مدہوشی میں تھے لیکن جب نماز کا وقت آ جاتا تو نماز پڑھتے۔ پھر یہی شعر پڑھواتے اور خود بھی پڑھتے۔ اسی عالم تحیر میں چار شبانہ روز گزرے۔ پانچویں شب میں آپ اپنے پروردگار سے جا ملے۔ [13] تاریخ وفات 14 ربیع الاول 633ھ ہے۔

آخری وقت میں خواجہ قطب الدین نے شیخ فرید الدین گنج شکر کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ آپ کے دیگر خلفا میں شیخ بدرالدین غزنوی، خواجہ عماد الدین، خواجہ سید محمد صغریٰ، شیخ محمود، شیخ معزالدین، شیخ محمود، شیخ حامد الدین، شیخ سعد اور قاضی عماد شامل ہیں۔ [14]

شیخ حمید الدین سوالی ناگوری:

خواجہ معین الدین چشتی کے جلیل القدر مرید و خلیفہ شیخ حمید الدین سوالی کی ولادت فتح دہلی کے بعد ہوئی۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں کہ اول کسے کہ بعد از فتح سلام در دہلی زادہ شدمن

بودم۔[15] آپ راجستھان کے ضلع ناگور کے ضلع سوال میں رہتے تھے۔نہایت خوبصورت تھے جو عورت ان کو دیکھتی فریفتہ ہو جاتی تھی۔جب انہوں نے خواجہ معین الدین کے ہاتھ پر بیعت کی تو تائب ہو گئے اور باقی زندگی ترک وتفرید میں گزاردی۔جو کچھ ان کی ملکیت میں تھا سب فقراء کو دے دیا۔[16] توبہ کے بعد ایک دفعہ ان کے پرانے دوستوں نے ان کو پرانی عادتوں کی طرف مائل کرنا چاہا تو شیخ حمید الدین نے جواب دیا کہ جاؤ اپنا کام کرو۔میں نے اپنا ازار بند اتنا مضبو باندھا ہے کہ کل قیامت کے دن حوران بہشتی پر بھی نہیں کھلے گا۔[17] آپ کی ملکیت میں ایک بیگھا زمین تھی اور آپ کی معیشت کا دارومدار اس زمین کی کاشت پر تھا۔وہ نصف بیگھا زمین خود ہل چلا کر اپنے ہاتھ سے کاشت کرتے پھر دوسرا بیگھا جوتتے اور اس کے ذریعہ سے اپنے مصارف پورے کرتے۔ ایک چادر پر گزارا کرتے۔نصف چادر باندھتے اور نصف چادر جسم پر ڈالتے تھے۔گھر میں گائے پالی ہوئی تھی۔صرف سبزی ترکاری کھاتے تھے۔گوشت وغیرہ انہیں پسند نہ تھا۔لوگوں سے وہ ہندوی زبان میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

حاکم ناگور کو جب آپ کی تنگدستی اور عسرت کا حال معلوم ہوا تو وہ کچھ نقد رقم لے کر حضرت کے پاس آیا اور عرض کی کہ اگر آپ کچھ زمین قبول فرمالیں تو میں اس کے بیج اور بونے کا انتظام کر دوں تاکہ آپ مطمئن ہو کر عبادت الٰہی میں مشغول ہوں۔شیخ حمید الدین نے فرمایا کہ ہمارے خواجگان میں کبھی کسی نے کوئی ایسی چیز قبول نہیں کی۔میرے لیے ایک بیگھا زمین جو میری ملک ہے، کافی ہے۔آپ نے حاکم سے معذرت کی اور اس کی لائی ہوئی چیزوں میں سے کوئی چیز قبول نہیں کی۔اس حاکم نے آپ کی بزرگی اور درویشی کا حال بادشاہ وقت سے عرض کیا۔بادشاہ نے پانچ سو تنکے اور ایک گاؤں کا فرمان اس حاکم کے پاس بھجوایا اور حکم دیا کہ وہ خود شیخ کے پاس جائے اور بادشاہ کی طرف سے قبول کرنے کیلئے درخواست کرے۔چنانچہ حاکم ناگور نے ایسا ہی کیا جب وہ رقم اور فرمان لے کر آپ کے پاس گیا اور آپ کے سامنے بادشاہ کی درخواست پیش کی تو آپ نے کچھ نہ کہا اور حاکم کو بٹھا کر اپنی بیوی کے پاس تشریف لے گئے۔آپ کی بیوی کا یہ حال تھا کہ ناداری کی وجہ سے ان کے سر پر دوپٹہ نہ تھا اور پیراہن کا دامن سر پر ڈال رکھا تھا۔خود شیخ کا تہ بند پرانا اور بوسیدہ ہو چکا تھا۔آپ نے سوچا کہ بیوی کی درویشی اور قناعت کو آزمانے کا اچھا موقع ہے۔آپ نے بیوی سے کہا کہ بادشاہ وقت نے چاندی کے پانچ سو تنکے اور ایک گاؤں کا فرمان بھجوایا ہے۔تمہارا کیا مشورہ ہے کہ میں ان کو قبول کروں یا نہ کروں۔آپ کی بیوی نے جواب دیا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اتنے دنوں کی درویشی کو ان چند تنکوں کی خاطر برباد کرلیں۔آپ مطمئن

رہیں۔ میں نے دو سیر سوت کات کر رکھا ہے۔ اس سے آپ کا تہ بند اور میرا دوپٹہ تیار ہو جائے گا۔ جب یہ بات شیخ حمید الدین نے اپنی بیوی کی زبان سے سنی تو نہایت خوش ہوئے اور باہر آ کر حاکم ناگور سے کہا کہ مجھے آپ کی لائی ہوئی چیزوں کی حاجت نہیں۔ میں ان کے قبول کرنے سے قاصر ہوں۔ [18]

شیخ حمید الدین کی فراست ایمانی اور بصیرت درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ خطہ ناگور میں ایک ہندو تھا۔ جب بھی شیخ حمید الدین اس کو دیکھتے تو فرماتے کہ یہ ولی ہے۔ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ چنانچہ آپ کی یہ بات درست ثابت ہوئی۔ [19] آپ کے ملفوظات، جو ''سیر الاولیاء'' اور ''فوائد الفواد'' میں منقول ہیں، آپ کی بصیرت اور علم و فضل کے آئینہ دار ہیں۔ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ''سرور الصدور'' کے نام سے آپ کے پوتے خواجہ فرید الدین نے مرتب کیا تھا۔ [20] فرماتے ہیں کہ خدا کا خاص بندہ وہ ہے جس کو حق تعالیٰ عام لوگوں کی صحبت سے محفوظ رکھے اور قبول عام وخاص کے جال میں نہ پھنسائے۔ تم جس کو دیکھو کہ خلقت اس کی طرف متوجہ ہے یا وہ خلقت کی طرف متوجہ ہے وہ خدا تعالیٰ کے حلقہ خصوصیت سے باہر ہو جاتا ہے۔ دنیا شیطان کا جال ہے اور خواہش نفس کا جال ہے جو چاہتا ہے کہ ان جالوں میں گرفتار نہ ہو اسے چاہیے کہ وہ دنیا سے ہاتھ اٹھا لے اور خلقت کو جو حماقت سے اس جال میں پڑی ہوئی ہے اسے چھوڑ دے۔ [21] فرمایا کہ معرفت اس کا نام ہے کہ حس، نفس، قلب اور روح کے مرکب میں سے تم ہر ایک کو علم و عمل سے جان لو اگر ہر ایک کا تمہیں علم ہے اور عمل نہیں ہے تو تمہارے واسطے کچھ فائدہ بخش نہیں۔ اگر تم علم سے پہچانتے ہو اور عمل سے نہیں پہچانتے تو تم عالم تو ہو گے عارف نہ ہو گے جب تک کہ اوصاف کو محو نہ کرو گے یا میں یہ کہوں کہ جب تک تم کامل صفائی حاصل نہ کرو گے اس وقت تک عارف کہلانے کے مستحق نہ ہو گے۔ [22] ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض اولیاء کرام جب اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو ان کا شہرہ اقصائے عالم میں ہوتا ہے اور بعض جب اس دنیا سے سفر آخرت کرتے ہیں تو ان کا کوئی نام بھی نہیں لیتا۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ شیخ حمید الدین نے جواب میں فرمایا کہ جو لوگ اپنی حیات میں اپنے آپ کو چھپائے رکھتے ہیں، ان کی وفات کے بعد حق تعالیٰ ان کو مشہور کرتا ہے اور جو لوگ اپنی زندگی میں شہرت کیلئے کوشش کرتے ہیں ان کے جانے کے بعد کوئی ان کا نام نہیں لیتا۔ [23]

خواجہ معین الدین چشتی کے یہاں جب فرزند پیدا ہوئے تو ایک دن انہوں نے اپنے مرید خواجہ حمید الدین سے فرمایا کہ جب میں جوان تھا تو اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگتا تھا، فوراً مل جاتا تھا اور

اب بوڑھے اور صاحب اولاد ہونے کے بعد وہ اثر باقی نہیں رہا۔ حضرت حمید الدین نے عرض کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے حضرت مریمؑ گرمی میں جاڑے کا میوہ بھی چاہتیں تو مل جاتا تھا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد یہ بات نہ رہی۔ ان کو حکم دیا گیا وھزی الیک بجذع النخلته تساقط علیک رطبا جنیا (خرمے کا درخت ہلاؤ اس میں سے کھجوریں گریں گی)۔ لیکن قدر و مرتبہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کچھ فرق نہیں کرتا اور ان لوگوں کا ولایت پر تصرف اسی طرح باقی رہتا ہے۔[24] خواجہ حمید الدین نے 673ھ میں رحلت فرمائی۔

شیخ فرید الدین مسعود:

شیخ فرید الدین مسعود کے جداعلیٰ قاضی شعیب سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ میں کابل سے لاہور تشریف لائے اور قصبہ قصور میں قیام فرمایا۔ قصور کے قاضی نے ان کی بڑی تعظیم وتکریم کی اور اس خانوادہ کی عظمت اور بزرگی کا حال بادشاہ کو لکھا۔ بادشاہ نے فرمان جاری کیا کہ جیسی ان کی مرضی ہو ویسا ہی کیا جائے۔ قاضی شعیبؒ نے فرمایا کہ ہمیں دنیا کے کسی کام کی ضرورت نہیں۔ جو چیز ہمارے ہاتھ سے نکل چکی ہے ہم اس کے پیچھے نہیں دوڑیں گے۔[25] بادشاہ نے قاضی شعیب کو کھوتی والا (کھتوال) میں، جو ملتان سے قریب ہے، عہدہ قضا پر مقرر کیا۔ شیخ فرید الدین کے والد شیخ کمال الدین بھی اسی عہدہ پر فائز رہے۔ ان کے تین لڑکے ہوئے اعزالدین محمود، فرید الدین مسعود اور نجیب الدین (متوکل)۔ شیخ فرید الدین کی ولادت موضع کھتوال میں 575ہجری میں ہوئی۔ ان کی والدہ باعفت اور صاحب کمال خاتون تھیں۔[26]

حضرت بابا صاحب نے ابتدائی تعلیم مولانا منہاج الدین ترمذی سے حاصل کی۔ ایک دن آپ ایک مسجد میں کتاب ''نافع'' کا سبق یاد کر رہے تھے کہ اس موقع پر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وہاں تشریف لائے۔ شیخ فرید الدین نے ان کی بڑی تعظیم کی۔ قطب صاحب نے ان سے پوچھا کہ کیا پڑھ رہے ہو؟ انہوں نے عرض کی کہ نافع پڑھ رہا ہوں۔ حضرت قطب صاحب نے فرمایا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہیں اس نافع سے نفع ہوگا؟ آپ نے عرض کی کہ میرا نفع تو آپ کی نگاہ کیمیا اثر میں ہے۔[27] یہ کہہ کر شیخ فرید الدین اٹھے اور حضرت قطب صاحب کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور آپ کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے۔ جب حضرت قطب صاحب دہلی روانہ ہوئے تو شیخ فرید الدین بھی آپ کے ساتھ ہوئے اور یہاں آ کر آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

جس مجلس میں شیخ فریدالدین نے حضرت قطب صاحب کے دست حق پرست پر بیعت کی اس مجلس میں قاضی حمیدالدین ناگوری (متوفی 643ھ)، مولانا علاء الدین کرمانی، سید نورالدین مبارک غزنوی (متوفی 633ھ)، شیخ نظام الدین ابوالموید (متوفی 672ھ)، مولانا شمس ترک، خواجہ محمود موئنہ دوز اور دوسرے علماء وصوفیاء موجود تھے۔ اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ اس کے بعد آپ نے قرآن کریم حفظ کیا اور اپنے پیر کے حکم سے علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ اس مقصد سے آپ شہر قندھار میں پانچ سال تک مقیم رہے۔ اس کے بعد دہلی آئے اور حضرت قطب صاحب کی صحبت میں رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ نے بغداد، ایران اور بخارا کی سیاحت اختیار کی اور اپنے زمانہ کے سرکردہ مشائخ سے فیض حاصل کیا۔ ان میں شیخ سہاب الدین سہروردی (متوفی 632ھ)، شیخ سعدالدین حموی (متوفی 650ھ)، شیخ اوحدالدین کرمانی (متوفی 365ھ)، شیخ فریدالدین عطار (متوفی 627ھ) اور شیخ سیف الدین باخرزی (متوفی 658ھ) قابل ذکر ہیں۔ بالآخر وہ اپنے پیرومرشد کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے اور ان سے خرقہ خلافت پایا۔ انہوں نے خواجہ معین الدین چشتی کی خدمت میں بھی حاضر ہوکر ان سے روحانی فیوض حاصل کیے۔ ایک دفعہ خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار اور شیخ فریدالدین ایک حجرہ میں موجود تھے۔ حضرت خواجہ اجمیری نے قطب صاحب سے کہا کہ اس نوجوان کو کب تک مجاہدے میں جلاؤ گے۔ اس پر عنایت کرو۔ قطب صاحب نے عرض کیا کہ آپ کے سامنے میری کیا مجال ہے کہ میں اس پر عنایت کروں۔ خواجہ بزرگ نے فرمایا کہ یہ نسبت تو تم سے رکھتا ہے۔ یہ فرما کر خواجہ معین الدین اٹھے اور خواجہ قطب الدین سے کہا کہ آؤ میں اور تم دونوں اس پر عنایت کریں چنانچہ دونوں نے شیخ فریدالدین پر نظر عنایت فرمائی۔ [28]

شیخ فریدالدین جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خلافت سے سرفراز ہوئے تو لوگوں میں آپ کی مقبولیت اور شہرت بڑھ گئی لیکن آپ اپنے احوال کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے چنانچہ آپ دہلی سے نکل کر ہانسی پہنچے اور ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہو گئے وہاں بھی لوگوں کا اژدھام ہونے لگا تو آپ ہانسی چھوڑ کر کھتوال تشریف لے گئے اور ایک عرصہ تک وہاں قیام کیا۔ وہاں جب آپ کی بزرگی کا چرچا ہونے لگا تو آپ اجودھن تشریف لے گئے جو اس زمانہ میں ایک گمنام قصبہ تھا یہاں زیادہ تر لوگ بداعتقاد اور بدمزاج تھے۔ وہاں کسی شخص نے شیخ فریدالدین کی طرف توجہ نہ کی۔ آپ نے سوچا کہ یہ جگہ اچھی ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور مشغولی اچھی طرح ہو سکتی ہے۔ [29] چنانچہ آخر عمر تک آپ نے اجودھن میں قیام فرمایا۔ آپ ہمیشہ روزے سے رہا کرتے۔

Marfat.com

آپ کے اہل خانہ اور متعلقین کی گزر بسر کا ذریعہ پیلو اور ڈیلہ تھا جو اجودھن کے جنگل میں بکثرت ہوتا تھا۔ جماعت خانہ کی عمارت کچی تھی۔ کچھ مریدین جنگل سے لکڑی لاتے۔ کچھ کنویں کا پانی بھر کر لاتے۔ کچھ جنگل سے پیلو اور ڈیلہ توڑ کر لاتے۔ اس سے سالن تیار کیا جاتا جس کو سب لوگ صبر اور شکر کے ساتھ کھاتے تھے۔[30] بابا صاحب کا افطار اکثر شربت سے ہوا کرتا جس میں تھوڑے سے منقے ہوا کرتے۔ شربت کے پیالہ میں سے آدھا یا تہائی حصہ حاضرین میں تقسیم کر دیا جاتا۔ باقی شربت جو بچ رہتا اسے بابا صاحب استعمال فرماتے اور اس میں سے بھی جس کو چاہتے عنایت فرما دیتے پھر دو چپڑی ہوئی روٹیاں لائی جاتیں۔ ان دو روٹیوں میں سے ایک روٹی ٹکڑا ٹکڑا کر کے مریدین و متعلقین کو دے دی جاتی۔ دوسری روٹی بابا صاحب خود کھاتے اور اس روٹی میں سے بھی جس کو چاہتے عطا فرماتے۔ جب کھانا ہو جاتا تو پھر دوسرے دن افطار کے وقت تک کچھ نہ کھاتے۔[31] بڑی تنگی اور عسرت کے حالات تھے۔

سلطان ناصر الدین محمود جب لشکر لے کر نہر والہ کے قریب پہنچا تو اس نے اجودھن حاضر ہو کر حضرت بابا صاحب کی قدم بوسی کرنی چاہی۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے، جو اس زمانہ میں الغ خان کہلاتا تھا اور نائب السطنت کے عہدہ پر فائز تھا، بادشاہ سے عرض کیا کہ ہمارا لشکر کثیر ہے اور اجودھن کے راستہ میں پانی نہیں ملتا اگر حکم ہو تو میں تحائف اور فتوح لے کر خود حضرت شیخ کی خدمت میں چلا جاؤں اور آپ کی حاضری سے معذرت طلب کروں۔ دراصل غیاث الدین بلبن کے دل میں ملک حاصل کرنے کی ہوس تھی۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر تخت شاہی مجھے ملنے والا ہے تو اس بارے میں حضرت بابا صاحب ضرور اشارہ فرمائیں گے۔ وہ اس خیال کے ساتھ کچھ رقم اور چار گاؤں کی جاگیر کا فرمان شاہی لے کر بادشاہ کے حکم سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کی۔ اس نے وہ رقم اور چار گاؤں کا فرمان حضرت بابا صاحب کے سامنے رکھا۔ بابا صاحب نے فرمایا یہ کیا ہے؟ الغ خان نے کہا کہ یہ رقم ہے اور چار گاؤں کا فرمان ہے جو آپ کی نذر ہے۔ بابا صاحب نے تبسم فرمایا اور کہا کہ نقد رقم ہمیں دے دو تا کہ ہم درویشوں پر خرچ کریں اور چار گاؤں کے فرمان کو لے جاؤ کہ اس کے طالب بہت ہیں۔[32]

سلطان ناصر الدین محمود کے لشکری حضرت بابا صاحب کی زیارت کے مشتاق تھے۔ حضرت بابا صاحب کی خانقاہ کے پاس بڑا اژدھام ہو گیا۔ اس وقت حضرت بابا صاحب کی آستین کو ٹھے پر گلی کی طرف لٹکائی گئی۔ لوگ آتے تھے اور اس کو بوسہ دے کر واپس چلے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ آستین پارہ پارہ ہو گئی۔ آپ مسجد میں تشریف لائے اور مریدوں سے فرمایا کہ میرے اردگرد

حلقہ باندھو تاکہ لوگ اس حلقہ کے اندر نہ آسکیں اور دور سے سلام کر کے چلے جائیں۔مریدوں نے ارشاد کی تعمیل کی۔اتنے میں ایک بوڑھا فراش آیا اور مریدوں کے حلقہ سے گزر کر حضرت بابا صاحب کے قدموں پر گر پڑا اور پائے مبارک کو بوسہ دیا۔پھر اس نے بابا صاحب سے مخاطب ہو کر کہا کہ شیخ فرید آپ کیوں تنگ آتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر اس سے بھی زیادہ ادا کیجیے جب فراش نے یہ بات کہی تو بابا صاحب نے نعرہ مارا اور فراش پر نوازش فرمائی اور بہت معذرت کی۔[33]

آخر عمر میں آپ کو خلہ کی بیماری ہوئی اور اسی مرض میں آپ نے وفات پائی۔مرض کی تکلیف بڑھتی گئی یہاں تک کہ ایک دفعہ عشاء کی نماز با جماعت پڑھ کر آپ بے ہوش ہو گئے۔کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئے تو لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے۔لوگوں نے عرض کی کہ جی ہاں۔آپ نے فرمایا کہ میں پھر عشاء کی نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔خدا ہی جانتا ہے کہ کیا ہو۔پھر آپ نے دوسری مرتبہ نماز پڑھی۔اس کے بعد آپ بے ہوش ہو گئے۔اس مرتبہ آپ کافی دیر تک بے ہوش رہے جب ہوش میں آئے تو پھر پوچھا کہ کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے۔لوگوں نے عرض کی کہ آپ دو بار پڑھ چکے ہیں۔فرمایا کہ میں ایک بار اور پڑھنا چاہتا ہوں۔خدا جانے کیا ہو۔چنانچہ تیسری بار نماز پڑھی اور رحمت حق سے جا ملے۔عمر شریف 95 سال ہوئی اور سنہ وفات 664 ہجری تھا۔[34] حضرت بابا صاحب کے ممتاز خلفاء میں شیخ جمال الدین ہانسوی، شیخ بدرالدین اسحاق، شیخ علی احمد صابر، شیخ عارف اور خواجہ نظام الدین اولیاءؒ شامل ہیں۔

بابا فرید کی تعلیمات وملفوظات:

شیخ فرید الدین مسعود فرماتے ہیں کہ چار چیزیں ہیں جن کے متعلق سات سو پیروں سے سوال کیا گیا اور سب نے ایک ہی جواب دیا۔من اعقل الناس تارک الدنیا ومن اکیس الناس الذی لا یغیر بشئی ومن اغنی الناس القانع ومن افقر الناس تارک القناعتہ۔ (لوگوں میں سب سے زیادہ عقلمند وہ ہے جو دنیا کو چھوڑ دے اور لوگوں میں بزرگ ترین آدمی وہ ہے جو کسی بات سے متغیر نہ ہو اور لوگوں میں سب سے زیادہ غنی وہ ہے جو قانع ہو اور لوگوں میں سب سے زیادہ فقیر وہ ہے جو قناعت کو چھوڑ دیتا ہے۔[35]) فرمایا کہ بسیار گوئی غافل کر دینے والی ہے اگر تیرا اول کلام اور آخر کلام اللہ کیلئے ہے تو بات کر ورنہ خاموش رہ۔فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ خوشخبری ہے اس شخص کیلئے کہ جس کا عیب اسے دوسروں کے عیب دیکھنے

Marfat.com

سے باز رکھے۔ [36]فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل شخص وہ ہے جو کھانے اور پہننے میں مشغول رہے۔ [37]فرمایا کہ حجاب دو طرح کے ہوتے ہیں ایک حجاب ظلماتی ہوتا ہے کہ اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آتا۔ دوسرا حجاب نورانی ہوتا ہے کہ زیادہ روشنی میں بھی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ علم نورانی حجاب ہے اس لیے حجاب اکبر ہے۔ فرمایا کہ زکوٰۃ تین طرح کی ہے: زکوٰۃ شریعت، زکوٰۃ طریقت اور زکوٰۃ حقیقت۔ زکوٰۃ شریعت تو یہ ہے کہ دو سو درم میں سے پانچ درم دیئے جائیں اور زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ دو سو درم میں سے پانچ درم اپنے پاس رکھیں اور باقی دے دیں۔ زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ سب دے ڈالیں اور اپنے پاس کچھ نہ رکھیں۔ ایک شخص نے حضرت بابا صاحب کی خدمت میں چاقو پیش کیا۔ آپ نے وہ چاقو نہیں لیا اور فرمایا کہ میرے پاس چھری مت لاؤ۔ سوئی لاؤ اس لیے کہ چھری کاٹنے کا آلہ ہے اور سوئی جوڑنے کا آلہ ہے [38]فرماتے کہ اللہ تعالیٰ سے وقت خوش، آب دیدہ اور راحت دل کی دعا مانگنی چاہیے۔ جس کی آنکھ میں آنسو اور جس کے دل میں درد نہیں ہے وہ محبّ الٰہی کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔ حضرت بابا صاحب جب کسی کو دعا دیتے تو فرماتے کہ خدائے عزوجل تجھے درد عطا فرمائے۔ [39] صوفیاء کرام مقام اور حال میں فرق کرتے ہیں۔ مقام راہ سلوک کی منزل کو کہتے ہیں جسے سالک ریاضت و مجاہدہ کے ذریعے طے کرتا ہے۔ یہ کسبی ہے۔ حال ایک موہبی کیفیت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سالک کے دل پر وارد ہوتی ہے۔ درد، شوق، رضا وغیرہ احوال وہبی میں سے ہیں۔ [40]خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم مومن دنیا میں غمگین ہی رہتا ہے نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت طول غم کے برابر کسی اور چیز سے نہ ہوگی۔ [41]حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ آدمی کا فکروغم اس کی نگاہ کے اندازہ سے ہوتا ہے یعنی جتنی دوررس اس کی نگاہ ہوگی اسے فکروغم اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ [42] حضرت فضیل بن عیاض کہا کرتے تھے کہ ہر چیز پر زکوٰۃ ہے اور طول حزن عقل کی زکوٰۃ ہے۔ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت رکھتا ہے تو اس کے غم کو زیادہ کر دیتا ہے اور جب کسی بندہ سے بغض رکھتا ہے تو اس پر دنیا کو کشادہ کر دیتا ہے۔ [43] حضرت داؤد طائی رات کے وقت کہا کرتے خدایا! تیرے غم نے تمام دنیاوی غموں کو معطل کر دیا ہے اور یہ غم میرے اور میری نیند کے درمیان حائل ہے۔ [44]حضرت محمد بن علی ترمذی فرماتے ہیں کہ مومن کے چہرہ پر طمانیت کے آثار ہوتے ہیں اور اس کا دل غمگین ہوتا ہے۔ [45]شاہ شجاع کرمانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے خوف کی علامت دائمی غم ہے۔ [46]خواجہ معین الدین چشتی فرماتے ہیں کہ عارف کی علامت یہ ہے کہ خاموش اور غمگین رہے گا۔ [47]

حضرت بابا صاحب نے فرمایا کہ اگر تم بڑوں کے درجے پر پہنچنا چاہتے ہو تو اپنے اور

بادشاہوں کے فرزندوں سے عدم التفات لازم کرلو۔[48] فرمایا کہ فقیر صابر مالدار شاکر پر فضیلت رکھتا ہے کیونکہ غنی شاکر سے کہا گیا ہے لئن شکرتم لازیدنکم (اگر تم شکر کروگے تو میں اپنی نعمتیں تم پر زیادہ کروں گا) لیکن فقیر صابر کو اللہ تعالیٰ کی معیت کی بشارت دی گئی ان اللہ مع الصابرین.[49] فرمایا کہ امیروں سے اکڑ کر ملو اور فقیروں سے عاجزی کے ساتھ۔ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ تواضع کا مفہوم یہ ہے کہ انسان امراء سے غرور اور فقراء سے عجز کے ساتھ پیش آئے جو دنیاوی مراتب کے اعتبار سے تم سے برتر ہو اس کے ساتھ تکبر سے پیش آؤ اور جو تم سے کمتر ہو اس کے ساتھ عاجزی اختیار کرو۔[50]

شیخ نجیب الدین متوکل:

شیخ نجیب الدین متوکل حضرت بابا صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان ہی سے ارادت وخلافت بھی تھی۔ ابتداء عمر سے ان پر قناعت اور ترک دنیا کا رجحان غالب تھا جب وہ زیر تعلیم تھے تو ایک دفعہ ان کے استاد نے پوچھا کہ نجیب الدین متوکل تم ہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ نجیب الدین متاکل (کھانے والا) ہوں، متوکل کون ہوسکتا ہے۔ پھر استاد نے پوچھا کہ شیخ الاسلام فریدالدین کے بھائی تم ہی ہو! انہوں نے جواب دیا کہ ظاہری بھائی میں ہوں۔ معنوی بھائی کون ہوسکتا۔[51]

شیخ نجیب الدین متوکل مشغولی حق میں انتہائی استغراق رکھتے تھے یہاں تک کہ ان کو خبر نہ رہتی کہ آج کون سا مہینہ ہے یا شہر میں غلہ کا کیا نرخ ہے۔[52] دہلی میں ایتمر نامی ایک ترک تھا۔ اس نے ایک مسجد بنائی اور شیخ نجیب الدین کو مسجد کا امام مقرر کیا۔ اس نے آپ کیلئے ایک گھر بھی تیار کروایا۔ اس ترک کی بیٹی کی شادی ہوئی اور اس نے شادی میں ایک لاکھ جتیل سے زیادہ خرچ کیا۔ شادی کے بعد شیخ نجیب الدین نے اثنا گفتگو میں ایتمر سے کہا کہ پکا مسلمان وہ ہے جس کی خدا سے دوستی اپنی اولاد کی دوستی پر غالب ہو۔ تم نے ایک لاکھ سے زیادہ رقم اپنی بیٹی کی شادی پر خرچ کی ہے اگر تم اس سے دوگنی رقم راہ خدا میں خرچ کروگے تم تو پکے مسلمان ہوگے۔ ایتمر اس بات سے ناراض ہوا اور امامت اور مکان آپ سے واپس لے لیا۔ شیخ نجیب الدین اپنے بھائی بابا فرید کی خدمت میں اجودھن آئے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ اگر ایتمر گیا ہے تو ایتگر ظاہر ہوجائے گا چنانچہ اسی زمانہ میں ایتگر نامی امیر دہلی آیا اور اس نے شیخ نجیب الدین کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔[53]

Marfat.com

شیخ نجیب الدین اور ان کے گھر والوں کو اکثر فاقہ کرنا پڑتا تھا۔ ان کے پڑوس میں ایک صالحہ خاتون بی بی فاطمہ سام رہا کرتی تھیں۔ وہ شیخ نجیب الدین کو بھائی کہتی تھیں۔ حضرت بابا فرید ان کی تعریف کرتے اور بار بار فرماتے کہ اس عورت کی مشغولی مردان کامل کے برابر ہے۔ جب شیخ نجیب الدین کے یہاں فاقہ ہوتا تو ان کو بذریعہ کشف معلوم ہو جاتا۔ وہ ایک من کلچہ ان کے یہاں بھیج دیتیں اور کہتیں کہ میرے بھائی کے یہاں دو تین دن سے فاقہ ہے۔ یہ روٹیاں ان کے پاس لے جاؤ۔[54]

ایک مرتبہ عید کا دن تھا۔ قلندروں کی ایک جماعت خراسان سے ان کے یہاں پہنچی اور ان سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آج آپ کے مہمان رہیں۔ آپ نے فرمایا خوش آمدید۔ ان کو جماعت خانہ میں بٹھایا اور خود اندر تشریف لے گئے۔ اپنی زوجہ سے کہا کہ قلندروں کی ایک جماعت آئی ہوئی ہے اور وہ آج ہمارے مہمان آئے ہیں اگر کھانے کا سامان ہو تو ان کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ ان کی زوجہ نے کہا کہ گھر کی ناداری آپ پر پہلے ہی روشن ہے۔ دو روز ہوئے کہ بچوں نے کھانے کی خوشبو تک نہیں سونگھی ہے۔ شیخ نجیب الدین نے کہا کہ اگر چادر یا دوپٹہ ہو تو میں اس کو بازار میں بیچ دوں تاکہ اس سے مہمانوں کا کھانا فراہم ہو سکے۔ ان کے پاس ایک دوپٹہ تھا جس میں بہت سے پیوند لگے ہوئے تھے۔ وہ اس لائق بھی نہ تھا کہ کوئی اس کو دو درم میں خرید لیتا۔ شیخ نجیب الدین نے پانی کا لوٹا اور ایک بڑا پیالہ اٹھایا اور قلندروں کے پاس آ کر کہا کہ درویشو! مجھے معاف کرنا کہ یہی ماحضر ہے۔ وہ درویش اہل دل تھے۔ انہوں نے بڑی تعظیم سے اس پانی کو پیا اور شیخ نجیب الدین کے ہاتھ پاؤں کو بطور تبرک بوسہ دے کر رخصت ہو گئے۔[55]

شیخ نجیب الدین متوکل نے حضرت بابا صاحب کی حیات میں وفات پائی۔

شیخ جمال الدین ہانسوی:

آپ کا سلسلہ نسب امام ابوحنیفہ (متوفی 150 ہجری) سے ملتا ہے۔ علوم ظاہری و باطنی میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ حضرت بابا صاحب کے عظیم المرتبت خلفاء میں سے تھے۔ شاعر اور صاحب فضیلت بزرگ تھے۔ ان کا فارسی دیوان اور ایک رسالہ ملہمات کے نام سے ہے۔ حضرت بابا صاحب کو ان سے بڑی محبت تھی اور ان کے متعلق حضرت اکثر فرمایا کرتے۔ جمال جمال ما است (جمال الدین ہمارا جمال ہے۔[56]) حضرت بابا صاحب ان کی محبت کی وجہ سے بارہ سال ہانسی میں مقیم رہے۔ شیخ جمال الدین ہانسوی عمدہ علمی و ادبی ذوق رکھتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ

Marfat.com

بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ شیخ جمال الدین کے یہاں گیا۔ صبح کا وقت تھا اور سردی کا موسم۔ شیخ جمال الدین نے حضرت نظام الدین کو مخاطب کر کے یہ دو مصرعے پڑھے:

باروغن گاؤ اندریں روز خنک   نیکو باشد ہریسہ ونان تنک

(آج کی سردی میں گھی، ہریسہ اور پراٹھے ہوتے تو کیا خوب ہوتا)۔

حضرت نظام الدین نے کہا کہ غائب کا ذکر کرنا غیبت ہے۔ شیخ جمال الدین نے فرمایا کہ میں نے گھی، ہریسہ اور پراٹھے تیار کروائے ہیں، اس لیے کہتا ہوں۔ اس کے بعد یہ چیزیں لائی گئیں۔[57] شیخ جمال الدین کی ایک کنیز نہایت صالحہ تھی۔ وہ شیخ جمال الدین کے پیغام اور خطوط حضرت بابا صاحب کی خدمت میں لے جایا کرتی تھی۔ بابا صاحب اس کو مادر موموناں کہہ کر پکارتے تھے۔ ایک روز انہوں نے کنیز سے پوچھا کہ مادر موموناں! ہمارا جمال آج کل کیا کرتا ہے؟ اس نے عرض کی کہ وہ جس روز سے آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے ہیں اس روز سے انہوں نے دنیا سے قطع تعلق کر لیا ہے اور دنیا کے ساز و سامان اور شغل خطابت کو بالکلیہ ترک کر کے بھوک اور طرح طرح کی سختیوں کو برداشت کر رہے ہیں۔ یہ سن کر بابا صاحب خوش ہوئے اور فرمایا کہ الحمدللہ خوش زندگی بسر کر رہا ہے۔[58]

ایک مرتبہ شیخ جمال الدین ہانسوی، خواجہ شمس الدین دبیر اور بعض دوسرے مرید اور عزیز حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضری دینے کے بعد اکٹھے رخصت ہوئے۔ یہ لوگ آگرہ پہنچے جہاں کا حاکم میراں شیخ جمال الدین کا عزیز دوست تھا۔ اس نے جب اپنے دوست کی آمد کی خبر سنی تو استقبال کیلئے نکلا اور ان سب کو اپنے گھر لے گیا اور ان کی خوب خاطر تواضع کی۔ اس کے بعد شیخ جمال الدین نے اس سے فرمایا کہ تم نے ہماری میزبانی خوب کی اب ہمیں اجازت دو کہ ہم اپنے سفر پر روانہ ہوں۔ اس زمانہ میں اس موضع میں بارش نہیں ہوئی تھی اور قحط پڑا ہوا تھا۔ میراں نے شیخ جمال الدین سے کہا کہ میں اس وقت آپ لوگوں کو اجازت دوں گا جب بارش برس جائے گی۔ شیخ جمال الدین اس کی طرف دیکھتے رہے اور کچھ نہیں فرمایا لیکن باطن سے توجہ فرمائی۔ ابھی رات گزرنے نہ پائی تھی کہ زوروں کی بارش ہوئی اور وہ خطہ سیراب ہو گیا۔[59]

حضرت بابا صاحب کی نظر میں شیخ جمال الدین کی قدر و منزلت اس درجہ تھی کہ کسی کو خلافت نامہ عطا فرماتے تو کہتے کہ ہانسی میں جا کر یہ خلافت نامہ شیخ جمال الدین کو دکھلا دینا۔ ایک شخص کو حضرت بابا صاحب نے خلافت نامہ دیا اور کہا کہ ہانسی جا کر اسے شیخ جمال الدین کو دکھلا دینا۔ چنانچہ اس شخص نے ہانسی پہنچ کر شیخ جمال الدین کو خلافت نامہ دکھلایا۔ شیخ جمال الدین نے اس کا

خلافت نامہ پھاڑ ڈالا اور اس سے کہا کہ تو خلافت کے لائق نہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس شخص نے بہت تنگ کر کے حضرت بابا صاحب سے خلافت نامہ حاصل کیا تھا۔ وہ شخص ہانسی سے اجودھن واپس آیا اور شیخ جمال الدین کا پھاڑا ہوا خلافت نامہ حضرت بابا صاحب کو دکھلایا۔ حضرت بابا صاحب نے فرمایا کہ جمال کے پھاڑے ہوئے کو ہم نہیں سی سکتے۔ [60] حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو بھی خلافت نامہ عطا کرنے کے بعد حضرت بابا صاحب نے کہا تھا کہ ہانسی جا کر اسے شیخ جمال الدین کو دکھلا دینا۔

شیخ جمال الدین نے حضرت بابا صاحب کی حیات میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد مصلیٰ اور عصا جو حضرت بابا صاحب نے شیخ جمال الدین کو عنایت فرمایا تھا ان کی کنیز ان کو لے کر ان کے چھوٹے صاحبزادے برہان الدین صوفی کے ساتھ حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ خواجہ برہان الدین ابھی کم سن تھے۔ بابا صاحب ان کے ساتھ بڑی محبت وشفقت سے پیش آئے اور ان کو بیعت سے مشرف فرمایا۔ اس موقع پر مادر موموناں یعنی شیخ جمال الدین کی کنیز نے بابا صاحب سے ہندی زبان میں عرض کی: خواجہ برہان الدین بالا ہے (یعنی خورد سال ہے) اس بارگراں کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت بابا صاحب نے ہندی زبان میں فرمایا: مادر موموناں! پنوں (پونم) کا چاند بھی بالا ہوتا ہے (یعنی چودہویں کا چاند بھی ابتداء میں چھوٹا ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ کمال کو پہنچتا ہے)۔ بابا صاحب نے برہان الدین صوفی کو چند روز اپنے پاس رکھا۔ رخصت کے وقت ان کو خلافت نامہ اور وہ مصلیٰ اور عصا، جو انہوں نے شیخ جمال الدین کو عنایت فرمایا تھا، برہان الدین کو عطا فرمایا اور فرمایا کہ جس طرح جمال الدین ہماری طرف سے مجاز تھے تم بھی ہماری طرف سے مجاز ہو۔ [61]

سلسلہ چشتیہ کے امتیازی خصائص:

تمام سلاسل تصوف میں سلسلہ چشتیہ کو ہندوستان میں سب سے زیادہ مقبولیت اور فروغ حاصل ہوا۔ اس سلسلہ کو بڑے کامل اور عہد ساز مشائخ نصیب ہوئے۔ جنہوں نے اپنے سوز عشق، حسن اخلاق، اخلاق عمل اور محبت وشفقت سے لوگوں کے دل جیتے۔ چشتی مشائخ نے اپنے زمانہ کے سلاطین و امراء سے کوئی تعلق نہیں رکھا اور ان کے عطیات اور جاگیریں قبول نہیں کیں۔ انہوں نے اپنی خانقاہیں عام لوگوں کی بستیوں میں بنائیں۔ ان کی بولی ٹھولی میں ان سے کلام کیا۔ ان کے دکھ درد کو سمجھنے کی کوشش کی اور ان کے ساتھ جود وعطا اور بخشش و مرحمت کا سلوک کیا۔ پہلے پہل

مشائخ چشت نے اپنی خانقاہیں پنجاب، راجپوتانہ اور یوپی کے نواح میں قائم کیں۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے زمانہ میں سلسلہ چشتیہ بہار، بنگال، آسام اور دکن تک پھیل گیا اور ملک کے اکناف واطراف میں مشہور ہو گیا۔ ذیل میں سلسلہ چشتیہ کے امتیازی خصائص کا ایک طائرانہ جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

1- سلسلہ چشتیہ کی اساس عشق الٰہی پر ہے۔ اطاعت وعبادت اور ریاض ومجاہد کا اصل مقصود سوز عشق کا فروغ ہے۔

2- نفس کی مخالفت سلسلہ چشتیہ میں کلیدی اہمیت رکھتی ہے۔ چشتی مشائخ کے نزدیک نفس الصنم اکبر (سب سے بڑا بت) ہے جس کی شکست وریخت راہ سلوک کی پہلی منزل ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ چشتی صوفیاء کے نزدیک نفس کی مخالفت عبادت کی اصل ہے اور اس کی موافقت کفر ہے۔[62] نفس کو زیر کرنے اور اس کی تادیب کیلئے مجاہدات پر زور دیا جاتا ہے۔ ریاضت ومجاہدہ کا مقصود صفائے باطن اور تزکیہ اخلاق ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے خاندان (چشت) میں دو باتیں ہیں ایک تو مخالفت ہوائے نفس اور دوسرے ایصال منفعت للغیر۔[63]

3- اخلاقی اقدار اور صفات محمودہ کے فروغ پر خاص زور دیا جاتا ہے۔ اخلاقی تادیب وتربیت کے دو پہلو ہیں جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ایک تخلیہ ہے اور دوسرا تحلیہ۔ تخلیہ یہ ہے کہ طبعی اور رذیل اخلاق جیسے کینہ، تکبر، غصہ، غیبت اور بدگوئی وغیرہ سے نفس کو پاک کیا جائے اور اخلاق محمودہ جیسے تواضع، سخاوت، عفوودرگزر، صبروتحمل، ایثار اور توکل وقناعت کی آبیاری کا نام تحلیہ ہے۔ چشتی مشائخ سب لوگوں کو اپنے سے بہتر سمجھتے ہیں۔ نہ کسی کو حقیر سمجھتے ہیں اور نہ کسی کو ضرر پہنچاتے ہیں۔ وہ جاہ اور ترفع پر تواضع اور انکسار کو ترجیح دیتے ہیں۔ خلق خدا کے ساتھ ان کا سلوک حد درجہ محبت وشفقت اور عفو درگزر کا ہوتا ہے۔ وہ مخلوق کی اذیتوں اور سختیوں پر ضبط وتحمل سے کام لیتے ہیں اور اسے روحانی ترقی کا ذریعہ گردانتے ہیں۔ مزید برآں وہ فقر کو فنا پر ترجیح دیتے ہیں۔

4- چشتی مشائخ کے یہاں علوم ظاہری وباطنی کی بڑی جامعیت اور شریعت میں توازن تلازم پایا جاتا ہے۔ وہ علوم ظاہری کی تکمیل کو ضروری سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم کا حفظ اور اس سے حد درجہ شغف چشتی صوفیاء کا امتیازی نشان ہے چنانچہ خواجہ معین الدین چشتی سے لے کر شیخ قطب الدین بختیار کاکی اور شیخ فرید الدین مسعود اور خواجہ نظام الدین اولیاءؒ تک تمام کبار

Marfat.com

مشائخ چشت حافظ قرآن اور علوم ظاہری و باطنی کے حامل اور جامع الکمالات ہوئے ہیں۔ چشتی صوفیاء افراط وتفریط کے مغالطوں میں پڑنے سے بچتے ہیں اور زہد و ترک دنیا کے باب میں غلو نہیں کرتے۔ شریعت کی پاسداری کا پورا پورا لحاظ کرتے ہیں۔ 64

5- چشتی مشائخ کرامت کو برحق جانتے ہیں لیکن اس کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ وہ استقامت کو کرامت سے ارفع اور اعلیٰ سمجھتے ہیں۔

6- معرفت اور احوال کے اعتبار سے صوفیاء کے دو گروہ ہوئے ہیں۔ ایک گروہ طیفوریوں کا ہے جو شیخ بایزید بسطامی کے مشرف پر چلتے ہیں۔ یہ اصحاب سکر ہیں۔ لغوی اعتبار سے سکر کے معنی مستی اور غلبہ حال کے ہیں۔ حالت سکر میں بعض صوفیاء کی زبان سے ایسے کلمات نکل جاتے ہیں جو بظاہر شریعت سے ٹکراتے ہیں اور جن کی وجہ سے لوگوں کے ذہن میں انتشار اور غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو جاتا ہے۔ ایسے کلمات کو شطحیات کہا جاتا ہے۔ مشائخ کی ایک بڑی تعداد سکر کی نہیں بلکہ صحو کی قائل ہے۔ اس مشرب کے سب سے اہم علمبردار سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی ہیں۔ صحو کا مرتبہ سکر کے مرتبہ سے اونچا ہے اور شریعت سے قریب تر ہے۔ چشتی مشائخ صحو کو سکر پر ترجیح دیتے ہیں۔ 65

7- چشتی مشائخ اپنے زمانہ کے سلاطین وحکام سے بے تعلق اور بے نیاز رہنا پسند فرماتے ہیں۔ وہ بادشاہوں کے تحائف اور جاگیریں قبول نہیں کرتے۔

8- چشتی صوفیاء سماع کا خاص ذوق رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک سماع سوز عشق کو بھڑکانے کا ایک موثر ذریعہ ہے لیکن یہ سماع شرائط اور قیود کے ساتھ ہونا چاہیے۔

Marfat.com

باب:2

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ابتدائی ایام

1207ء میں چنگیز خان نے منگولستان سے نکل کر اپنی یورش کا آغاز کیا۔ چالیس سال کے عرصہ میں منگولی فوجوں نے ایک طرف یورپ اور دوسری طرف شام پر قبضہ کرلیا اور لاہور تک پہنچ گئیں۔ روس پران کا قبضہ ہوگیا اور تقریباً تمام براعظم ایشیا ان کے زیر نگیں آ گیا۔ منگولی لشکر نے قتل وغارت گری کا بازار گرم کیا اور بڑے بڑے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ بیسیوں شہر گورستان بنادیئے گئے۔

اس دور میں سلطنت خوارزم دنیائے اسلام کی سب سے بڑی مملکت تھی جو ترکوں کے زیر نگیں تھی۔ اس مملکت میں ترکستان، فارس، افغانستان اور شمالی ہندوستان کے کچھ حصے شامل تھے۔ 1218ء کا واقعہ ہے کہ ایک کارواں، جس کی حفاظت کی ضمانت چنگیز خان نے لی تھی، اپنا سفر طے کررہا تھا جب اس کارواں کا گزر انزار شہر سے ہوا تو وہاں کے حاکم نے اسے لوٹا اور مردوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ چنگیز خان کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے مطالبہ کیا کہ انزار کے حاکم کو اس کے حوالے کیا جائے۔ سلطنت خوارزم کے فرمانروا سلطان شاہ محمد نے نہ صرف چنگیز خان کا مطالبہ مسترد کردیا بلکہ بھرے دربار میں اس کے سفیر کا سر قلم کروادیا۔ اس واقعہ سے چراغ پا ہوکر چنگیز خان نے دولاکھ فوجوں کے ساتھ خوارزم پر چڑھائی کردی۔ تین سال تک جنگ جاری رہی۔ لاکھوں مرد وعورت تہ تیغ کردیئے گئے۔ سمرقند، بخارا، نیشاپور، ہرات، بلخ، ترمذ اور خوارزم جیسے شہرۂ آفاق شہر تاخت وتاراج کردیئے گئے۔ انزار کے حاکم کو گرفتار کیا گیا اور اس کی آنکھوں اور حلق میں پگھلائی ہوئی چاندی انڈیل کر اسے ہلاک کردیا گیا۔ ہر فوجی کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ معینہ تعداد میں شہریوں کو ہلاک کرے اور اس کے ثبوت میں ان کے کان کاٹ کر اپنے افسر کے سامنے پیش کرے۔ مرو میں ہر فوجی کو حکم دیا گیا کہ وہ 300 سے 400 شہریوں کے سر قلم کرے۔ نیشاپور کی فتح کے بعد جو لوگ بچے ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے گئے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کے

Marfat.com

سر کاٹ کر اہرام بنائے گئے۔ مرو میں سات لاکھ افراد قتل کیے گئے۔ ہرات میں سولہ لاکھ اور نیشاپور میں اٹھارہ لاکھ شہری موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ بخارا پر چنگیز خان کے لشکر نے 616 ہجری میں حملہ کیا اور سارے شہر کو نذر آتش کر دیا گیا۔[1]

چنگیز خان کی موت کے بعد اس کے لڑکے اگدائی خان نے اپنے باپ کی سفاکانہ روش کو قائم رکھا۔ اس نے شمالی چین، کوریا، شمال مغربی فارس، شمالی عراق، آرمنیا اور آذربائیجان پر چڑھائی کی۔ چنگیز خان کے پوتے باتو نے روس پر چڑھائی کی اور اسے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ پولینڈ، ہنگری، وسط یورپ اور مغربی یورپ چنگیزی لشکر کے زیر تسلط آ گئے۔ چنگیز خان کے پوتوں قبلائی خان اور ہلاکو خان نے مغربی ایشیا پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔ انہوں نے بغداد پر حملہ کیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ مقریزی کا بیان ہے کہ بیس لاکھ آدمی قتل ہوئے۔ خلیفہ مستعصم کا نہایت بے دردی سے قتل کیا گیا۔ چالیس دن تک شہر میں قتل و غارت گری کا بازار گرم رہا۔ بازار اور راستے انسانی لاشوں سے اٹ گئے۔ مسجدوں میں شراب انڈیلی گئی۔ اذان اور نماز منسوخ ہو گئی۔ بغداد کی تباہی کے بعد منگولی لشکر نے حلب اور دمشق کا رخ کیا۔

دسویں صدی عیسوی میں وسط ایشیا میں ایک نئی سیاسی طاقت ابھر رہی تھی۔ یہ ترکی ایرانی طاقت تھی اور اس کا نمائندہ سلطان محمد غزنی (999-1030) تھا۔ اپنے 32 سالہ دور حکومت میں اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے۔ بارہویں صدی کے اواخر میں غوریوں نے ہندوستان کا رخ کیا۔ شہاب الدین غوری نے ملتان کو یونانیوں سے چھین لیا اور 1181ء میں اس نے غزنوی لشکر کو لاہور سے بے دخل کیا۔ 1206ء تک تقریباً پورے شمالی ہندوستان پر ترکوں کا تسلط ہو چکا تھا۔ تیرہویں صدی کے آغاز میں قطب الدین ایبک نے سلطنت دہلی کی بنا ڈالی۔ جس وقت بغداد پر چنگیزی فوجوں کی یورش ہوئی اور اسے تباہ و برباد کر دیا گیا اس وقت دہلی کے تخت پر سلطان ناصر الدین محمود (1246-1266ء) براجمان تھا۔ ناصر الدین محمود نے منگولی لشکر سے مڈبھیڑ کی بجائے صلح و صفائی کا راستہ اپنایا۔ سقوط بغداد کے دو سال بعد 1260ء میں سلطان نے ہلاکو کے سفیر کا استقبال کیا۔ سلطان غیاث الدین بلبن (1266-1287ء) نے اس کے برخلاف اپنی سلطنت کو مستحکم کرنے کے لیے اور چنگیزی حملوں سے شہر کو محفوظ رکھنے کیلئے دفاعی انتظامات کیے۔ اس کے زمانہ میں منگولی لشکروں نے کئی بار حملے کیے۔ بلبن نے شمالی اور شمال مغربی سرحدوں کو مستحکم کیا اور سندھ اور ملتان میں ایسے دفاعی انتظامات کیے کہ منگولوں کے حملے کافی عرصہ تک ناکام رہے۔ اس نے قزاقوں اور رہزنوں کا سدباب کرنے کیلئے بھی انتظامات کیے۔ بلبن کا ذکر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے

Marfat.com

ملفوظات میں چار جگہ آیا ہے۔ آپ نے اس کی نماز کی پابندی اور مشائخ سے عقیدت کا ذکر فرمایا۔[2] آپ نے سلطان بلبن کے دور حکومت کی ارزانی کا بھی ذکر کیا ہے کہ دو جتیل میں ایک من خربوزے ملتے تھے۔[3]

سقوط بغداد کے بعد بہت سے علماء، مشائخ، اہل حرفہ اور باکمال لوگوں نے ہندوستان کا رخ کیا کیونکہ یہاں حالات نسبتاً پر امن تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے ان لوگوں کو خوش آمدید کہا اور ان کی آمد کی یادگار میں مختلف محلے آباد کیے۔ چنانچہ اسلامی شہروں سے ہندوستان کی طرف ہجرت کرنے والوں کی یادگار میں دہلی میں پندرہ محلے آباد کیے گئے۔ ان میں محلّہ عباسی، محلّہ خوارزم، شاہی محلّہ سنجری، محلّہ اتابکی، محلّہ رومی، محلّہ یمنی، محلّہ غوری، محلّہ سمرقندی اور محلّہ کاشغری وغیرہ شامل تھے۔[4] بلبن کے دور میں بیانہ، بدایوں اور کیتھل کے سادات کرام کے کئی خانوادے دہلی میں آ کر بس گئے تھے۔ دہلی ممتاز علماء اور مشائخ کا مرجع بن گئی تھی۔ ان میں مولانا برہان الدین بلخی، مولانا برہان الدین بزاز، مولانا نجم الدین دمشقی (جو مولانا فخر الدین رازی کے شاگرد تھے)، مولانا سراج الدین سنجری، قاضی شرف الدین لوایچی، قاضی منہاج جوز جانی، قاضی رفیع الدین گاذرونی، قاضی رکن الدین سامانہ، قاضی جلال الدین کاشانی، شیخ صدر الدین عارف، شیخ بدر الدین غزنوی اور شیخ ملک یار پراں شامل تھے۔

غیاث الدین بلبن کے بعد سلطان معز الدین کیقباد (1287-1290ء) تخت نشین ہوا۔ کیقباد کا مختصر دور حکومت اخلاقی انحاط اور انتشار کا دور تھا۔ اس کے زمانہ میں علانیہ شراب نوشی ہونے لگی۔ مے خانے آباد ہوئے اور مسجدیں نمازیوں سے خالی ہوگئیں۔ فسق و فجور عام ہوگیا۔ ہر کوچے میں عیش ونشاط کی محفلیں آراستہ ہونے لگیں۔ مسخرے اور بھانڈ دربار شاہی میں عزت پانے لگے۔[5] سلطان جلال الدین خلجی (1290-1296ء) انصاف پسند اور دیندار بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے دور حکومت کے آخری سالوں میں تمام نشہ آور چیزوں پر پابندی لگادی تھی اور فسق و فجور کا سختی کے ساتھ سد باب کیا تھا۔ علاء الدین خلجی (1296-1316ء) کا عہد کئی لحاظ سے بے نظیر تھا۔ اس کے دور حکومت میں منگولی لشکروں نے پانچ دفعہ حملے کیے لیکن انہیں پسپا کر دیا گیا۔ سلطان علاء الدین خلجی نے منگولوں کا استیصال کرنے کیلئے ضروری اقدامات کیے۔ شمالی علاقوں میں ایک فوجی مستقر قائم کیا۔ خندقوں سے اس کا احاطہ کیا اور اس کے گرد فصیل بنادی۔ اس کے عہد میں رہزنی کا سد باب ہوا۔ سلطان علاء الدین نے اپنے دور حکومت میں ہر چیز کا نرخ مقرر کیا۔ بڑھتی ہوئی قیمتوں کو روکا اور ذخیرہ اندوزی کے خلاف احکامات جاری کیے۔ ان اقدامات کی وجہ سے ارزانی

Marfat.com

ہوئی اور خوشحالی کا دور دورہ ہوا۔ عہد علائی کی ارزانی سے متعلق حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ شیخ نصیر الدین محمود کی شہادت ہے کہ جاڑوں میں کوئی فقیر بے لبا بچہ نہ ہوتا تھا اور بعضوں کے پاس تو کئی لبا بچے تھے۔[6] علاء الدین کے دور حکومت میں علوم وفنون کو فروغ حاصل ہوا۔ قلعے، حوض اور مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ عہد علائی میں بڑے بڑے علماء اور اہل کمال جمع ہو گئے تھے۔

منگولوں کے حملوں کی وجہ سے ملک میں اور بالخصوص شمالی ہندوستان میں عدم تحفظ کا احساس عام تھا۔ بعض دفعہ منگولی لشکر شہر دہلی کی فصیل تک پہنچ جاتے تھے اور لوگ چار دیواری میں آ کر پناہ لیتے تھے۔ اگر شہر میں جنگ چھڑ جاتی تو آس پاس کے قصبات اور دیہاتوں سے لگ شہر کا رخ کرتے۔ سورج ڈھلنے کے بعد فصیل کے دروازے بند کر دیئے جاتے۔ لوگوں کو کھانے پینے کی پریشانی ہو جاتی تھی۔[7]

عہد سلطنت میں ہندوؤں کو مذہبی آزادی حاصل تھی۔ انہیں اپنے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرنے اور اپنے شعائر ورسوم پر عمل پیرا ہونے کی پوری اجازت تھی۔ بعض ہندو فوج میں اور انتظامی امور میں بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ جشن کے موقع پر ہندو مسلمان محلوں میں آیا جایا کرتے تھے۔ شہر میں کوٹھے اور طرب آباد موجود تھے۔ جن میں طوائفیں رہا کرتی تھیں۔ سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت میں سید نور الدین مبارک غزنوی نے بادشاہ کو مشورہ دیا تھا کہ ان کے محلوں کو آباد رہنے دیا جائے۔ ان کی رائے تھی کہ اگر یہ لوگ نہ ہوں تو بدکاری اور زیادہ پھیل جائے گی۔ سلطان علاء الدین خلجی نے اپنے دور میں طوائفوں کو مجبور کیا کہ وہ اس پیشے کو چھوڑ کر پاک دامنی کی زندگی بسر کریں۔ اس غرض سے اس نے ان کو نکاح کرنے پر مجبور بھی کیا لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کے محلے پھر آباد ہو گئے۔

عہد سلطنت کا مسلم معاشرہ تین طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ ایک طبقہ میں شاہی خاندان کے افراد، امراء اور جاگیردار وغیرہ شامل تھے۔ دوسرے طبقہ میں علماء اور مشائخ تھے اور تیسرے طبقہ میں عوام۔ عوام میں ملازمت پیشہ، سپاہی، درباری نوکر اور کاشتکار وغیرہ تھے۔ طبقہ خواص کی ساری زندگی دربار کے اردگرد گھومتی تھی۔ علماء کے دو گروہ تھے ایک علماء آخرت اور مشائخ اور دوسرے دنیادار علماء۔ دنیادار علماء حرص اور حب جاہ ومال کی نیت سے سلاطین اور حکام کے ساتھ ربط ضبط رکھتے تھے۔ علماء آخرت اور صوفیاء دربار سے لاتعلق تھے۔ غیاث الدین بلبن کہا کرتا تھا کہ علماء دو طرح کے ہیں ایک علماء آخرت جنہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا اور اس کی حرص ومحبت سے محفوظ رکھا ہے۔ دوسرے علماء دنیا جو دنیا کی حرص سے مغلوب ہو کر پیر جلے کتے کی طرح محلوں میں بھاگے

پھرتے ہیں۔ حیلے بہانے اور نقصان دہ تاویلات ان کی حرفت اور پیشہ بن جاتی ہیں۔[8] سلاطین اور حکومت وقت سے تعلق رکھنے کے معاملہ میں سہروردی مشائخ اور چشتی صوفیاء میں امتیازی فرق تھا۔ سہروردی صوفیاء بالخصوص مشائخ ملتان سلاطین کے ساتھ ربط ضبط رکھنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے تھے۔ سلطان شمس الدین التتمش کے عہد حکومت میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے شیخ الاسلام کا سرکاری عہدہ قبول کیا۔ ان کے پوتے شیخ رکن الدین، جو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ہمعصر تھے، بادشاہوں کے پاس آمدورفت رکھتے تھے۔ اس کے برخلاف چشتی مشائخ سلاطین اور حکام سے ہمیشہ لاتعلق رہے۔

عہد سلطنت میں راستے مخدوش تھے۔ جگہ جگہ گھنے جنگل تھے جن میں درندوں کا بسیرا تھا۔ سفر میں رہزنوں اور ڈاکوؤں کا خوف تھا۔ نقل وحمل کے ذرائع محدود تھے۔ سواری اور بار برداری کیلئے گھوڑے خچر اور اونٹ استعمال کیے جاتے تھے۔ بحری سفر بادبانی کشتیوں کے ذریعہ ہوتا تھا۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ سفر اور نقل مکانی وسیع پیمانہ پر جاری تھی۔ لوگ نہ صرف ایک شہر سے دوسرے شہر سفر کیا کرتے تھے بلکہ ہندوستان اور بیرون ممالک بالخصوص وسط ایشیا کے ملکوں کے درمیان بھی آمدورفت رہا کرتی تھی۔ اس مسافرت اور مہاجرت کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ اسلامی روایات میں طلب علم ومعرفت کیلئے سفر اختیار کرنے کی ترغیب وتشویق دلائی گئی ہے۔ چنانچہ طلب علم اور مشائخ سے استفادہ کرنے کی غرض سے سفر کی فضیلت احادیث وآثار اور ادبیات تصوف میں بکثرت وارد ہوئی ہے۔[9] حضرت بشر حافی فرمایا کرتے تھے کہ اے علماء دین! سفر کرو تاکہ پاک رہو کیونکہ پانی اگر ایک ہی جگہ رکا رہے تو گندہ ہو جاتا ہے۔[10] اس زمانہ میں سفر اور ہجرت کے سات پہلو قابل لحاظ ہیں: (1) سفر حج جو خشکی اور بحری دونوں راستوں سے ہوتا تھا۔ (2) علماء ومشائخ کے اسفار جو طلب علم ومعرفت اور افادہ واستفادہ کی غرض سے ہوتے تھے۔ (3) اکثر علماء ومشائخ نے اپنے مرشد کے حکم یا آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارہ پر سفر اختیار کیا اور معینہ شہروں میں سکونت اختیار کی۔ (4) قوالوں، قلندروں اور جوالقی درویشوں کا بین الممالک اور اندرون ملک سفر۔ (5) لشکریوں اور اہلِ حرفہ کا سفر۔ (6) تجارت۔ (7) غلاموں کی خرید وفروخت۔

وسط ایشیاء کے شہروں اور ہندوستان کے مابین علماء ومشائخ اور اہل حرفہ کی آمدورفت کا سلسلہ سقوط بغداد کے بعد سے جاری ہو گیا تھا۔ شیخ علی ہجویری غزنی سے سفر کرتے ہوئے لاہور آئے۔ خواجہ معین الدین چشتی نے خراسان سے سمرقند، عراق، حرمین شریفین، ہارون اور بغداد کا سفر کیا اور پھر وہاں سے ہندوستان تشریف لائے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوش سے بغداد

Marfat.com

گئے اور پھر وہاں سے دہلی تشریف لائے۔ خواجہ جلال الدین تبریزی نے خواجہ فرید الدین عطار سے نیشا پور میں ملاقات کی، وہاں سے ہندوستان تشریف لائے اور بدایوں، ملتان، دہلی اور بنگال کا سفر کیا۔ شیخ بدرالدین غزنوی، جو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ ہیں، غزنی سے لاہور اور پھر وہاں سے دہلی آئے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کے کئی خلفاء ہندوستان میں تھے۔ ان میں نورالدین مبارک غزنوی، قاضی حمید الدین ناگوری، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ مجدالدین حاجی شرف الدین عراقی، شیخ ترک بیابانی اور شیخ ضیاء الدین رومی شامل ہیں۔ ان میں سے اکثر شیخ شہاب الدین سے مرید ہونے کیلئے بغداد گئے۔ بعض دوسرے بلاد سے ہندوستان وارد ہوئے۔ جب خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ معارف پناہ دہلی میں قائم ہوئی اور آپ کے فضل وکمال اور بزرگی کی شہرت ہندوستان سے نکل کر ممالک اسلامیہ تک پہنچی تو بغداد، خراسان، نیشا پور اور سمرقند و بخارا جیسے شہروں کے فاضلین آپ سے ملاقات کرنے کیلئے ہندوستان تشریف لائے۔

اندرون ملک بھی علماء ومشائخ کثرت سے سفر کیا کرتے تھے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیر سے دو مرتبہ دہلی تشریف لائے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اپنے پیرومرشد سے ملاقات کرنے کیلئے دس مرتبہ دہلی سے اجودھن تشریف لے گئے۔ شیخ نجیب الدین متوکل حضرت باباصاحب سے ملنے کیلئے دہلی سے اجودھن انیس مرتبہ گئے۔ ملتان کے سہروردی مشائخ ملتان سے دہلی کا سفر باقاعدگی سے کیا کرتے تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود اپنے پیرومرشد خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے ملنے اودھ سے دہلی آیا کرتے تھے۔ سراج الدین عثمان بنگال سے دہلی آ کر نظام الدین اولیاءؒ کے دامن تربیت سے وابستہ ہوئے۔ خواجہ نظام الدین کے بعض مرید جو لشکر میں ملازم تھے دہلی سے دیوگیر (دکن) کا سفر کیا کرتے تھے۔ علماء ومشائخ کے علاوہ قلندر قوال اور جوالقی درویش ایک شہر سے دوسرے شہر آتے جاتے رہتے تھے۔ ان میں سے بعض وسط ایشیا کے شہروں سے آیا کرتے تھے۔ امیر خسرو کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شاہی دربار میں خراسانی گویوں سے ان کا مقابلہ ہوا۔ سپاہیوں اور غلاموں کی خرید وفروخت اور نقل مکانی ہندوستان اور وسط ایشیا کے شہروں کے بیچ جاری تھی۔ غیاث الدین بلبن البری ترک تھا۔ وہ منگولوں کے حملہ میں گرفتار ہوا اور بغداد میں خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ بکا جو اسے دہلی لے آئے۔ یہاں سلطان شمس الدین التتمش نے اسے خرید لیا۔ اپنی خداداد ذہانت اور معاملہ فہمی کی بنا پر وہ جلد ہی سلطان کے مقربین میں شامل ہو گیا۔ اسی طرح سلطان غیاث الدین تغلق خراسان سے ترک وطن کر کے ہندوستان آیا اور خلجیوں کے یہاں ملازم ہو گیا۔ امیر خسرو کے والد سیف الدین محمود ترکی قبیلے ہزارہ لاچین سے تھے۔ وہ التتمش کے دور میں

Marfat.com

ہندوستان آئے۔ کچھ لوگ دہلی سے غلام خرید کر خراسان لے جاتے تھے اور وہاں فروخت کرتے تھے۔ ہندوستان کے دور دراز شہروں سے تجارتی قافلے آیا جایا کرتے تھے۔ [11]

بدایوں:

سلطنت دہلی کے قیام سے بہت پہلے شمالی اور جنوبی ہندوستان میں مسلمانوں کی بستیاں قائم ہو چکی تھیں۔ روایت ہے کہ بدایوں 421 ہجری میں مسعود سالار غازی کے ہاتھوں فتح ہوا۔ 1197ء میں سلطان قطب الدین ایبک نے اسے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ ایک زمانہ میں شمس الدین التمش یہاں کا حاکم رہا تھا۔ اس نے 620 ہجری میں یہاں جامع مسجد شمسی تعمیر کروائی۔ خلجیوں کے زمانہ میں بدایوں ایک چھاؤنی بن چکا تھا۔ چنگیزی حملوں سے جان بچانے کیلئے کثیر تعداد میں علماء وصالحین اور اہل کمال نے لاہور، دہلی اور بدایوں کا رخ کیا۔ بدایوں کی سرزمین کئی اولیاء عظام اور علماء و مشائخ کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف ہوئی۔ یہاں خواجہ جلال الدین تبریزی (متوفی 641ھ) تشریف لائے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات فوائد الفواد میں بدایوں کے کئی بزرگوں اور اہل کمال کا ذکر ہے۔ ان میں مولانا سراج الدین ترمذی، خواجہ عزیز کرکی، مولانا سراج الدین، حافظ بدایونی، خواجہ شاہی موئے تاب، خواجہ ابوکر موئے تاب، مولانا علاء الدین اصولی، خواجہ علی مکی، خواجہ شادی مقری، مولانا رضی الدین حسن صنعانی، مولانا نظام الدین ابوالمؤید اور مولانا احمد شامل ہیں۔

خواجہ نظام الدین کے دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب بخارا کے رہنے والے تھے۔ 615 ہجری میں منگولوں کے ہاتھوں جب بخارا تباہ و برباد ہو گیا تو انہوں نے ہندوستان کا رخ کیا۔ پہلے وہ لاہور آئے۔ اس زمانہ میں لاہور میں شورش تھی یہاں سے وہ مغربی اتر پردیش کے شہر بدایوں آئے جسے اس زمانہ میں قبۃ الاسلام کہا جاتا تھا۔ خواجہ علی اور خواجہ عرب تجارت پیشہ تھے۔ ان کے پاس بخارا میں بہت سے غلام تھے۔ خواجہ عرب کے دو بچے تھے۔ ایک صاحبزادی جس کا نام بی بی زلیخا تھا اور دوسرے صاحبزادے خواجہ عبداللہ نام کے تھے۔ بی بی زلیخا کی شادی خواجہ علی کے صاحبزادے خواجہ احمد سے ہوئی۔ آپ کا نام محمد رکھا گیا جب آپ پانچ سال کے تھے تو آپ کے والد خواجہ احمد کا انتقال ہو گیا۔ [12] وہ بدایوں میں ساگر تال کے پاس مدفون ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن چشتی نے آپ کے سلسلہ نسب کو حضرت خالد بن ولیدؓ سے ملایا ہے۔ [13]

Marfat.com

ابتدائی تعلیم وتربیت:

خواجہ نظام الدین کی ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہوئی۔ آپ نے سب سے پہلے بدایوں کے مشہور قاری شادی مقری (متوفی 658ء) سے ناظرہ پڑھا۔ وہ سات قراتوں کے ماہر اور صاحب کرامت آدمی تھے۔ ان کی کرامت یہ تھی کہ اگر کوئی ان سے قرآن کریم کا ایک صفحہ پڑھ لیتا تھا تو اللہ تعالیٰ اسے حفظ کی نعمت سے نوازتا تھا۔ شادی مقری لاہور کے ایک مشہور عالم خواجگی مقری کے شاگرد تھے۔ خواجہ نظام الدین فرمایا کرتے تھے کہ شادی مقری کی برکت سے انہوں نے آگے چل کر قرآن کریم حفظ کرلیا۔[14] خواجہ نظام الدین نے اپنے بچپن میں کئی علماء وصلحاء کو دیکھا تھا۔ ان میں ایک قاضی منہاج سراج (متوفی 712ھ) تھے۔ وہ تین مرتبہ قاضی القضاۃ اور صدر الصدور کے عہدوں پر فائز ہوئے۔ خواجہ نظام الدین دوشنبہ کو ان کے وعظ میں جایا کرتے تھے۔[15] دوسرے بزرگ خواجہ نظام الدین ابوالموید شہر کے مشہور واعظ تھے۔ ان کے وعظ میں بڑی تاثیر تھی۔ وہ ابتداء میں شیخ عبدالواحد غزنوی سے بیعت ہوئے۔ جب دہلی آئے تو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی صحبت میں رہے۔ 672 ہجری میں انتقال فرمایا۔[16] خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی ابتدائی تعلیم وتربیت اور ان کی سیرت وشخصیت کی تشکیل میں سب سے بڑا حصہ ان کی والدہ محترمہ کا تھا۔ نامساعد حالات کے باوجود انہوں نے اپنے ہونہار بیٹے کی تعلیم وتربیت کا پورا اہتمام کیا۔

مولانا علاء الدین اصولی:

خواجہ نظام الدین کے اساتذہ میں ایک ممتاز نام مولانا علاء الدین اصولی کا ہے۔ مولانا علاء الدین اصولی کے بچپن کا واقعہ ہے کہ وہ بدایوں میں کسی گلی میں جا رہے تھے۔ شیخ جلال الدین تبریزی اس زمانہ میں بدایوں میں تھے اور اپنے گھر کی دہلیز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ان کی نظر مولانا علاء الدین اصولی پر پڑی تو انہوں نے ان کو بلایا اور جو لباس خود پہنے ہوئے تھے وہ ان کو پہنا دیا۔ سلطان جی فرماتے تھے کہ ان کے سارے اوصاف اور اخلاق اسی لباس کی برکت سے تھے۔

مولانا علاء الدین اصولی کسی کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ فاقے سے تھے اور کھلی کھانے کی نوبت آ گئی تھی۔ ان دنوں حجام آپ کا خط بنانے کیلئے آیا۔ آپ نے کھلی عمامہ میں چھپالی۔ مولانا نے سر منڈوانے کیلئے جب عمامہ اتارا تو کھلی زمین پر گر گئی۔ حجام نے کچھ دنوں کے بعد یہ واقعہ ایک امیر سے بیان کیا۔ اس امیر نے کئی من غلہ، کئی گھڑے گھی اور

Marfat.com

ایک ہزار جتیل مولانا کی خدمت میں بھیجے لیکن مولانا نے یہ ہدیہ قبول نہیں کیا اور اسے واپس کر دیا۔ اس کے بعد مولانا نے اس حجام کو بلوایا اسے سخت سست کہا اور فرمایا کہ آئندہ میرے پاس نہ آنا۔ اس نے بڑی معذرت کی تو مولانا نے اس کا قصور معاف کر دیا اور کہا کہ آئندہ کبھی فقیروں کا راز فاش نہ کرنا۔[17]

خواجہ نظام الدین نے مولانا علاء الدین اصولی سے فقہ حنفی کی مشہور کتاب قدوری پڑھی جو ابوالحسین احمد بن محمد القدوری (متوفی 428ھ) کی تصنیف ہے۔ جب قدوری ختم ہوئی تو مولانا اصولی نے خواجہ نظام الدین سے فرمایا کہ اب تمہیں دستار باندھنی چاہیے۔ سلطان جی نے اپنی والدہ سے یہ بات کہی۔ والدہ نے بازار سے روئی منگوائی چرخہ پر کاتا اور ایک نورباف کو دستار بننے کیلئے وہ سوت دیا۔ اس نے دو تین دن میں دستار بن کر دے دی۔ سلطان جی وہ دستار اور کچھ رقم لے کر استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس موقع پر سلطان جی کی والدہ نے کھانا پکایا اور شہر کے ممتاز بزرگوں اور علماء کو دعوت دی۔[18] مولانا علاء الدین اصولی نے اس موقع پر علی مولا نام کے ایک بزرگ کو بھی بلایا۔ علی مولا شیخ جلال الدین تبریزی کی توجہ سے مسلمان ہوئے تھے اور اس مقام کو پہنچے کہ علماء و مشائخ ان سے برکت حاصل کرتے تھے اور قدم چومتے تھے۔[19]

کھانے سے فارغ ہو کر مولانا اصولی نے خواجہ نظام الدین کے سر پر دستار باندھنی شروع کی۔ وہ دستار باندھتے جاتے تھے اور سلطان جی اپنے استاد کے قدموں پر سر رکھتے جاتے تھے۔ یہ حال دیکھ کر علی مولا نے مولانا اصولی سے ہندی زبان میں فرمایا: ارے مولانا! یہ بڑا ہوسی (ارے مولانا! یہ بڑا آدمی بنے گا)۔ مولانا اصولی نے ان سے پوچھا کہ کس بات سے آپ نے یہ اندازہ لگایا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس میں دو باتیں دیکھیں۔ ایک تو یہ کہ جو منڈاسا باندھے سو پائیں پسرے (جو دستار باندھتا ہے وہ کسی کے پیروں پر نہیں گرتا)۔ اور دوسری یہ کہ اس کی دستار ریشم کی نہیں بلکہ دھوتر کی ہے لہٰذا یہ لڑکا بڑا بنے گا۔[20] سلطان جی نے دستار بندی کے بعد خواجہ علی مولا کی قدم بوسی کی۔ انہوں نے دعا فرمائی کہ خدا تعالیٰ تمہیں علمائے دین میں کرے اور ہمت کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچائے۔ دعا کے بعد سلطان جی نے دوسرے بزرگوں کی قدم بوسی کی اور ان کی دعائیں لیں۔

خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مولانا علاء الدین اصولی کے ساتھ ایک کتاب کے نسخوں کا مقابلہ کر رہا تھا یہاں تک کہ ہم ایک مصرعہ پر پہنچے جو ناموزوں تھا اور بے معنی بھی۔ ہم نے بہت کوشش کی لیکن مشکل حل نہ ہوئی۔ اس وقت ایک بزرگ جنہیں ملک یار کہتے

Marfat.com

تھے، تشریف لائے۔ مولانا اصولی نے مصرع کی صحت ان سے دریافت کی۔ ملک یار نے مصرع کو اس طرح موزوں اور بامعنی پڑھا کہ خواجہ نظام الدین کو اس کی صحت کا یقین ہو گیا۔ اس کے بعد مولانا اصولی نے سلطان جی سے فرمایا کہ مولانا ملک یار نے اس مصرع کے معنی کو از سر ذوق دریافت کیا ہے۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ اس روز تک میں ذوق کو ذوق حسی سمجھتا تھا۔ اس دن مجھے معلوم ہوا کہ ذوق معنوی کیا ہے۔ ملک یار کچھ پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو کرامت سے علم عطا فرمایا تھا۔ [21]

سلطان جی کو بدایوں سے بڑی انسیت تھی۔ اپنا نام وہ ہمیشہ محمد نظام الدین البخاری البداؤنی لکھا کرتے تھے۔ دہلی کی مجلسوں میں بھی انہوں نے بدایوں کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔ وہاں کے باغ، تالاب اور قصے فوائد الفواد میں کئی جگہ بیان ہوئے ہیں۔ ایک مجلس میں آپ نے فرمایا کہ سلطان شمس الدین التمش ایک مرتبہ بدایوں آیا۔ اس کے سامنے آم پیش کیے گئے۔ جب اس نے آم کھائے تو پوچھا کہ انہیں کیا کہتے ہیں۔ بتایا گیا کہ انہیں آنب کہتے ہیں۔ شاید ترکی زبان میں آنب کسی بری چیز کو کہتے ہیں۔ سلطان نے کہا کہ اس کو نغزک کہنا چاہیے۔ چنانچہ لوگوں میں یہی نام مشہور ہو گیا۔ [22] ایک مجلس میں سلطان جی نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب وہ اس شہر میں تھے تو ایک دفعہ کچھ صوفی جو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مریدوں میں سے تھے، تشریف لائے۔ ان میں سعید قریشی، علی کھوکھری اور دوسرے طالب علم بھی تھے۔ ان کے سامنے کھانا لایا گیا سب رغبت سے کھانے میں شریک ہوئے۔ ایک شخص جو سلطان جی کا پڑوسی تھا اور جسے شرف پیادا کہتے تھے وہ بھی آ گیا اور کھانے میں شریک ہو گیا۔ جب وہ کھانے میں شریک ہوا تو سعید قریشی اور چند دوسرے لوگوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور ان کو شرف پیادا کے ساتھ کھانا ناگوار گزرا۔ سعید قریشی تو مجلس سے باہر چلے گئے۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ میں حیران رہ گیا کہ آخر ان کو کیا ہوا جو کھانا چھوڑ کر اٹھ گئے۔ انہوں نے دریافت کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ جو شخص ہمارے ساتھ کھانے کیلئے بیٹھا وہ مجعد (یعنی بالوں والا) ہے۔ اس لیے ہم اٹھ گئے کیونکہ ہم بالوں والے کو پسند نہیں کرتے۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ یہ سن کر مجھے ہنسی آ گئی۔ یہ کہاں آیا ہے کہ بالوں والے کے ساتھ کھانا نہ کھائیں اور یہ کس درجہ کی خود پسندی ہے۔ [23] ایک دفعہ سلطان جی کے مرید امیر حسن سنجری بدایوں کے سفر سے واپس ہوئے اور وہاں کے بزرگوں کی زیارت کا حال بیان کیا اور سلطان جی کے والد بزرگوار، مولانا علاء الدین اصولی، مولانا سراج الدین ترمذی اور قاضی جمال الدین ملتانی وغیرہ کا ذکر کیا تو سلطان جی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ [24]

Marfat.com

دہلی کا سفر:

علم کی طلب سلطان جی کو کشاں کشاں دہلی لے گئی۔ چنانچہ آپ سولہ سال کی عمر میں اپنی والدہ اور بہن کے ساتھ دہلی تشریف لائے۔ یہ ناصرالدین محمود کا دورِ حکومت تھا۔ آپ شیخ فریدالدین مسعود کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کے پڑوس میں ٹھہرے۔ دہلی میں بڑے بڑے علماء اور فاضلین موجود تھے۔ شمس الملک خواجہ شمس الدین خوارزمی سے جو اپنے زمانہ کے صدر الافاضل تھے، سلطان جی نے عربی ادب کی مشہور کتاب ''مقاماتِ حریری'' پڑھی۔ ''مقاماتِ حریری'' قاسم بن علی بن محمد الحریری البصری (متوفی 516ھ) کی تصنیف ہے۔ سلطان جی نے اس کتاب کے چالیس مقامات زبانی یاد کر لیے۔ خواجہ شمس الدین خوارزمی نہایت عالم فاضل اور لطیف الطبع تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے انہیں مستوفی ممالک مقرر کیا تھا۔ ان کا یہ قاعدہ تھا کہ اگر کوئی شاگرد ناغہ کرتا یا کوئی دوست عرصہ دراز کے بعد ان سے ملنے آتا تو کہتے کہ میں نے کیا کیا تھا جو تم نہیں آئے۔ جب کسی سے مزاح کرتے تو یہی کہتے کہ ذرا یہ بتاؤ کہ میں نے کیا کیا تھا جو تم نہیں آئے تاکہ میں پھر وہی کروں۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ اگر کسی وجہ سے میری غیر حاضری ہوتی یا میں دیر سے پہنچتا تو خیال ہوتا کہ شاید مجھ سے بھی ایسا ہی فرمائیں گے مگر وہ سلطان جی کی بڑی عزت کیا کرتے تھے اور ان سے فرماتے:

آخر کم ازانکہ گاہے گاہے آئی وبماکنی نگاہے [25]

(اتنا تو کرو کہ کبھی کبھی آؤ اور ہمیں دیکھ جاؤ)۔

دہلی میں آپ چار سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے علم منطق اور بحث ومجادلہ میں دستگاہ حاصل کی۔ یہاں تک کہ آپ مولانا نظام الدین بحاث، مولانا نظام الدین محفل شکن اور مولانا نظام الدین منطقی کے نام سے مشہور ہو گئے۔[26] مروجہ علوم سے فارغ ہونے کے بعد سلطان جی کو معاش کی فکر ہوئی۔ ان کی والدہ اور ہمشیرہ ان ہی کی کفالت میں تھے۔ دہلی میں شیخ نجیب الدین متوکل کے پڑوس میں سلطان جی کا قیام تھا۔ ان سے سلطان جی کو قلبی تعلق ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے شیخ نجیب الدین سے کہا کہ آپ ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھ کر دعا فرمائیں کہ میں کہیں کا قاضی مقرر ہو جاؤں۔ اس پر شیخ نجیب الدین مسکرائے اور فرمایا: قاضی مشو چیزے دیگر شو (قاضی نہ بن کچھ اور بنو)۔[27]

Marfat.com

بابا فرید سے بیعت:

مروجہ علوم میں دستگاہ حاصل کرنے کے بعد بھی سلطان جی کو اطمینان خاطر حاصل نہ ہوا تھا۔ ان کی روحانی پیاس باقی تھی۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ جوانی کے زمانہ میں میرا مخلوق کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا مگر ہمیشہ دل میں یہ رہتا کہ ان سے چھٹکارا کب ملے گا۔ فرماتے ہیں کہ بحث ومباحث کے دوران اکثر میرا دل متنفر ہو جاتا تھا اور میں نے کئی دفعہ اپنے ساتھیوں سے کہا بھی تھا کہ میں تمہارے درمیان زیادہ دن نہیں رہوں گا۔ [28]

ابتداء ہی سے ان کے دل میں دنیا طلبی کا رجحان نہ تھا۔ ایک دفعہ فرمایا کہ میں بچپن میں بدایوں میں مولانا علاء الدین اصولی سے پڑھتا تھا۔ ایک دن تنہائی میں مسجد میں کتاب کا مطالعہ کررہا تھا کہ اتنے میں میں نے دیکھا کہ کئی سنہرے رنگ کے سانپ پھنکارتے ہوئے جارہے ہیں۔ میں نے انہیں غور سے دیکھنا شروع کیا۔ میں نے دیکھا کہ ان سانپوں کے پیچھے ایک چھوٹا سا سانپ جارہا ہے۔ میں نے حقیقت جاننے کیلئے اس چھوٹے سانپ پر اپنی پگڑی ڈال دی۔ کچھ دیر کے بعد پگڑی اٹھا کر دیکھا تو اس کے نیچے اشرفیوں کا ڈھیر پایا۔ میں نے وہ اشرفیاں وہیں چھوڑ دیں۔ [29]

شیخ فریدالدین مسعود کی بزرگی اور عظمت کا شہرہ سلطان جی کے کانوں میں ایام طالب علمی ہی سے پڑ چکا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں دس بارہ سال کا تھا اور پڑھتا تھا۔ ایک شخص ابوبکر خراط نامی قوال میرے استاد کے پاس ملتان سے آیا۔ اس نے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی اطاعت وعبادت کا ذکر کیا اور کہنے لگا کہ وہ ایسے بزرگ ہیں کہ ان کی کنیزیں بھی چکی پیستے پیستے ذکر الٰہی کرتی ہیں۔ وہ بہت دیر تک شیخ بہاء الدین کے مناقب وفضائل بیان کرتا رہا مگر مجھ پر ان باتوں کا اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد قوال نے کہا کہ میں اجودھن بھی گیا۔ میں نے وہاں شیخ فریدالدین کو دیکھا کہ رشد وہدایت کا ایک ماہتاب ہیں۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ شیخ فریدالدین کا ذکر سن کر محبت وعقیدت کا دریا میرے دل میں جوش مارنے لگا یہاں تک کہ یہ کیفیت ہوئی کہ میں ہر نماز کے بعد شیخ فرید اور دس بار مولائے فرید کہتا تھا اور پھر سوتا تھا یہاں تک کہ اس محبت کی خبر میرے دوستوں کو بھی ہوگئی۔ چنانچہ جب وہ کوئی بات مجھ سے پوچھتے اور مجھے قسم دینا چاہتے تو مجھ سے کہتے کہ شیخ فرید کی قسم کھاؤ۔ [30]

سلطان جی نے جب پہلی دفعہ بدایوں سے دہلی کیلئے رخت سفر باندھا تو سفر میں ان کے

ایک عزیز بزرگ عوض نامی ساتھ ہوئے۔اس زمانہ میں راستے پرخطر تھے۔راستہ میں اگر کہیں شیر یا چور کا خوف ہوتا تو وہ بزرگ کہتے کہ اے پیر! تشریف لائیے۔اے پیر! ہم آپ کی پناہ میں جارہے ہیں۔سلطان جی نے ان بزرگ سے پوچھا کہ آپ کس کو پیر کہتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت بابا فریدالدین کو۔ان بزرگ کا یہ جواب سن کر سلطان جی کے دل میں شیخ فریدالدین کی محبت کا جذبہ اور بھی بڑھا۔بالآخر سلطان جی حضرت باباصاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اس وقت ان کی عمر بیس برس کی تھی۔سلطان جی فرماتے ہیں کہ شیخ فریدالدین سے جب مجھے شرف پابوسی ہوا تو آپ نے یہ شعر پڑھا:

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

(تیری فرقت اور جدائی کی آگ نے کئی دلوں کو کباب کر دیا اور تیرے شوق کے سیلاب نے کئی جانیں خراب کر دیں)۔سلطان جی فرماتے ہیں کہ میں نے چاہا کہ آپ کی خدمت میں حاضری کے شوق کو ظاہر کروں لیکن باباصاحب کا خوف مجھ پر اس طرح غالب آیا کہ میں صرف اتنا کہہ سکا کہ ملاقات کا شوق انتہائی غالب تھا۔باباصاحب نے سلطان جی کے چہرہ پر خوف کے آثار دیکھ کر فرمایا لکل داخل دھشتہ (ہر نئے آنے والے کو دہشت ہوتی ہے)۔پھر باباصاحب نے آپ کو بیعت فرمایا۔سلطان جی نے دریافت فرمایا کہ آپ کا کیا ارشاد ہے، کیا پڑھنے کا سلسلہ ختم کر کے اب درود وظائف میں مشغول ہو جاؤں۔باباصاحب نے فرمایا کہ ہم کسی کو حصول تعلیم سے منع نہیں کرتے۔یہ بھی کرو اور وہ بھی کرو پھر دیکھو کون غالب آتا ہے۔فقیر کے لئے کچھ علم بھی ضروری ہے۔[31]

سلطان جی حضرت باباصاحب کی زندگی میں تین مرتبہ اور ان کی وفات کے بعد سات مرتبہ اجودھن گئے۔بیعت ہونے کے بعد سلطان جی کی حضرت باباصاحب کے خلیفہ اور داماد شیخ بدرالدین اسحاق سے دوستی ہوگئی۔حلقہ ارادت میں داخل ہونے کے بعد باباصاحب نے حکم دیا کہ سلطان جی کیلئے جماعت خانہ میں کھاٹ ڈال دی جائے۔سلطان جی کو خیال آیا کہ یہاں بہت سے بزرگ ہیں جو زمین پر سورہے ہیں۔میں کس طرح کھاٹ پر سوسکتا ہوں۔شیخ بدرالدین اسحاق نے ان سے کہا کہ تم اپنے پیر کا کہا مانو گے یا اپنی چلاؤ گے۔جماعت خانہ میں قیام کے دوران سلطان جی نے حضرت باباصاحب سے قرآن کریم کے چھ پارے تجوید کے ساتھ پڑھے۔شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب عوارف المعارف سبقاً سبقاً ان سے پڑھی۔اصول حدیث کی کتاب تمہید المتہدی، جو ابوشکور سالمی کی تصنیف ہے، اور بعض دیگر کتب باباصاحب سے

Marfat.com

پڑھیں۔[32] سلطان جی کا بیان ہے کہ حضرت بابا صاحب تصوف کے رموز ونکات ایسی خوبی اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایسا بیان آج تک سننے میں نہیں آیا۔

راہ سلوک میں مرید کی تربیت خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ پیر اپنی خداداد قوت فراست وبصیرت سے مرید کے جوہر اصلی کو پہچان لیتا ہے اور اس کو آبدار بنانے کیلئے مختلف طریقے استعمال کرتا ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب ثقفی (متوفی 328ھ) فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے تمام علوم کو اپنے اندر جمع کرلیا اور متعدد لوگوں کی صحبت میں بھی رہ چکا ہو تب بھی وہ اس وقت تک اللہ کا بندہ نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ کسی شیخ یا امام سے تربیت حاصل نہ کرے یا کسی ناصح سے استفادہ نہ کرے اور جس نے کسی ایسے استاد سے ادب حاصل نہیں کیا جو اسے اس کے اعمال کے عیوب دکھائے اور اسے نفس کی رعونت کا پتہ دے تو معاملات کی اصلاح کیلئے ایسے شخص کی اقتداء جائز نہیں۔[33] شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ نفس انسانی میں طبعی طور پر سرکشی ہے۔ روحانی حالت کے غلبہ کی ابتدائی صورت میں شاذ ہی کوئی مرید خود پسندی اور عجب سے خالی ہوتا ہے۔ اس کا علاج صوفیاء کرام نے تواضع اور نفس کی مخالفت کے ذریعہ کیا۔ تواضع کی اصل یہ ہے کہ ذلت اور تکبر میں اعتدال قائم کیا جائے۔ مشائخ کو اپنے مریدوں میں غرور وتکبر کا اندیشہ رہتا ہے اس لیے وہ اس قوت کا دفعیہ کرنے کیلئے مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔[34] حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں کہ مشائخ طریقت کی عادت ہے کہ جب کوئی طالب تارک الدنیا ہوکر ان سے وابستہ ہوتا ہے تو وہ اسے تین سال تک مودب اور خوگر بناتے ہیں۔ اگر وہ اس میں قائم اور مستحکم رہا تو بہتر ہے ورنہ اس سے کہتے ہیں کہ مسالک طریقت میں تمہاری گنجائش نہیں ہے۔ ایک سال تک تو اسے خدمت خلق میں مصروف رکھتے ہیں اور دوسرے سال اسے حق تعالیٰ کی خدمت میں رکھتے ہیں یعنی ریاضت ومجاہدہ کراتے ہیں اور تیسرے سال اس سے اپنے دل کی حفاظت کراتے ہیں۔ خلق کی خدمت اس طرح کرائی جاتی ہے کہ وہ خود کو سب کا خادم اور اپنے کو مخدوم کی مانند سمجھے۔ مطلب یہ کہ بلا استثنا سب کو اپنے سے بہتر جانے اور ان کی خدمت کو اپنے اوپر واجب جانے۔ اسی طرح حق تعالیٰ اس وقت ادا کرسکتا ہے جب وہ دنیا وآخرت کی تمام خواہشوں سے خود کو محفوظ رکھے اور سب سے قطع تعلق کرکے یکسو ہوکر اس کی عبادت میں منہمک رہے کیونکہ جب تک حق تعالیٰ کی عبادت کسی اور شے کیلئے کرتا ہے تو وہ گویا اپنی پرستش کرتا ہے نہ کہ خدا کی اور دل کی حفاظت اس وقت کر سکتا ہے کہ اپنے دل کو مضبوط کرکے پوری دلجمعی اور اسے تمام غم وافکار سے پاک وصاف کرکے حضور قلب کے ساتھ مشغول ہو۔[35]

Marfat.com

طالب کی تربیت اس کی استعداد، مزاج اور ہمت کے مطابق ہوتی ہے۔ بعض مریدوں میں عالی ہمتی اور استقامت اس درجہ کی ہوتی ہے کہ وہ چند ہی روز میں برسوں کے مراحل طے کر لیتے ہیں۔ چنانچہ شیخ بہا الدین زکریا ملتانی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنے پیرومرشد شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں صرف سترہ روز رہے۔ ان ایام میں انہوں نے اپنے شیخ سے وہ نعمتیں حاصل کر لیں جو دوسرے مرید برسوں میں حاصل نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ ان کے بعض پرانے مریدوں کو ناگوار بھی گزرا کہ ہم اتنے سال سے خدمت کر رہے ہیں مگر ہمیں تو اتنی نعمت نہیں ملی اور ایک ہندوستانی آیا اور اتنی تھوڑی مدت میں اسے خلافت مل گئی اور بے شمار نعمتیں بھی۔ یہ بات شیخ شہاب الدین کے کانوں تک پہنچی۔ انہوں نے فرمایا کہ تم لوگ گیلی لکڑیاں لائے تھے۔ گیلی لکڑیاں آگ کیسے پکڑ سکتی ہیں۔ زکریا خشک لکڑیاں لائے تھے جو ایک پھونک میں سلگ گئیں۔ 36

سلطان جی کی استعداد اور کمال ہمت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ حالانکہ وہ اپنے پیر کی خدمت میں چند ہی مہینے رہے لیکن اس قلیل مدت میں حضرت بابا صاحب کی تربیت نے ان کے دل کے آئینہ کو خوب اچھی طرح صیقل کیا۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ جب میں بابا صاحب کا مرید ہوا تو حضرت بار بار یہ ارشاد فرماتے تھے کہ دشمنوں کو خوش کرنا چاہیے۔ اس زمانہ میں مجھ پر بیس جتیل قرض باقی تھا اور ایک کتاب میں نے کسی سے عاریتاً لی تھی جو مجھ سے گم ہو گئی تھی۔ میں نے پختہ ارادہ کیا کہ اب کی مرتبہ جب میں دہلی جاؤں گا تو ان دونوں کو راضی کروں گا۔ جب وہ دہلی آئے تو جس کو بیس جتیل واپس دینے تھے وہ بزاز تھا اور سلطان جی نے اس سے ادھار کپڑا خریدا تھا۔ آپ کا ذریعہ معاش اس زمانہ میں اتنا تنگ تھا کہ کبھی پانچ جتیل ہاتھ آئے اور کبھی دس جتیل یہاں تک کہ ایک بار گیارہ جتیل ہاتھ لگے۔ سلطان جی اس بزاز کے گھر پہنچے اور اسے آواز دی۔ وہ گھر سے باہر نکلا۔ سلطان جی نے اس سے کہا کہ میں تمہارے بیس جتیل کا مقروض ہوں۔ اپنی تنگ دستی کی وجہ سے اب تک ادا نہیں کر سکا ہوں اب میں دس جتیل لے کر آیا ہوں۔ یہ لے لو اور باقی دس جتیل میں ان شاء اللہ جلد ہی ادا کر دوں گا۔ اس نے دس جتیل لے کر سلطان جی سے کہا کہ بے شک تم جہاں سے آ رہے ہو وہاں سے یہی توقع کی جا سکتی ہے۔ باقی دس جتیل میں نے تم کو بخشے۔ پھر سلطان جی اس شخص کے پاس پہنچے جس سے انہوں نے کتاب مستعار لی تھی۔ حضرت نے اس سے کہا کہ میں نے تم سے ایک کتاب عاریتاً لی تھی وہ کتاب مجھ سے گم ہو گئی اب میں اس کتاب کا نسخہ حاصل کر کے اس کی نقل کراؤں گا اور تمہیں پہنچاؤں گا۔ اس نے کہا کہ بے شک تم جہاں سے آئے ہو وہاں سے اسی بات کی امید کی جا سکتی ہے۔ پھر اس نے کہا کہ میں نے وہ کتاب تم کو بخشی۔ 37

Marfat.com

ایک دن حضرت بابا صاحب سلطان جی کو عوارف المعارف کا درس دے رہے تھے۔ بابا صاحب کے سامنے عوارف المعارف کا جو نسخہ تھا وہ نہایت ناقص تھا۔ بابا صاحب اس کو پڑھنے میں کسی قدر اٹکتے تھے۔ سلطان جی نے عوارف المعارف کا ایک نسخہ شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس دیکھا تھا۔ انہوں نے بابا صاحب سے عرض کی کہ شیخ نجیب الدین کے پاس صحیح نسخہ ہے۔ شاید یہ بات بابا صاحب کے خاطر پر گراں گزری۔ آپ نے کچھ توقف فرمایا اور اس کے بعد کہا کہ درویش کو نسخہ سقیم کی صحت کی طاقت نہیں ہے۔ ایک دو بار یہی بات ارشاد فرمائی۔ سلطان جی کے دل میں ذرا بھی خیال نہیں تھا کہ بابا صاحب کا اشارہ کس کی طرف ہے۔ جب دو تین بار یہ بات بابا صاحب نے ارشاد فرمائی تو شیخ بدرالدین اسحاق نے سلطان جی سے کہا کہ حضرت یہ بات تمہارے بارے میں فرماتے ہیں۔ وہ سکتہ میں آ گئے۔ کھڑے ہو گئے اور حضرت بابا صاحب کے قدموں میں گر پڑے اور عرض کی کہ پناہ بخدا جو اس بات سے میرا مقصود آپ کی طرف جا رہا ہو۔ میں نے ایک نسخہ دیکھا تھا اس کا ذکر کر دیا۔ میرے دل میں کوئی اور چیز نہیں تھی لیکن بابا صاحب پر اس معذرت کا کچھ اثر نہ ہوا۔ سلطان جی کو رونا آ گیا۔ وہ مضطرب اور حیران ہو کر باہر آئے یہاں تک کہ ایک کنویں کے پاس پہنچے اور چاہا کہ اس میں کود پڑیں مگر پھر کچھ سوچ کر اس ارادہ سے باز رہے۔ اسی حیرت وحسرت میں سراسیمہ ہو کر جنگل کی طرف نکل گئے اور گریہ وزاری کرتے رہے۔ حضرت بابا صاحب کے ایک صاحبزادے شہاب الدین نام کے تھے۔ ان کے اور سلطان جی کے درمیان بڑی محبت کا تعلق تھا۔ ان کو سلطان جی کے اس حال کی خبر ہوئی تو وہ بابا صاحب کی خدمت میں گئے اور سلطان جی کا حال ان سے بیان کیا۔ بابا صاحب نے ان کو بلوایا۔ سلطان جی حاضر ہوئے اور اپنا سر بابا صاحب کے قدموں میں رکھ دیا۔ آپ نے نہایت شفقت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ سب تمہارے کمال حال کیلئے کرتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ پیر مشاطہ مرید باشد[38] (پیر مرید کیلئے مشاطہ کی طرح ہوتا ہے)۔ یعنی جیسے دلہن کو سنوارنے والی پیشہ ور عورتیں ہوتی ہیں جو اس کے حسن و جمال کو نکھارتی ہیں اسی طرح پیر مرید کی روحانی آرائش و زیبائش کرتا ہے۔ پھر بابا صاحب نے سلطان جی کو خلعت عطا فرمائی اور لباس خاص سے مشرف فرمایا۔

سلطان جی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت بابا صاحب کی خدمت میں تھا کہ چھ یا سات درویش آئے۔ وہ سب جوان، کم عمر اور صاحب جمال تھے۔ شاید وہ سلسلہ چشتیہ میں مرید تھے۔ انہوں نے بابا صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارا آپس میں کچھ جھگڑا ہے۔ مخدوم کسی مرید کو حکم دیں کہ ہمارے جھگڑے کو سن لے اور تصفیہ کرا دے۔ حضرت بابا صاحب نے شیخ بدرالدین

اسحاق اور سلطان جی سے فرمایا کہ تم جاؤ اور ان کا قضیہ سنو۔ چنانچہ ان درویشوں میں سے ایک نے دوسرے کی شکایت بیان کرنی شروع کی اور نرمی اور لطافت کے ساتھ کہا کہ اس روز آپ نے ایسی بات فرمائی اور میں نے یہ عرض کیا۔ اس کے بعد آپ نے یہ ارشاد فرمایا جو میں جانتا نہ تھا۔ میں سمجھا نہیں یا میں نے غلط جواب دیا۔ اس درویش کے جواب میں اس کے ساتھی نے بھی اسی نرمی سے کہا کہ آپ نے تو یہی فرمایا تھا مگر غلطی مجھ سے ہوئی آپ حق پر تھے۔ غرضیکہ یہ اور اس قسم کی گفتگو کرتے رہے۔ سلطان جی اور مولانا بدرالدین اسحاق ان کی گفتگو سے متاثر ہو کر رونے لگے۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں اور ہم کو تعلیم دینے آئے ہیں کہ شکوہ شکایت اس طرح کرنی چاہیے۔[39]

مشائخ عظام اپنے چہیتے مریدوں کی تربیت اس انداز میں کرتے ہیں کہ ان کے سر سے رعونت اور خود بینی کا سودا ہمیشہ کیلئے نکل جائے۔ شیخ ابو محمد حداد حضرت ابو حفص حداد (متوفی 264ھ) کے مریدوں میں سے تھے۔ قصبہ کوہان سے حضرت ابو حفص کی خدمت میں نیشا پور حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے کہا کہ آہن گری اختیار کرو اور اس میں سے جو کچھ کماؤ وہ درویشوں کو دے دو لیکن اس آمدنی اور مزدوری سے خود اپنے اوپر کچھ صرف نہ کرو بلکہ مانگ کر کھاؤ۔ انہوں نے کچھ مدت اس پر عمل کیا تو لوگوں نے طعن کرنا شروع کیا کہ کماتا ہے اور پھر بھی مانگتا ہے لیکن جب وہ طریقت سے اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ کا مقام کیا ہے۔ اس وقت آپ کو قبولیت عام حاصل ہوئی اور پھر لوگ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے لگے اور بہت کچھ فتوح ہونے لگی۔ اس وقت حضرت ابو حفص نے فرمایا کہ اب جبکہ تم اس منزل پر پہنچ گئے ہو اب سوال مت کرو۔ اب تم پر سوال کرنا حرام ہے۔ اب تم آہن گری سے جو کچھ کماتے ہو اس میں سے خود کھاؤ اور دوسروں کی بھی خدمت کرو۔[40] ایک بار ایک مرید حضرت ابو حفص حداد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ان سے کہا کہ اگر تم راستہ کے طالب ہو تو جاؤ پہلے حجام کا کام کرو تا کہ سب لوگ تم کو حجام کہنے لگیں اور وہ شروع ہی سے تم کو عارف نہ کہنے لگیں۔ جب تم حجام مشہور ہو جاؤ تو اس وقت جی چاہے حجامی کرنا یا اس پیشہ کو ترک کر دینا۔

حضرت حمدون قصار (متوفی 271ھ) نے فرمایا کہ الکیاسته تورث العجب[41] (ذہانت و فطانت خود بینی پیدا کرتی ہے)۔ سلطان جی اپنی طبعی ذہانت اور علمی تبحر کی بنا پر بحاث اور محفل شکن مشہور ہو چکے تھے۔ ان کی نفسیاتی اور روحانی اصلاح کیلئے حضرت بابا صاحب نے موثر طریقے اختیار فرمائے۔ اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے ہوتا ہے۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

جب میں بابا صاحب کا مرید ہوا تو اس کے چند دن بعد اجودھن میں ایک مولوی صاحب آئے جو دہلی میں میرے ہم سبق اور دوست رہ چکے تھے۔ مجھے میلے اور پھٹے ہوئے کپڑوں میں دیکھ کر کہنے لگے ''مولانا نظام الدین! تمہیں کیا مصیبت پیش آئی کہ تم نے اپنا یہ حال بنا رکھا ہے۔ اگر اب تک تم شہر میں تعلیم دیتے تو مجتہد زمانہ ہو جاتے اور سامان اور وسائل معیشت بھی اچھے ہو جاتے۔'' میں نے اپنے دوست کی یہ بات سن کر اسے کوئی جواب نہیں دیا اور معذرت کر کے خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان جی حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بابا صاحب نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ نظام! اگر تمہارے دوستوں میں سے کوئی تمہارے پاس آئے اور تم سے کہے کہ تمہیں کون سی مصیبت پیش آئی کہ تم تعلیم و تعلم کو چھوڑ کر جو تمہارے لیے راحت و فراغت کا باعث ہوتی، اس کام میں مشغول ہوئے ہو تو تم کیا جواب دو گے؟ سلطان جی نے عرض کی کہ جو آپ فرمائیں گے وہی جواب دوں گا۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ تم اپنے دوست سے جا کر کہو کہ:

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر برو ترا سعادت بادا مرا نگو نساری

اس کے بعد بابا صاحب نے فرمایا کہ باورچی خانہ میں جاؤ اور وہاں کے منتظمین سے کہو کہ ایک خوان مختلف نعمتوں اور پر تکلف کھانوں سے سجا کر لائیں۔ جب وہ خوان لایا گیا تو بابا صاحب نے فرمایا کہ نظام! اس خوان کو سر پر رکھ کر اس جگہ لے جاؤ جہاں تمہارا دوست ٹھہرا ہوا ہے۔ سلطان جی نے بابا صاحب کے حکم کے مطابق اس خوان کو سر پر رکھا اور اس سرائے میں لے گئے جہاں ان کا دوست ٹھہرا ہوا تھا۔ جیسے ہی اس دوست کی نظر سلطان جی پر پڑی وہ روتا ہوا ان کی طرف دوڑا اور خوان کو ان کے سر سے اتارا اور پوچھنے لگا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ سلطان جی نے حضرت بابا صاحب سے ملاقات کا واقعہ اور اس ساری گفتگو کے بارے میں اپنے دوست کو بتایا اور کہا کہ میرے شیخ نے تمہارے سوال کا جواب اس شعر میں دیا ہے۔ اس دوست نے سلطان جی کی تمام باتیں سن کر کہا الحمد للہ کہ تم ایسا بزرگ ترین شیخ رکھتے ہو کہ جس نے تمہارے نفس کی تربیت ریاضتوں سے اس حد تک کی ہے۔ اب مجھے بھی اپنے شیخ کی خدمت میں لے چلو تا کہ ایسے عظیم المرتبت بزرگ کی قدم بوسی کا شرف میں بھی حاصل کروں۔ جب کھانا کھا چکے تو ان مولوی صاحب نے اپنے خادم سے کہا کہ اس خوان کو سر پر اٹھاؤ اور ہمارے ساتھ آؤ۔ سلطان جی نے کہا نہیں۔ اس خوان کو میں اسی طرح سر پر لے جاؤں گا جس طرح لایا تھا۔ وہ مولوی صاحب سلطان جی کے ساتھ حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے سر رعونت کو اس بادشاہ اہل محبت کے آستانے کی خاک پر رکھا اور آپ کے مرید ہو گئے۔ [42]

سلطان جی کو حضرت بابا صاحب سے غایت درجہ محبت تھی۔ ایک دفعہ لکھنو سے ایک شخص نے سلطان جی کی خدمت میں جھمر تلی جو نفیس قسم کا کپڑا ہوتا ہے، حضرت کیلئے بھیجا۔ آپ کے خادم نے آپ کیلئے کرتا سلانا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے کبھی بابا صاحب کو جھمر تلی کا کپڑا پہنے ہوئے نہیں دیکھا ہے میں کیسے پہنوں؟ حضرت بابا صاحب کے ایک مرید اس وقت حاضر خدمت تھے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت بابا صاحب نے پہنا ہے۔ سلطان جی نے فرمایا کہ اگر بابا صاحب نے پہنا ہے تو میرے لیے سلوا لو۔[43] ایک دفعہ بابا صاحب نے فرمایا کہ ایک شخص میرا مرید ہوا جب وہ میرے پاس سے گیا تو چند دن تک اس کا اعتقاد درست رہا لیکن کچھ مدت کے بعد وہ پھر گیا۔ پھر سلطان جی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ شخص جب سے وابستہ ہوا ہے اس کے مزاج میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہ اپنے اسی اعتقاد پر برقرار رہے۔ سلطان جی یہ کہہ کر رونے لگے اور روتے ہوئے فرمایا کہ آج تک یہ محبت برقرار ہے بلکہ روز افزوں ہے۔[44]

بیعت کے بعد سلطان جی کچھ دنوں تک حضرت بابا صاحب کی خدمت میں رہے۔ اس زمانہ میں بابا صاحب کے گھر میں بہت ناداری اور فقر و فاقہ تھا۔ ان کی اولاد، متعلقین اور درویشوں کو ہفتہ میں دو تین دن فاقے ہو جاتے تھے۔ مولانا بدرالدین اسحاق جنگل سے لکڑیاں لاتے۔ شیخ جمال الدین ہانسوی جنگل سے ڈیلہ لاتے جو کریر کے درخت سے حاصل ہوتا ہے۔ مولانا حسام الدین کابلی پانی لاتے اور باورچی خانہ کی دیگیں صاف کرتے۔ سلطان جی ڈیلوں کو پکاتے اور ان کو کچکول میں رکھ کر بابا صاحب اور حاضرین مجلس کے افطار کیلئے لے جاتے۔ اس کھانے میں کبھی نمک ہوتا اور کبھی نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ دو تین دن تک نمک میسر نہ آیا۔ مسجد کے قریب ایک بقال تھا۔ ایک دن سلطان جی نے اس بقال سے ایک درم کا نمک قرض لے لیا اور ڈیلہ میں ڈال دیا۔ دستور کے مطابق ڈیلے حضرت بابا صاحب اور دوسرے درویشوں کے سامنے لے گئے۔ بابا صاحب نے جب پیالہ میں ہاتھ ڈالا اور لقمہ اٹھایا تو ہاتھ میں کچھ گرانی محسوس ہوئی۔ انہیں لگا کہ اس کھانے میں کوئی شبہ ہے۔ پھر اس لقمہ کو انہوں نے پیالہ میں رکھ دیا۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ میں کانپنے لگا اور سر زمین پر رکھ دیا۔ بابا صاحب نے دریافت فرمایا کہ ان پیالوں میں جو نمک ڈالا گیا ہے وہ کہاں سے آیا ہے۔ سلطان جی نے قرض لینے کی کیفیت بیان کی۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ درویش چاہے فاقہ سے مر جائیں مگر لذت نفس کیلئے قرض نہیں لیتے۔ اس لیے کہ قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قرض ادا نہ ہو سکے اور گردن پر باقی رہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ درویشوں کے سامنے سے یہ پیالے اٹھا لو اور دوسرے فقیروں کو دے دو۔[45]

خلافت:

13 رمضان المبارک 669 ہجری کو حضرت بابا صاحب نے سلطان جی کو طلب فرمایا اور کہا کہ کاغذ لاؤ تا کہ خلافت نامہ لکھا جائے۔ چنانچہ کاغذ لایا گیا اور بابا صاحب نے اپنے دست مبارک سے خلافت نامہ لکھا۔ منجملہ دیگر باتوں کے آپ نے لکھا:

''میں اس بات کی اجازت دیتا ہوں کہ نظام الملت والدین ان تمام باتوں کی روایت کریں جن کا انہوں نے مجھ سے استفادہ کیا ہے اور مجھ سے سنا ہے اور جمع کیا ہے اور محفوظ رکھا ہے۔ نیز اس کی اجازت دیتا ہوں کہ مسجد میں خلوت اختیار کریں جن میں نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے اور خلوت کی شرائط میں دست اندازی نہ کریں۔ ان شرائط کے حصول میں ترقی ہے اور اس خلوت کے ترک کرنے سے بدی کی طرف قدم جلد اٹھتا ہے۔ وہ شرائط یہ ہیں کہ مقاصد کو تباہی سے بچائیں اور جو چیز مقاصد کے حصول میں حارج ہے اس سے اعراض کریں اور اس خلوت کی شرح وہ ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا میں اس طرح رہ کہ گویا تو مسافر ہے یا راہ رو ہے اور اپنے آپ کو اصحاب قبور میں شمار کر۔ پس شرائط کے ادا کرنے سے خلوت درست ہوتی ہے اور خلوت نشین کے قصد سے تمام ہمتیں جمع ہو کر ایک ہمت بنتی ہے کیونکہ ایسا شخص خلوت میں داخل ہو بشرطیکہ وہ اپنے نفس کو توڑے اور خلقت کو معدوم جانے، دنیا اور اس کی حرص وہوا کو ترک کرے۔ دنیا کی حرصوں اور اس کی آرزؤں کے نقصانات کا اس کو علم ہو۔ ایسے خلوت نشین کا وقت مختلف قسم کی عبادتوں سے اس وقت آراستہ ہوتا ہے جب وہ نفس کی بری خواہشوں سے رک کر اپنے آپ کو چھوٹی سے چھوٹی عبادت میں مصروف رکھے۔ اگر تکان غلبہ کرے تو نفس کو تھوڑے عمل یا تھوڑی دیر سو جانے سے راحت پہنچائے۔ یہ راحت پہنچانا بھی نفس کی شورشوں سے پرہیز کرنا ہے۔ صاحب خلوت کو بے کاری سے پرہیز کرنا چاہیے۔ بے شک ایسا تعطل دلوں کو سخت غافل کرتا ہے۔

نظام الحق ہمارا نائب اور خلیفہ ہے۔ دینی اور دنیوی کام میں ان کی پابندی درحقیقت ہماری تعظیم ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جو نظام الحق کی عظمت وتوقیر کرے اور اس کا احترام کرے جسے ہم نے بزرگ قرار دیا اور حق تعالیٰ اس کو ذلیل ورسوا کرے جو ان کے عظمت واحترام کے حق کو ملحوظ نہ رکھے جسے ہم نے ملحوظ رکھا۔''[46]

بابا صاحب نے سلطان جی کو خلافت نامہ عطا کرنے کے بعد کہا کہ یہ خلافت نامہ مولانا جمال الدین کو ہانسی میں اور قاضی منتجب الدین کو دہلی میں دکھلا دینا لیکن آپ نے شیخ نجیب الدین متوکل کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ سلطان جی نے دل میں خیال کیا کہ شاید بابا صاحب ان سے ناراض ہیں لیکن وہ جب دہلی پہنچے تو معلوم ہوا کہ 9 رمضان المبارک کو شیخ نجیب الدین وفات پا گئے۔[47] بابا صاحب نے خلافت نامہ سلطان جی کو دینے کے بعد کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم، عشق اور عقل کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے۔ جس میں یہ تینوں چیزیں موجود ہوں وہ خلافت شیخ اور مشائخ کا مستحق ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان ہی تین چیزوں سے کام بحسن وخوبی پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔[48] پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ تمہیں نیک بخت کرے۔ تم ایسے درخت ہو گے جس کے سایہ میں خدا کی مخلوق آرام پائے گی۔[49] اس کے بعد فرمایا کہ تمہیں مجاہدے کرنے چاہئیں تا کہ تم میں استعداد پیدا ہو۔

سلطان جی حضرت بابا صاحب کے ارشاد کے مطابق ہانسی پہنچے اور شیخ جمال الدین ہانسوی کو خلافت نامہ دکھایا۔ شیخ جمال الدین خلافت نامہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور نہایت محبت وشفقت سے پیش آئے اور یہ شعر پڑھا:

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس — کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس

حضرت بابا صاحب کے وصال سے پہلے سلطان جی کی جب آخری مرتبہ حاضر ہوئی تو انہوں نے سلطان جی کو کلام اللہ کے حفظ کرنے کی وصیت فرمائی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ہم نے دین ودنیا تجھ کو دیئے ہیں۔ ہندوستان جا اور اس ملک کو لے لے۔ ہند پر تیری ایک نگاہ ہی میرے نزدیک کافی ہے۔ ان شاء اللہ تم جس جگہ بھی رہو گے اہل نظر کے منظور نظر رہو گے۔[50] ایک دفعہ بابا صاحب اس حال میں کہ سر برہنہ اور چہرہ متغیر تھا اپنے حجرہ میں ٹہل رہے تھے اور یہ اشعار بار بار پڑھ رہے تھے:

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم
خاکی شوم وبزیر پائے تو زیم

Marfat.com

مقصود من خستہ ز کونین توئی
از بہر تو میرم و برائے توزیم

جب یہ اشعار پڑھ چکے تو سر سجدہ میں رکھ دیا۔ آپ نے چند دفعہ ایسا ہی کیا۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ میں حجرہ میں گیا اور آپ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ حضرت بابا صاحب نے فرمایا: چہ می خواہی بخواہ (مانگو کیا مانگتے ہو)۔ سلطان جی نے کوئی دینی چیز طلب کی اور بابا صاحب نے وہ چیز انہیں بخشی۔ بعد میں قاضی محی الدین کاشانی نے انؒ سے پوچھا کہ انہوں نے کس چیز کی خواہش کی تھی فرمایا کہ میں نے استقامت کی خواہش کی تھی شیخ نے مجھے بخش دی۔ [51]

حضرت بابا صاحب جب مرض الموت میں تھے تو سید محمد کرمانی ان کی عیادت کیلئے اجودھن آئے۔ دوران گفتگو جب سلطان جی کا ذکر آیا تو سید محمد کرمانی نے عرض کیا کہ مولانا نظام الدین آپ کی قدم بوسی کی تمنا رکھتے ہیں اور آپ کی دعا گوئی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ بابا صاحب نے اس بات پر سلطان جی کی تعریف فرمائی اور پوچھا کہ وہ کیسے ہیں! خوش تو ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ کپڑے، مصلیٰ اور عصا ان کو دے دینا۔ حضرت بابا صاحب کے وصال کے وقت سلطان جی اجودھن میں موجود نہ تھے۔

درسِ حدیث کی تکمیل:

سلطان جی کو جب حضرت بابا صاحب سے خلافت ملی تو آپ کی عمر 23-24 سال کی ہو چکی تھی۔ حالانکہ آپ علوم متداولہ سے فارغ ہو چکے تھے اور حضرت بابا صاحب سے بھی درس لیا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ علم کی طلب ابھی باقی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو سلطان جی سے جو عظیم الشان کام لینا تھا اس کیلئے اعلیٰ درجہ کی علمی استعداد شرط اول ہے۔ حضرت سری سقطی نے حضرت جنید بغدادی سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے محدث صوفی بنادے اور صوفی محدث نہ بنائے یعنی پہلے تم علم حدیث اور اصول وسنن کا علم حاصل کرو اور پھر زہد وعبادت میں مشغول ہو تو تم اہل معرفت صوفی ہو گے اور اگر تم نے عبادت وتقویٰ اور حال سے آغاز کیا تو تم علم وسنن سے اعراض کر بیٹھو گے اور پھر اصول وسنن سے جہالت کی وجہ سے یا تو شطحیات یا مغالطوں میں ڈوب مرو گے۔ اس لیے تمہارے لیے بہترین حال یہ ہے کہ پہلے علم ظاہر اور حدیث کی کتابیں پڑھو۔ اس لیے کہ یہ جڑ ہے اور عبادت وعلم کی شاخیں اسی سے پھوٹتی ہیں اور اگر عبادت پہلے شروع کر دی تو گویا جڑ کی بجائے شاخوں سے

Marfat.com

آغاز کردیا۔[52] سلطان جی نے علم حدیث کی تکمیل کیلئے اپنے زمانہ کے مشہور عالم اور محدث مولانا کمال الدین زاہد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مولانا کمال الدین زاہد (متوفی 684ھ) گجرات کے رہنے والے تھے اور ایک واسطہ سے محدث اجل علامہ رضی الدین حسن صغانی کے شاگرد تھے۔ صغانی کی نسبت چغان سے ہے جو ماوراالنہر میں ایک شہر کا نام ہے۔ ان کے اجداد نے چغان سے لاہور ہجرت کی۔ علامہ رضی الدین صغانی کی ولادت 577 ہجری میں ہوئی۔ پہلے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی اور پھر تمام علوم دینیہ بالخصوص حدیث اور لغت میں کامل دستگاہ حاصل کی۔ کول (علی گڑھ) سے وہ حج کو گئے اور وہاں سے بغداد کا سفر کیا۔ اس زمانہ میں ایک بڑے محدث تھے جو منبر پر بیٹھ کر حدیث بیان کرتے۔ علماء ان کے اطراف حلقہ بنا کر بیٹھتے اور حدیثیں لکھتے۔ مولانا رضی الدین بھی اس مجلس میں پہنچے اور اس حلقہ میں جو سب سے دور تھا بیٹھ گئے۔ محدث نے ایک حدیث بیان کی کہ جب موذن اذان پکارے تو سننے والے کو چاہیے کہ وہ بھی اسی طرح کہے۔ انہوں نے حدیث کے ابتدائی الفاظ اس طرح بیان کیے اذا اسکب الموذن۔ سکوب پانی بہانے کو کہتے ہیں۔ جب انہوں نے یہ الفاظ کہے تو مولانا رضی الدین نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے اپنے بغل والے کو بتلایا کہ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں اذا سکت الموذن (یعنی جب موذن خاموش ہوجائے)۔ مطلب یہ ہے کہ موذن جب اذان کے کلمات بول کر خاموش ہوجائے تو ان کلمات کو دہراؤ۔ یہ بات اس شخص نے دوسرے سے کہی اس نے تیسری کو بتائی۔ اس طرح وہ بات محدث کے کانوں تک پہنچی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ یہ بات کہنے والا کون تھا؟ مولانا رضی الدین بولے کہ میں نے کہی ہے۔ محدث نے کہا کہ میں کتاب دیکھ کر بتاؤں گا چنانچہ کتاب دیکھی گئی۔ دونوں باتیں ساتھ ساتھ لکھی گئی تھیں اور اذا سکت کو زیادہ صحیح لکھا تھا۔ مولانا رضی الدین کو خلیفہ کے پاس لے جایا گیا اور ان کی بڑی عزت وتوقیر ہوئی۔[53] وہ بغداد میں کئی سال تک مقیم رہے۔ عباسی خلیفہ نے انہیں التمش کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ آپ سات سال ہندوستان میں رہے۔ 624ھ میں بغداد واپس ہوئے۔ دوسری بار پھر انہیں سفارت پر بھیجا گیا۔ 650 ہجری میں انتقال فرمایا اور ان کی وصیت کے مطابق انہیں مکہ معظمہ میں دفن کیا گیا۔

مولانا رضی الدین صغانی کئی بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں زبدۃ المناسک، کتاب الفرائض، کتاب التکملہ، درجات العلم والعلماء، مجمع البحرین، درالصحابہ فی بیان مواضع وفیات الصحابہ، کتاب الذئب، مصباح الدجی اور مختصر العروض شامل ہیں۔[54] ان کی سب سے مشہور کتاب مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ ہے۔ اس میں صحیح

بخاری اور صحیح مسلم کی صرف قولی احادیث کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ حدیث فعلی اور حدیث تقریری کو نہیں لیا گیا ہے۔ شواہد، متابعات اور روایات بالمعنیٰ کو ترک کیا ہے۔ احادیث کی ترتیب الفاظ اور حروف پر ہے۔ پھر حروف تہجی کی رعایت کی ہے۔ راویوں کے نام کو حذف کرتے ہوئے فقط اس صحابی کا نام جو اس حدیث کا اول راوی ہے کا ذکر کیا گیا ہے۔ کتاب میں کل 2246 احادیث ہیں۔ کتاب بارہ ابواب میں تقسیم کی گئی ہے۔ ہر باب میں کئی فصلیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو حسن قبول عطا فرمایا۔ اس کی شرح چار جلدوں میں لکھی گئی۔ کئی علماء نے مولانا صغانی سے مشارق الانوار کا درس لیا۔ ان میں مولانا برہان الدین محمود بن ابی الخیر بخاری بلخی کا نام قابل ذکر ہے۔ ان سے مولانا کمال الدین زاہد اور موخر الذکر سے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے درس لیا۔ چنانچہ سلطان جی اور علامہ صغانی کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔

مولانا سید کمال الدین زاہد کا درجہ علم وفضل ارزہد وتقویٰ میں بہت بلند تھا۔ سلطان غیاث الدین بلبن کو یہ آرزو تھی کہ مولانا کمال الدین زاہد کو امام مقرر کر کے ان کے پیچھے نماز پڑھے۔ چنانچہ اس غرض سے اس نے مولانا موصوف کو اپنے یہاں بلایا اور کہا کہ مجھے آپ کے علمی کمالات اور دیانت پر پختہ اعتقاد ہے۔ اگر آپ امامت کا عہدہ قبول فرمالیں تو مجھے اپنی نمازوں کے قبول ہونے کا یقین ہو جائے گا۔ مولانا نے جواب دیا کہ میرے پاس تو لے دے کے صرف نماز ہی رہ گئی ہے۔ کیا بادشاہ اسے بھی لے لینا چاہتا ہے۔ مولانا نے بادشاہ کو یہ جواب اس بارعب اور پرجلال لہجہ میں دیا کہ وہ خاموش ہو گیا اور معذرت کے ساتھ مولانا کو باعزت رخصت کیا۔[55]

سلطان جی نے مولانا کمال الدین زاہد سے نہ صرف مشارق الانوار کا درس لیا بلکہ اس کتاب پر بحث کر کے علم حدیث کے غوامض کو حاصل کیا اور صحت سند نیز واقعات وروایات کی انتہائی تحقیق کی۔ مولانا کمال الدین زاہد نے علم حدیث پڑھانے کا اجازت نامہ سلطان جی کو عطا فرمایا اور اس میں لکھا:

> ''اللہ تعالیٰ نے بزرگ امام دانا، اللہ تعالیٰ کی پرستش کرنے والے اور حق کی راہ پر چلنے والے نظام الدین محمد بن احمد بن علی بخاری کو یہ توفیق دی کہ باوجود علم وفضل کی کثرت اور بلاغت وقدرت کے کمال اور حلم کے مرتبے اور مشائخ کبار کے مقبول اور علمائے نیکوکار کے منظور ہونے کے ان سطور کے لکھنے والے (کمال الدین زاہد) سے شروع سے لے کر آخر تک انتہائی محنت وکوشش سے پڑھی اور اس پر بحث کر کے تنقیح کی اور اس کے

معانی اور بنیاد کی اچھی طرح چھان بین کی...... میں اس (نظام الدین اولیاءؒ) سے اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ مجھے اور میری اولاد کو اپنی دعاؤں کے وقت اپنی تنہائیوں میں فراموش نہ کرے۔''[56]

یہ اجازت نامہ 22 ربیع الاول 679 ہجری کو لکھا گیا۔ اس وقت سلطان جی کی عمر لگ بھگ 34 سال تھی۔ مولانا کمال الدین زاہد کے علاوہ سلطان جی نے مولانا امین الدین احمد محدث تبریزی سے بھی سند حدیث حاصل کی۔[57]

حضرت بابا صاحب سے بیعت ہونے کے بعد تقریباً تیس سال تک آپ خلقت سے الگ تھلگ رہے اور سخت مجاہدات میں مشغول رہے۔ یہ طویل زمانہ بڑی عسرت اور تنگ دستی میں گزارا۔ سلطان جی کا بیان ہے کہ غیاث الدین بلبن کے عہد میں کافی ارزانی تھی یہاں تک کہ دو جتیل میں ایک من خربوزے ملتے تھے۔ خربوزہ کی فصل گزر جاتی مگر مشکل سے ان کو خربوزے میسر ہوتے۔ ایک جتیل میں میدے کی دو سیر روٹیاں ملتی تھیں لیکن سلطان جی کے پاس ایک دمڑی نہ ہوتی کہ وہ روٹی خرید سکیں۔ والدہ، بہن اور دوسرے لوگ جو گھر میں تھے ان کا بھی یہی حال تھا۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ جس روز ہمارے گھر میں غلہ نہ ہوتا تھا تو آپ کی والدہ آپ سے فرماتیں: نظام! امروز ما مہمان خدایم (نظام آج ہم خدا تعالیٰ کے مہمان ہیں)۔ سلطان جی کہتے ہیں مجھے ان کی اس بات میں بڑا لطف آتا تھا۔ اتفاق سے ایک شخص ایک ٹنکہ کا غلہ ان کے گھر لایا۔ متواتر چند روز تک ان کے گھر میں روٹیاں پکتی رہیں اور وہ اس فکر میں رہے کہ والدہ کب کہیں گی کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔ یہاں تک کہ وہ غلہ ختم ہو گیا۔ اس وقت ان کی والدہ نے کہا کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔ سلطان جی کہتے ہیں کہ والدہ کے یہ کہنے سے جو لطف اور راحت مجھے حاصل ہوئی میں بیان نہیں کر سکتا۔[58] سلطان جی فرماتے ہیں کہ میں اس برج میں تھا جو دروازہ مندہ کے قریب ہے۔ مجھ پر تین روز ایسے گزر چکے تھے کہ کھانے کی کوئی چیز میسر نہ آئی تھی۔ اچانک ایک شخص آیا اور اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا جاؤ دیکھو کہ دروازہ پر کون ہے۔ وہ گیا جب اس نے دروازہ کھولا تو ایک شخص نے کھچڑی سے بھرا ہوا پیالہ اسے دیا اور چلا گیا۔ میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ تم اس آدمی کو پہنچانتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ ہم نے وہ کھچڑی کھائی اور جو مزہ اور لذت اس خشک کھچڑی میں پائی آج تک وہ لذت اور مزہ کسی کھانے میں نہیں آیا۔

سلطان جی کے گھر کبھی کبھی زنبیل گھمائی جاتی تھی۔ افطار کے وقت روٹیوں کے ٹکڑے جو

Marfat.com

اس زنبیل میں ہوتے سامنے لائے جاتے۔آپ کا افطار اوران چند لوگوں کی غذا، جو آپ کی خدمت میں رہتے تھے ان ہی ٹکڑوں سے ہوتی تھی۔ایک دفعہ ایک درویش افطار کے وقت سلطان جی کے پاس آیا۔دوفاقے آپ کے یہاں ہو چکے تھے۔زنبیل کی روٹی کے ٹکڑے دسترخوان پر رکھے ہوئے تھے۔آپ کے افطار کا وقت قریب تھا۔درویش نے ٹکڑوں کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ لوگ کھانا کھا چکے ہیں اور یہ بچے ہوئے ٹکڑے ہیں۔یہ سمجھ کر اس نے تمام ٹکڑوں کو اٹھایا اور چل دیا۔ اس کی اس حرکت پر سلطان جی نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ابھی ہمارے کام میں برکت بہت ہے کہ ہمیں بھوکا رکھتے ہیں۔[59]

والدہ کی وفات:

سلطان جی کو اپنی والدہ سے بہت گہرا قلبی تعلق تھا۔ان میں بڑا ضبط وتحمل اور ہمت وعزیمت تھی۔جب بھی ان کے سامنے کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرماتیں۔سلطان جی فرماتے ہیں کہ جب بھی ان سے کوئی دعا کرائی وہ ہفتہ کے اندر پوری ہوگئی۔وہ سلطان جی سے فرماتیں کہ نظام! میں تجھ میں سعادت اور نیک بختی کی علامت دیکھتی ہوں۔تو آگے چل کر بڑا صاحب اقبال اور بخت والا ہوگا۔ان کی پیش گوئی پوری ہوئی لیکن سلطان جی کے مسند ارشاد پر بیٹھنے سے پہلے وہ ان کو داغ مفارقت دے گئیں۔وفات کی شب چاندنی رات تھی۔اس رات کو جب چاند نظر آیا تو سلطان جی نے اپنی والدہ کے قدموں میں سر رکھ کر انہیں حسب عادت چاند کی مبارکباد دی۔اس وقت آپ کی والدہ نے فرمایا کہ آئندہ چاند رات کس کو مبارکباد دوگے اور کس کے قدموں پر سر رکھو گے؟ ان کی یہ بات سن کر سلطان جی کی حالت متغیر ہوگئی اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔انہوں نے روتے ہوئے اپنی والدہ سے عرض کیا: میری مخدومہ! آپ مجھ غریب اور بے چارہ کو کس کے سپرد کرتی ہیں؟ انہوں نے فرمایا جاؤ اور آج کی رات شیخ نجیب الدین کے گھر میں رہو۔سلطان جی والدہ کے حکم کے مطابق شیخ نجیب الدین کے گھر چلے گئے۔ آخر شب میں صبح کے قریب باندی دوڑتی ہوئی آئی اور کہا کہ آپ کی والدہ آپ کو بلا رہی ہیں۔ سلطان جی جب والدہ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے فرمایا کہ رات تم نے ایک بات پوچھی تھی اور میں نے تم سے اس کے جواب کا وعدہ کیا تھا۔اب میں تمہیں اس بات کا جواب دیتی ہوں۔غور سے سنو۔پھر انہوں نے سلطان جی سے پوچھا کہ تمہارا داہنا ہاتھ کون سا ہے۔سلطان جی نے اپنا داہنا ہاتھ بڑھا کر کہا کہ یہ ہے۔والدہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اے خدا! میں اس کو تیرے سپرد

Marfat.com

کرتی ہوں۔ یہ کہا اور رحمت حق سے جا ملیں۔ سلطان جی اس سپردگی پر خدا کا شکر بجالائے اور اپنے دل میں کہا کہ اگر میری والدہ زروجواہر سے بھرا ہوا پورا گھر بھی میراث میں چھوڑ دیتیں تو میں اتنا خوش نہ ہوتا جو خوشی ان کے آخری کلمات سے مجھے ملی۔[60]

سلطان جی نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ سلامتی ایمان کی علامت یہ ہے کہ مرنے والے کا چہرہ رحلت کے وقت زرد ہو جائے اور ماتھے پر پسینہ آجائے۔ اس دوران یہ بات بیان فرمائی کہ انتقال کے وقت میری والدہ سعادت کی یہی علامتیں رکھتی تھیں۔[61] ان کے انتقال کے وقت سلطان جی کی عمر لگ بھگ 25 سال کی تھی۔

ہمیشہ سے یہ سنت الٰہی رہی ہے کہ صالحین کو سختی اور مصائب کے ذریعہ آزمایا جاتا ہے۔ سورۃ احزاب میں ہے هنالک ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالا شدیدا (وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑجھڑائے گئے زور کا جھڑجھڑانا)۔ ایک دفعہ ایک شخص سلطان جی کی خدمت میں آیا۔ اس نے آپ کے درویشوں اور خادموں کو دیکھا کہ نہایت تنگی سے بسر کر رہے ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ کو سونا بنانا سکھا دوں تاکہ یہ تنگی دور ہو۔ سلطان جی نے فرمایا کہ رنگ آمیزی نصاریٰ کا کام ہے اور سونا بنانا یہودیوں کی صفت ہے۔ نہ ہم مال کی طرف مائل ہیں اور نہ سونے کی طرف۔ نہ ہمیں دنیا کی حاجت ہے اور نہ ہم عقبیٰ کا سوال کرتے ہیں۔ ہم قاضی الحاجات سے اپنی ضروریات طلب کرتے ہیں۔[62] اس زمانہ میں سلطان جی کی عسرت، تنگ دستی اور فقروفاقہ کا یہ عالم تھا کہ بعض خدمت گار فقروفاقہ کی وجہ سے نہایت تنگ آگئے تھے۔ اس زمانہ میں سلطان جلال الدین خلجی نے کچھ رقم بطور فتوح بھیجی اور کہلا بھیجا کہ اگر سلطان المشائخ کا حکم ہو تو ان کے خدمت گاروں کیلئے ایک گاؤں ہدیہ کردوں تاکہ وہ دل وجان سے آپ کی خدمت کر سکیں۔ سلطان جی نے اسے منع فرمایا۔ بعض خدمت گاروں نے جب یہ بات سنی تو سب کے سب مل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر یہ گاؤں مل جائے تو اچھا ہو۔ آپ کا یہ عالم ہے کہ آپ پانی بھی نہیں پیتے لیکن ہم ان حالات کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ سلطان جی نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر یہ مرید ومعتقد اور خدمتگار چلے بھی جائیں تو مجھے اس کی مطلقاً پرواہ نہیں لیکن وہ اعلیٰ یار جو میرے ہم خرقہ ہیں انہیں اس موقع پر مجھے آزمانا چاہیے کہ آیا وہ بھی اس گاؤں کے طالب ہیں یا نہیں۔ چنانچہ آپ نے ان کو طلب کیا اور گاؤں لینے کے بارے میں ان سے مشورہ کیا۔ ان سب نے متفقہ طور پر کہا کہ مولانا نظام الدین! ہم تمہارے گھر میں وقتاً فوقتاً کھانا کھالیا کرتے ہیں۔ اگر یہ گاؤں مقرر ہو گیا تو ہم تمہارے گھر کا پانی بھی نہ پئیں گے۔ سلطان جی

Marfat.com

اس صاف اور کھرے جواب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں دوسروں کی پرواہ نہیں کرتا۔ میرا مقصد صرف تم ہو۔تم نے اس وقت اپنے جواب سے میرا دل خوش کر دیا۔الحمدللہ کہ تم دین کے کاموں میں میری مدد کرتے ہو۔دوستوں کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔[63]

سلطان جی اگر چہ خلوت اور کنج تنہائی کو پسند کرتے تھے لیکن ان کی بزرگی اور علم وفضل کی وجہ سے لوگوں میں انہیں مقبولیت حاصل تھی۔ایک روز آپ خلق کی مزاحمت سے تنگ آ کر شہر دہلی سے باہر چلے گئے اور ارادہ کرلیا کہ اب واپس شہر نہیں جائیں گے۔آپ حوض رانی کی طرف ایک باغ میں گئے جسے باغ جسرت کہتے تھے۔آپ نے دعا کی کہ الٰہی میں اس شہر سے جانا چاہتا ہوں لیکن اپنے اختیار سے کچھ نہیں کرنا چاہتا جہاں تیری رضا ہو مجھے حکم ہو تاکہ میں وہاں جا کر رہوں۔ ندا آئی کہ تیرا مقام غیاث پور ہے۔آپ نے غیاث پور کبھی نہیں دیکھا تھا۔یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کہاں ہے۔آپ ایک دوست کے گھر گئے جس کا نام نقیب نیشا پوری تھا۔اس کے گھر والوں نے بتلایا کہ وہ غیاث پور گئے ہوئے ہیں۔چنانچہ آپ پوچھتے ہوئے غیاث پور پہنچے۔اس زمانہ میں وہاں زیادہ آبادی نہ تھی۔آپ نے وہیں اقامت اختیار کر لی۔غیاث پور اور کیلو کھڑی کے درمیان جہاں پہلے آپ کی قیام گاہ تھی، ایک میل کا فاصلہ تھا۔پنج شنبہ کے دن آپ کیلو کھڑی تشریف لے جاتے اور نماز جمعہ وہاں ادا کر کے غیاث پور واپس چلے جاتے۔سلطان معزالدین کیقباد نے جب کیلو کھڑی میں اپنا محل بنایا تو وہاں خلقت کا ہجوم رہنے لگا۔لوگ آپ کے بارے میں جاننے لگے اور آپ کے پاس آنے لگے۔آپ نے سوچا کہ یہاں سے چلے جانا چاہیے کیونکہ خلق کی کثرت ان کی تنہائی اور عبادت میں مزاحم ہونے لگی تھی۔سلطان جی اسی سوچ بچار میں تھے کہ اسی دن ظہر کی نماز میں ایک خوبصورت لیکن دبلا پتلا نوجوان آیا۔خدا جانے وہ مردان غیب میں سے تھا یا کوئی اور تھا۔اس نے سلطان جی کے سامنے دو شعر پڑھے:

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی
کانگشت نمائے عالمے خواہد شد
امروز کہ زلفت دلے خلقے بربود
در گوشہ نشستنت نمی دارد سود

(جس دن تو نیا نیا چاند بن کر ابھرا تھا کیا تجھ کو معلوم نہ تھا کہ ایک عالم کی نظریں تجھ پر اٹھیں گی۔آج جبکہ تیری زلف نے خلقت کے دل کو اچک لیا ہے گوشہ میں بیٹھنے سے کیا حاصل)۔

Marfat.com

اس کے بعد اس نے کہا کہ اول تو مشہور نہیں ہونا چاہیے لیکن جب کوئی مشہور ہو جائے تو اسے ایسا مشہور ہونا چاہیے کہ کل قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہو۔ پھر اس نے کہا کہ یہ بھی کوئی قوت اور حوصلہ ہے کہ مخلوق سے گوشہ گیر ہو کر حق میں مشغول ہو۔ جواں مردی اور حوصلہ تو یہ ہے کہ خلق کے ساتھ مشغول رہ کر حق کے ساتھ مشغول رہو۔[64] سلطان جی فرماتے ہیں کہ جب وہ یہ تمام باتیں کہہ چکا تو میں اس کیلئے کچھ کھانا لے کر آیا لیکن اس نے ذرا سا بھی نہ کھایا۔ میں نے اسی وقت نیت کی کہ اب میں یہاں سے کہیں نہ جاؤں گا۔ جب میں نے یہ نیت کر لی تو اس وقت اس نے کھانے میں سے کچھ کھایا اور چلا گیا۔ پھر میں نے اس نوجوان کو کبھی نہیں دیکھا۔ جب آپ نے یہ فیصلہ کیا تو آپ کی عمر لگ بھگ پچاس برس کی تھی۔ یہاں سے آپ کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔[64]

باب:3

سلطان جی مسندِ ارشاد پر

حضرت بابا صاحب سے بیعت ہونے کے بعد سے پچاس سال کی عمر تک یعنی تیس برس سلطان جی مجاہدوں اور ریاضتوں میں مشغول رہے اور خلق سے بے تعلق رہے۔ پھر اشارۂ غیبی سے آپ مسند ارشاد پر بیٹھے اور ارشاد واصلاح کا دروازہ ہر خاص وعام کیلئے کھول دیا۔ تیس برس کے طویل عرصہ تک آپ نے رشد وہدایت کا بازار گرم رکھا جس کے انقلابی اثرات نہ صرف دہلی بلکہ سارے ہندوستان کے اسلامی معاشرہ پر پڑے۔ اس باب میں سلطان جی کی حیاتِ مبارکہ کے دوسرے دور کا، جسے ایک انقلابی اور عہد ساز دور کہنا چاہیے، جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

معمولات:

حضرت بابا صاحب نے جب سلطان جی کو بیعت سے مشرف فرمایا تو انہیں نصیحت فرماتے ہوئے کہا کہ جب تم دہلی جاؤ تو مجاہدے کرنا۔ بیکار بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ روزہ رکھنا نصف دین ہے اور دوسرے اعمال جیسے نماز وحج نصف دین ہیں۔ سلطان جی اپنے پیر ومرشد کی اس نصیحت پر زندگی بھر عمل پیرا رہے۔ انہوں نے صوم دوام، اطاعت وعبادت، ذکر وفکر اور مراقبہ ومشاہدہ کو اپنی زندگی کا معمول بنالیا۔ صحابہ کرام اور تابعین وتبع تابعین کی ایک بڑی جماعت صوم دوام پر عامل تھی۔ ان میں حضرت عائشہؓ، حضرت ابوطلحہؓ، حضرت عروہؓ، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت ثابت البنانی، حضرت وکیع بن الجراح، حضرت ابوعثمان نہدی، حضرت داؤد بن ابی ہند، امام ہشام بن حسان ازدی، امام شعبہ بن حجاج، حضرت احمد بن حنبل اور حضرت سلیمان تیمی شامل ہیں۔ اسی طرح متقدمین صوفیاء کرام کی اکثریت صوم دوام رکھتی تھی۔

جب سحری کا وقت ہوتا تو سلطان کے خادم خواجہ مبشر آتے اور آپ کے دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹاتے۔ کھانا آپ کے سامنے رکھا جاتا۔ آپ اس میں سے تھوڑا سا تناول کر کے باقی کیلئے

فرماتے کہ چھوٹوں کیلئے رکھ دو۔ حضرت کے خادم خواجہ عبدالرحیم کا بیان ہے کہ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ سلطان جی سحری بالکل نہ کھاتے۔ میں عرض کرتا کہ مخدوم! آپ افطار میں بھی بہت کم کھاتے ہیں اگر سحری کے وقت بھی کچھ نہ کھائیں گے تو ضعف زیادہ ہو جائے گا۔ یہ سن کر آپ آبدیدہ ہو جاتے اور فرماتے: کتنے مسکین اور درویش مسجدوں کے کونوں میں بھوکے اور فاقے سے سو رہے ہیں۔ یہ کھانا میرے حلق میں کیسے اتر سکتا ہے۔ چنانچہ کھانا اسی طرح اٹھا لیا جاتا۔[1] سحری کے بعد آپ نیچے تشریف لاتے اور خواجہ سید محمد (حضرت بابا صاحب کے نواسہ) کی امامت میں فجر کی نماز پڑھتے تھے۔ خواجہ سید محمد حافظ قرآن تھے اور ان کی آواز میں بلا کا سوز و گداز تھا۔ ان کی قرات سے سلطان جی پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ نماز کے بعد متعدد بار آپ نے خواجہ سید محمد کو اپنا لباس خاص مرحمت فرمایا۔ نماز فجر کے بعد آپ بالا خانہ تشریف لے جاتے اور قرآن کریم کا ایک پارہ تلاوت فرماتے اور پھر ذکر و مراقبہ میں مشغول ہو جاتے۔ اس وقت آپ پر شدت سے گریہ طاری ہوتا پھر اشراق اور چاشت کی نمازیں پڑھ کر آپ نیچے جماعت خانہ میں تشریف لاتے۔ آپ سجادہ پر قبلہ رو ہو کر بیٹھتے اور شغل باطنی میں یہ کیفیت ہوتی کہ گویا اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہیں اور اسے دیکھ رہے ہیں۔ ہر قسم کے لوگ، چھوٹے بڑے، عالم و جاہل آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ ہر آنے والے سے نرمی اور شفقت کے ساتھ گفتگو فرماتے۔ ان کی خیریت پوچھتے اور ان کی ضرورتیں پوری کرتے۔ بظاہر سلطان جی لوگوں کے درمیان ہوتے لیکن باطناً پورے طور پر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ اعمال میں افضل ترین عمل کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا سر یعنی بظاہر مجلس میں ہونا اور باطن میں مشغول حق ہونا۔[2] حضرت بابا صاحب کے حکم کے مطابق آپ نے بیعت ہونے کے بعد قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔

جماعت خانہ کی عمارت تین منزلہ تھی۔ آپ جس حجرہ میں قیام فرماتے تھے وہ تیسری منزل پر تھا۔ آپ ہر نماز کیلئے بالا خانے سے نیچے مسجد میں تشریف لاتے اور نماز باجماعت ادا فرماتے۔ نماز ظہر سے فارغ ہو کر آپ سورہ نوح کی تلاوت فرماتے۔ اس کے بعد وہ عزیز جو آپ کی قدم بوسی کیلئے حاضر ہوتے سلطان جی ان کو بلواتے اپنے پاس بٹھاتے اور ان کی طریقہ عبادت و سلوک اور محبت حق میں رہنمائی فرماتے۔ بڑے بڑے علماء اور عابد و زاہد جو آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے ان میں سے کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ سر اٹھا کر آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھ سکے اور علم لدنی کی بناء پر ایسا جواب شافی عطا فرماتے کہ وہ آپ کے حسن تقریر سے متاثر ہو کر حیرت میں پڑ جاتے تھے اور آپس میں کہتے تھے کہ آپ کا یہ جواب کتابی نہیں ہے۔ اس کی بنیاد الہام ربانی اور علم لدنی پر ہے۔

Marfat.com

اس وجہ سے شہر کے بڑے بڑے عالم جو اہل تصوف سے تعصب اور عناد رکھنے میں مشہور تھے آپ کے اسیر ہو گئے تھے۔ انہوں نے سروری کے سودائے خاک کو اپنے سر سے نکال دیا تھا اور آپ کے آستانہ پر سر جھکائے ہوئے تھے۔[3]

دو پہر میں سلطان جی بالا خانے پر تشریف لے جاتے اور تھوڑی دیر کیلئے قیلولہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ قیلولہ میں تھے کہ ایک درویش آیا۔ لنگر خانہ میں کچھ تیار نہیں تھا اس لیے اس کو یوں ہی واپس کر دیا گیا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو اخی مبارک کو بلایا اور دریافت کیا کہ کوئی آیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ ایک درویش آیا تھا جسے یوں ہی لوٹا دیا گیا کیونکہ لنگر خانہ میں کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی۔ سلطان جی نے فرمایا کہ میں نے ابھی حضرت بابا صاحب کو خواب میں دیکھا کہ آپ ناراض ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ چاہے کچھ بھی ہو آنے والے کے ساتھ تواضع سے پیش آنا چاہیے۔ پھر سلطان جی نے حکم دیا کہ میں خواہ قیلولہ میں ہوں لیکن کوئی حاجت مند آئے تو مجھے فوراً خبر دی جائے۔ چنانچہ جب بھی آپ قیلولہ سے فارغ ہوتے تو دریافت فرماتے کہ کوئی آیا تھا یا نہیں۔[4] نماز عصر پڑھنے کیلئے آپ جماعت خانہ کی مسجد میں تشریف لاتے اور نماز کے بعد سورہ فتح پڑھتے۔ عصر کی نماز کے بعد مغرب تک بے تکلف محفل ہوتی تھی۔ سلطان جی ہر آدمی سے اس کے مذاق اور علم کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ نماز مغرب کے بعد آپ سورہ واقعہ تلاوت فرماتے۔ اس کے بعد دستر خوان لگایا جاتا۔ پہلے خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ دستر خوان کی دعا پڑھتے۔ اس دوران سلطان جی سورہ واقعہ تلاوت فرماتے۔ حضرت ایک آدھ روٹی سبزی سے کھاتے تھے۔ زیادہ تر کریلے آپ کو پسند تھے۔ کبھی کبھی خشکہ تناول فرماتے۔ آپ کو پان پسند تھے۔ کھانے کے بعد گلوریاں پیش کی جاتیں۔ جب آپ دستر خوان پر رہتے تو دوسروں کو کھلا کر خوش ہوتے اور جس پر شفقت فرماتے اس کو اپنی رکابی میں سے خاص نوالہ عطا فرماتے۔ افطار کے بعد آپ بالا خانے میں تشریف لے جاتے۔ وہ مرید و معتقد اور عزیز جو شہر اور اطراف شہر سے آپ کی ملاقات کیلئے آتے انہیں مغرب کے بعد اوپر بلایا جاتا۔ تھوری دیر وہ آپ کی مجلس کی سعادت اور شرف دیدار سے مشرف ہوتے۔ اس مجلس میں خشک اور تر میوے اور کھانے پینے کی لطیف ولذیذ چیزیں پیش کی جاتیں۔ حاضرین مجلس تناول کرتے اور آپ ان سب کی خاطر و مدارات فرماتے۔

نماز عشاء کیلئے آپ بالا خانے سے نیچے تشریف لاتے اور نماز سے فارغ ہو کر پھر اپنے حجرہ میں چلے جاتے۔ نماز کے بعد سورہ تبارک الذی اور ہزار مرتبہ درود شریف اور ہزار مرتبہ سورہ اخلاص پڑھتے تھے۔ اس کے بعد کچھ دیر اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ پھر آپ آرام فرمانے

کیلئے چارپائی پر بیٹھتے۔ اس وقت تسبیح لائی جاتی اور آپ کے ہاتھ میں دی جاتی۔ اس وقت سوائے امیر خسرو کے کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ کے پاس جائے۔ امیر خسرو ہر قسم کے قصے اور خبریں آپ کو سناتے۔ حضرت کبھی کبھی خود پوچھتے کہ ترک کیا خبریں ہیں؟ جب امیر خسرو اور چھوٹے عزیز وغیرہ قدم بوسی کی سعادت حاصل کر کے باہر واپس آ جاتے تو خواجہ اقبال آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے وضو کیلئے پانی کے چند لوٹے بھر کر رکھ دیتے اور واپس چلے جاتے۔ اس کے بعد سلطان جی خود اٹھ کر دروازہ کی کنڈی لگا دیتے۔ اس وقت سوائے خدا کے کوئی دوسرا آپ کے پاس نہ ہوتا۔[5] سلطان جی کو یہ قطعہ بہت پسند تھا کیونکہ اس میں آپ کے اپنے حال کا بیان تھا:

تنہا منم و شب و چراغ
مونس شدہ تاپگاہ روزم
کاہش ز آہ سرد بکشم
گاہ از تف سینہ برفروزم

یہ شعر سلطان جی کی زبان پر آتا تھا:

عشقے کہ ز تو دارم اے شمع چگل
دل داند و من دانم و داند دل من

باوجود اس قدر اطاعت وعبادت اور ریاضت ومجاہدہ کے آپ کے جسم مبارک سے کوئی کمزوری ظاہر نہ ہوتی تھی اور شکل وصورت میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ چار پانچ سو نوافل اور اس قدر کثیر تعداد میں تسبیحات پڑھتے ہیں مگر آپ کی ساری عمر عزیز باطنی مشاغل میں اور شکستہ دلوں کی چارہ جوئی میں صرف ہوئی جس کو حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔[6]

سلطان جی جمعہ کی نماز جامع مسجد کیلوکھڑی میں ادا فرماتے تھے۔ مہینہ میں ایک بار آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر حاضری دیا کرتے تھے اور کبھی کبھی تمام رات مزار کے پائیں مراقبہ میں بیٹھے رہتے تھے۔

ذوق سماع:

سلطان جی سماع کا پاکیزہ اور لطیف ذوق رکھتے تھے یہاں اس بات کی وضاحت ضروری

Marfat.com

ہے کہ مشائخ متقدمین اور خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے نزدیک سماع کا مفہوم یہ ہے کہ معرفت اور حقائق سے لبریز اشعار مزامیر کے بغیر اور اہل دل کی مجلس میں سنے جائیں۔ صحیح بخاری، سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی میں مروی ہے کہ حضرت حسان بن ثابت مسجد نبوی میں منبر پر بیٹھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منقبت میں اشعار پڑھتے تھے اور آپ ان کے حق میں دعا فرمایا کرتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ان من الشعر حکمتہ [7] (بعض اشعار حکمت ودانائی سے لبریز ہوتے ہیں)۔ حضرت سری سقطی، حضرت ذوالنون مصری اور حضرت جنید بغدادی جیسے سرخیل صوفیاء سماع سنتے تھے۔ [8] حضرت بابا صاحب فرماتے تھے کہ سماع سننے والوں کے دلوں میں حرکت پیدا کرتا ہے اور مشتاقوں کے سینہ میں محبت کی آگ کو روشن کرتا ہے۔ [9] سلطان جی فرماتے ہیں کہ اصحاب طریقت اور مشتاقوں کا یہ ذوق ہی تو ہے جو آگ لگاتا ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو زندگی کیا ہوتی اور زندگی میں مزہ کیا ہوتا۔ [10] آپ فرماتے ہیں کہ سماع مشائخ نے سنا ہے جو اس کام کے اہل ہیں اور صاحب ذوق اور اہل درد ہیں۔ ان پر کہنے والے سے ایک شعر سن کر ہی ذوق اور رقت طاری ہو جاتی ہے خواہ مزامیر ہوں یا نہ ہوں لیکن جو عالم ذوق سے بے خبر ہیں اگر ان کے سامنے قوال ہوں اور ہر قسم کے مزامیر بھی ہوں تو بے فائدہ ہیں جب تک کہ وہ اہل درد نہ ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سماع کا تعلق درد سے ہے مزامیر وغیرہ سے نہیں۔ [11]

سلطان جی کی عادت تھی کہ اگر سماع سننے کا ارادہ فرماتے تو دو روز پہلے کھانا کم کرتے۔ نماز اشراق کے بعد مجلس سماع منعقد ہوتی اور آپ صدر نشین ہوتے۔ جب دوپہر کا کھانا ہو جاتا تو دو خوش گو قوال جو آپ کی خدمت میں رہا کرتے تھے باری باری اشعار پڑھتے۔ حسن پیہدی کے اشعار پڑھنے کا انداز عاشقوں کے دل میں آگ لگا دیتا تھا اور سنگ دل سے سنگ دل انسان بھی اپنی جگہ سے ہل جاتے تھے۔ دوسرا صامت قوال تھا جو فن موسیقی میں مہارت رکھتا تھا۔ سلطان جی پر بعض دفعہ اس قدر گریہ غالب ہوتا کہ تین چار گز کا رومال آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔ گریہ کے وقت آپ کے چہرہ مبارک پر کوئی تغیر ظاہر نہیں ہوتا تھا جیسا کہ عام لوگوں کے چہرہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ نہ آپ نعرہ لگاتے نہ آہ بھرتے۔ بس ٹھنڈی سانس بھرتے جب آپ گریہ کناں ڈولہ میں سوار ہوتے تو عجیب سماں ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں جس لہجہ یا شعر سے حضرت پر سماع کا اثر ہوتا تھا وہ لہجہ اور شعر طویل مدت تک لوگوں میں مشہور ہو جاتا۔ چھوٹے اور بڑے، شریف اور رذیل مختلف مجمعوں، جگہوں، محفلوں اور گلی کوچوں میں سلطان جی کے طفیل اس لہجے اور شعر سے لذت ذوق حاصل کرتے تھے۔ [12] ایک دفعہ سید حسین کے گھر چہار ستون میں مجلس سماع تھی۔ اس مجلس میں

Marfat.com

سلطان جی بھی تشریف فرما تھے۔ایک قوال نے مولانا وجیہ الدین کی کہی ہوئی جگری نہایت رقت انگیز لہجہ میں پڑھی:

بینا بن بھا جی ایسا سکھ سین باسوں

سلطان جی پر اس ہندی جگری نے اثر کیا اور آپ پر گریہ وحال غالب ہوا۔[13] ایک بار رہٹ پر بیل چلاتے ہوئے ایک آدمی کہہ رہا تھا باہری ہو باہر۔ حضرت پر یہ سن کر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔[14]

خانقاہ:

خانقاہ یا جماعت خانہ کیلئے ادبیات تصوف میں رباط اور زاویہ کے الفاظ مستعمل ہیں۔ رباط کے لغوی معنی اس جگہ کے ہیں جہاں سواری کے گھوڑے باندھے جاتے ہیں۔ بعد میں اس لفظ کو ان سرحدوں کیلئے استعمال کیا جانے لگا جو مملکت اسلامیہ کو کفار کے علاقوں سے ممیز کرتی تھیں۔ خطرہ کے موقع پر یہ مقامات لوگوں کیلئے جائے پناہ بن جاتے تھے۔ جہاد اور سرحدوں کی پاسبانی کیلئے رباط کلیدی اہمیت رکھتے تھے۔ بعد کے زمانہ میں صوفیوں کی خانقاہ کیلئے یہ لفظ استعمال ہونے لگا۔ لفظ خانقاہ دراصل خان گاہ سے نکلا ہے۔ صوفیوں کی خانقاہوں میں ہمیں اصحاب صفہ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ خانقاہ یا جماعت خانہ کا ڈھانچہ ان بنیادوں پر استوار ہوتا ہے جو اہل تصوف کے امتیازی اوصاف ہیں یعنی اخلاص، حسن خلق، اصلاح نفس اور باہمی الفت ومحبت۔ خانقاہ کی حیثیت ایک متبادل سماجی ڈھانچہ کی ہوتی ہے جس کے اصول اور اقدار مروجہ سماجی اصولوں سے الگ ہوتے ہیں۔ خانقاہ کے لوگوں کے ارادے اور عزائم یکساں ہوتے ہیں۔ ان کے احوال میں ہم رنگی ہوتی ہے، وہ شیخ کی نگرانی میں سلوک کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ تمام صوفیاء اور سالکین طریقت کیلئے لازمی فریضہ ہے کہ وہ جمعیت خاطر کی حفاظت کریں۔ دلوں میں پراگندگی پیدا نہ ہونے دیں اور قلبی وروحانی اتحاد سے اس پراگندگی کا ازالہ کریں۔ اخلاقی وروحانی استعداد کو بڑھانے کیلئے صحبت اور موزوں ماحول شرط ہے۔ رذائل اخلاق کی اصلاح اور اچھے اخلاق کی آبیاری کیلئے خانقاہ ایک مثبت اور صحت مند ماحول فراہم کرتا ہے۔[15]

غیاث پور میں سلطان جی کے مرید ضیاء الدین وکیل نے ایک کشادہ عمارت بنوادی تھی جو جماعت خانہ کا کام دیتی تھی۔ یہ عمارت مقبرہ ہمایوں کے پیچھے ہے اور اب شکستہ حالت میں ہے۔ خانقاہ یا جماعت خانہ میں مسافروں اور مریدوں کیلئے بستر اور کمبل وغیرہ کا انتظام رہتا تھا۔ کچھ

Marfat.com

کمرے گودام کا کام دیتے تھے جن میں اشیائے خوردنی رکھی جاتی تھیں۔ آنے جانے والوں کیلئے عام لنگر تھا۔ لوگ جو تحفے تحائف آپ کی خدمت میں لے کر آتے وہ آنے جانے والوں میں تقسیم کر دیئے جاتے۔ خانقاہ میں ہر ایک کے ذمہ کام مقرر تھا۔ شیخ زادہ کمال الدین مطبخ میں دیگچیاں دھوتے تھے۔ خواجہ عبدالرحیم سلطان جی کو سحری پہنچایا کرتے تھے۔ خواجہ اقبال جماعت خانہ کے مہتمم تھے۔ مطبخ کے نگراں مولانا برہان الدین غریب تھے۔

فتوح:

بلاخواہش یا طلب کے جو ہدیہ صوفیاء کرام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اسے اصطلاح میں فتوح کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل کا واقعہ بڑا بصیرت افروز ہے۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ امام صاحب شارع باب الشام کی طرف گئے کہ وہاں سے آٹا خریدیں۔ انہوں نے وہاں سے آٹا خریدا۔ اس وقت کوئی قلی یا حمال وہاں موجود نہ تھا۔ آخر کار ایوب نامی حمال اتفاق سے مل گیا۔ امام صاحب وہ آٹا اٹھوا کر گھر لائے اور ایوب حمال کو اجرت دی۔ امام صاحب جب اجرت دے کر گھر واپس ہوئے تو دیکھا کہ گھر والوں نے تمام آٹے کی روٹیاں پکا لیں ہیں چونکہ روٹیاں بہت زیادہ ہوگئی تھیں اس لیے سکھانے کی خاطر تخت پر پھیلا دی تھیں۔ ایوب حمال نے انہیں دیکھ لیا تھا۔ ایوب ہمیشہ روزہ سے رہا کرتے تھے۔ امام صاحب نے اپنے فرزند صالح سے کہا کہ تم ایوب کو کچھ روٹیاں دے آؤ۔ صالح نے ایوب کو دو روٹیاں دینی چاہئیں مگر انہوں نے واپس کر دیں۔ امام صاحب نے کہا کہ انہیں یہاں رکھ دو جب کچھ دیر گزر گئی تو امام صاحب نے ان کو روٹیاں دیں تو انہوں نے لے لیں۔ صالح تعجب کرتے ہوئے گھر واپس آئے۔ امام صاحب نے ان سے فرمایا کہ تم پہلی بار روٹیاں واپس کرنے اور دوبارہ لینے پر حیران ہو؟ انہوں نے کہا ہاں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ ایوب ایک نیک اور صالح آدمی ہے۔ پہلی بار جب انہوں نے روٹیوں کو دیکھا تو ان کے نفس میں خواہش پیدا ہوئی چنانچہ جب ان کو روٹیاں دی گئیں تو انہوں نے واپس کر دیں (صوفیہ کے نزدیک اسے اشراف کا کھانا کہتے ہیں)۔ جب وہ مایوس ہو گئے تو دوبارہ ہم نے ان کو روٹیاں بھیجیں اور انہوں نے اس کو فتوح سمجھ کر قبول کر لیا۔[16]

حضرت بابا صاحب نے سلطان جی سے ایک بار کہا تھا کہ میں نے تمہارے لیے تھوڑی سی دنیا بھی مانگ لی ہے۔[17] پچاس برس کی عمر تک سلطان جی کی زندگی فقر و فاقہ میں گزری۔ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بدایوں سے دہلی آ رہا تھا۔ راستہ میں ایک شخص جو سیاہ گودڑی پہنے ہوئے تھا

Marfat.com

اور میلی سی پگڑی باندھے ہوئے تھا مستوں کی طرح ان کی طرف آیا۔ اس نے سلطان جی کو سلام کیا پھر وہ ان سے بغل گیر ہوا اور اپنا سینہ ان کے سینے سے لگایا اور سونگھنے لگا۔ پھر سلطان جی سے آنکھ سے آنکھ ملا کر کہنے لگا کہ مجھے یہاں سے بوئے مسلمانی آتی ہے۔ اس کے بعد وہ چلا گیا۔ ایک دفعہ کیلوکھڑی سے سلطان جی کے کچھ عقیدت مند ان سے ملاقات کیلئے غیاث پور آ رہے تھے۔ ان میں ایک مولانا عمر بھی تھے۔ وہی شخص سفر میں انہیں ملا اور پوچھنے لگا کہ کہاں جا رہے ہو۔ مولانا نے جواب دیا کہ ہم خواجہ نظام الدین کے پاس جا رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ اس مسکین کے پاس کیا رکھا ہے۔ یہ بارہ جتیل اس کو دے دینا۔ اس دن کے بعد سے فتوح آنی شروع ہو گئیں۔ [18]

فتوح کے بارے میں سلطان جی کا اصول یہ تھا کہ لا رد و لا کد و لا حد یعنی اگر کوئی شخص کچھ پیش کرے تو اسے رد نہ کرو اگر کوئی کچھ نہ لائے تو اس سے کد نہ رکھو اور تعین کر کے کوئی چیز قبول نہ کرو۔ فتوح کا انتظام خواجہ اقبال کے سپرد تھا۔ جب فتوح زیادہ آ جاتی تو سلطان جی کے گریہ میں اضافہ ہو جاتا اور آپ حکم دیتے کہ جلد تقسیم کر دی جائے اور جمع کر کے رکھی نہ جائے۔ بار بار کسی کو بھیجتے رہتے کہ دیکھ کر آؤ کہ وہ فتوحات تقسیم ہو گئیں یا نہیں۔ جب آپ کو معلوم ہو جاتا کہ وہ سب محتاجوں میں تقسیم ہو گئی ہیں تو آپ مطمئن نظر آتے۔ فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آپ کے دروازے کے سامنے سے بہتا تھا۔ صبح سے شام تک لوگ آتے جاتے رہتے مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے۔ ہر ہفتہ گودام اور انبار خانے خالی کیے جاتے۔ جمعہ کو جھاڑو دے دی جاتی اور اس کے بعد آپ نماز کیلئے جامع مسجد تشریف لے جاتے۔ [19]

ایک دفعہ سلطان جی کے چند مرید آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک نے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے مختلف قسم کی مٹھائیاں خریدیں۔ ان میں ایک مولوی صاحب بھی تھے جو حضرت سے بیعت نہ تھے۔ انہوں نے تھوری سی خاک راستہ میں سے اٹھائی اور ایک پڑیا میں باندھ لی۔ جب یہ لوگ سلطان جی کے پاس پہنچے تو ہر ایک نے اپنا تحفہ آپ کے سامنے رکھا۔ ان مولوی صاحب نے بھی پڑیا سامنے رکھی۔ آپ کے خادم نے وہ تحائف اٹھانے شروع کیے۔ اس نے چاہا کہ وہ کاغذ کی پڑیا بھی اٹھا لے کہ سلطان جی نے اس سے فرمایا کہ اس پڑیا کو وہیں رہنے دو کہ یہ خاص ہماری آنکھوں کیلئے سرمہ ہے۔ وہ مولوی صاحب شرمندہ ہوئے اور تائب ہو کر سلطان جی کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ سلطان جی نے انہیں خلعت خاص سے سرفراز کیا اور ان سے فرمایا کہ اگر تمہیں وظیفہ یا روٹی کی ضرورت ہو تو ہم سے کہو۔ [20]

سلطان جی سلاطین و امراء سے تحفے اور نذرانے قبول نہیں کرتے تھے۔ کسی امیر نے ایک

دفعہ دو باغوں اور بہت سی زمین اور اس سے متعلق اسباب و آلات کا قبالہ سلطان جی کی خدمت میں بھجوایا اور اپنے اخلاص کا اظہار کیا۔ حضرت نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ کیا میں باغ، کھیتی اور زمین کا مالک بن کر رہ جاؤں۔ پھر آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ اگر میں اس طرح کی چیزیں قبول کروں تو لوگ کیا کہیں گے یہی کہ شیخ باغ میں جاتے ہیں اور شیخ کھیت اور زمین کی سیر کو جاتے ہیں۔ بھلا میرے کام کو ان چیزوں سے کیا مناسبت۔ پھر آپ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ ہمارے خواجگان اور مشائخ میں سے کسی نے جائیدادیں قبول نہیں فرمائیں۔[21] اگر بادشاہ اور شہزادے حضرت کے دروازے پر آتے اور فتوحات لاتے اور ان کی آمد کی خبر آپ کے کانوں تک پہنچتی تو آپ ٹھنڈی آہ بھرتے اور فرماتے کہ یہ لوگ درویش کا وقت غارت کرنے کیلئے کہاں آ رہے ہیں۔[22] قطب الدین مبارک خلجی سلطان جی سے عداوت اور حسد رکھتا تھا۔ اس سے کسی بدخواہ نے کہا کہ سلطان جی آپ کے بھیجے ہوئے نذرانے قبول نہیں کرتے مگر سرداروں اور ملازمین حکومت کے لائے ہوئے تحفے قبول کر لیتے ہیں۔ آخر وہ سب بھی آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں۔ بادشاہ نے یہ سن کر حکم دیا کہ کوئی امیر یا سردار آپ کے یہاں نہ جائے اور نذرانے وغیرہ پیش نہ کرے۔ دیکھیں اس قدر دعوت وہ لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں اور اس نے جاسوس مقرر کیے کہ دیکھتے رہیں جو امیر وہاں جائے اسے اطلاع کی جائے۔ یہ بات جب سلطان جی کو معلوم ہوئی تو آپ نے خواجہ اقبال کو بلایا اور فرمایا کہ کھانا جتنا پکتا ہے اس سے دوگنا کر دیا جائے۔ کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ خانقاہ کا کیا حال ہے۔ لوگوں نے کہا کہ جس قدر پہلے پکتا تھا اب اس سے دوگنا پکتا ہے۔ بادشاہ یہ سن کر حیران رہ گیا۔[23]

حسن خلق:

حسن خلق کی تصوف میں اور بالخصوص سلسلہ چشتیہ میں کلیدی اہمیت ہے۔ حضرت ابوالحسن کا ارشاد ہے کہ لیس التصوف رسوما ولا علوما ولکنه اخلاق (رسم و علم کا نام تصوف نہیں بلکہ وصف اخلاق کا نام ہے)۔ حضرت مرتعش فرماتے ہیں التصوف حسن الخلق[24] (نیک خصائل کا نام تصوف ہے)۔ نیک خصائل میں یہ صفات شامل ہیں: عفو و درگزر، تواضع اور انکساری، حق تعالیٰ کی رضا کی خاطر خلق کی جفا و قفا برداشت کرنا، خلق خدا پر شفقت اور داد و دہش۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی سیرت اور ان کی تعلیمات و ملفوظات میں یہ خصائل بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

سلطان جی کی مجلس میں ایک دفعہ ایک جوالقی (ملنگ) آیا اور نامناسب باتیں کرنے لگا جو اس مجلس میں نہیں کرنی چاہیے تھیں۔ آپ نے کچھ نہیں کہا اور اس کی جو توقع تھی اس کو پورا کیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد حاضرین سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ ایسی باتیں بھی ہونی چاہئیں۔ بہت سے لوگ آتے ہیں اور سر قدموں میں رکھتے ہیں اور نذر لاتے ہیں۔ پس اس طرح کے لوگ بھی آنے چاہئیں کہ آ کر بے باکی سے جو چاہیں کہہ ڈالیں۔ اس طرح یہ چیزیں ان چیزوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں۔ فرمایا کہ ایک دفعہ ان ہی اول فول بکنے والوں میں سے ایک شخص آیا اور بہت کچھ برا بھلا کہا۔ میں نے کچھ جواب نہ دیا۔ بولا کہ تا جہاں باد جرم ما باد و احتمال شما[25] (جب تک دینار ہے ہمارا جرم اور آپ کا صبر و تحمل باقی رہے)۔ ایک دفعہ ایک شخص نے سلطان جی سے عرض کیا کہ بعض لوگ بر سر منبر اور اور دوسری جگہ بھی حضرت کی بدگوئی کرتے رہتے ہیں اور ہم سے سنا نہیں جاتا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کر دیا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ عداوت اور دشمنی میں مشغول ہوتے ہیں۔ جو بھی برا کہتا ہے میں نے اسے معاف کر دیا۔ تم کو بھی چاہیے کہ معاف کر دو اور اس شخص سے دشمنی نہ رکھو۔ ایک شخص اندر پت میں چھجو نام کا تھا۔ وہ حضرت کا مخالف تھا اور آپ کی بدگوئی کیا کرتا تھا۔ جب اس کا انتقال ہو گیا اور آپ کو اس کے انتقال کی خبر ملی تو جنازہ میں شرکت کرنے کیلئے تشریف لے گئے اور دفن کے بعد اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ یا اللہ میں نے اس کو معاف کر دیا ہے تو بھی اس سے درگزر کیجیو اور میرے سبب سے اس پر عذاب نہ کیجیو۔[26] ایک دفعہ ایک شخص کو جماعت خانہ میں چھری کے ساتھ پکڑا گیا۔ حضرت کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس بات سے منع فرمایا کہ اس کو سزا دی جائے۔ اس کو اپنے سامنے بلوایا اور فرمایا کہ خدا کے سامنے عہد کرو کہ کسی مسلمان کو دھوکہ نہیں دو گے۔ اس نے عہد کیا۔ حضرت نے اسے چھوڑ دیا اور خرچ بھی دیا۔[27]

سلطان جی کے مزاج میں غایت درجہ تواضع اور انکسار تھا۔ ایک دفعہ آپ پلنگ پر تشریف فرما تھے۔ حاضرین سے معذرت فرمائی اور کہا کہ مجھے ذرا پیر کی تکلیف ہے۔ اسی سبب سے چار پائی پر بیٹھا ہوں۔ آپ لوگ برا نہ مانئے گا۔[28] آپ نے ایک دردمند دل پایا تھا۔ آپ کے پاس سماج کے ہر طبقہ کے لوگ بالخصوص غرباء اور مفلوک الحال لوگ آیا کرتے اور اپنی بپتا سناتے۔ خواجہ عزیز الدین نام کے ایک بزرگ حضرت بابا صاحب کے مرید تھے۔ وہ ایک بار شہر میں کسی دعوت میں گئے اور عصر کے وقت واپسی ہوئی۔ سلطان جی کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ کہاں رہے۔ کہنے لگے کہ ایک جگہ دعوت میں گیا تھا وہاں کچھ باتیں چھڑ گئیں۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ

Marfat.com

حضرت نظام الدین کے باطنی فراغ کو دیکھ کر رشک آتا ہے۔ انہیں اس دنیا کا کوئی غم نہیں۔ حضرت نے سنا تو آبدیدہ ہو گئے۔ فرمانے لگے۔

آں قدر غم واندوہ کہ مراست ہیچ کس را در ین جہان نیست زیرا کہ چندین خلق می آئند و غم واندوہ خویش می گویند ہمہ بر دل و جان می نشیند۔[29]

(مجھے جتنا غم واندوہ ہے اتنا تو اس دنیا میں کسی کو بھی نہ ہوگا کیونکہ اللہ کی اتنی مخلوق میرے پاس آتی ہے اور اپنی بپتا مجھے سناتی ہے وہ سب میرے دل و جان میں پیوست ہو جاتی ہے)۔

دہلی میں جب کسی مہم پر شاہی لشکر کو روانہ کیا جاتا تو ہزاروں لوگ رخصت ہونے سے پہلے سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے دعا کی درخواست کرتے۔ سلطان جی فرماتے تھے کہ آدمی کو چاہیے کہ دو کاموں میں مشغول ہو۔ ایک تو یہ کہ جو چیز انسان کو حق تعالیٰ سے دور رکھتی ہے اسے اپنے سے دور کرے۔ دوسرے یہ کہ دلوں کو راحت پہنچائے۔ جو ان دو صفتوں کو اختیار کرتا ہے اسے ابدی راحت ملتی ہے۔[30] ایک دن سلطان جی نے دیکھا کہ جمنا کے کنارے ایک عورت کنویں سے پانی نکال کر لے جا رہی ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کنویں سے پانی نکالنے کی زحمت کیوں کرتی ہے۔ جمنا کا پانی کیوں نہیں پیتی۔ اس نے جواب دیا میرا شوہر بہت غریب آدمی ہے۔ ہمارے پاس کھانے کو بہت کم ہوتا ہے۔ جمنا کا پانی پینے سے بھوک زیادہ لگتی ہے اس لیے کنویں کا پانی لے جاتی ہوں تا کہ بھوک کم لگی۔ سلطان جی یہ سن کر آبدیدہ ہو گئے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کتنی رقم تیرے خرچ کیلئے کافی ہے۔ پھر آپ نے خواجہ اقبال سے فرمایا کہ اس عورت سے کہو کہ اتنی رقم ہر ماہ ہمارے یہاں سے لے جایا کرے اور جمنا کا پانی پیا کرے۔[31] ایک دفعہ غیاث پور میں آگ لگ گئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ سلطان جی جماعت خانہ کی چھت پر دھوپ میں کھڑے ہوئے بہت دیر تک دیکھتے رہے۔ جب آگ بجھ گئی تو خواجہ اقبال کو بلایا اور فرمایا کہ جتنے گھر جلے ہیں ہر گھر میں چاندی کے دو تنکے، دو خوان کھانا اور ایک مٹکا ٹھنڈا پانی پہنچا دو۔ خواجہ اقبال نے ایسا ہی کیا۔ اس زمانہ میں اتنی رقم دوبارہ چھپر ڈالنے کیلئے کافی تھی۔ خواجہ اقبال جب کھانے کا خوان اور نقد رقم لے کر گاؤں میں پہنچے تو لوگ فرط عقیدت اور جذبات سے مغلوب ہو کر حضرت کے عطیہ کو سر پر رکھ کر رونے لگے۔[32] سلطان جی کی طرف سے غیاث پور اور قرب و جوار کے رہنے والوں کیلئے وظائف مقرر تھے۔ علماء و مشائخ کو بھی آپ کے یہاں سے وظیفہ ملتا تھا۔ عام لوگوں میں سے کسی کو روزینہ، بعضوں کو ہفتہ میں، بعض کو ماہانہ اور بعض کو سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ جو لوگ پاس پڑوس میں رہتے تھے۔ ان کیلئے روزینہ وظیفہ مقرر تھا۔ ہر قسم کے کپڑے

Marfat.com

آنے جانے والوں کو دیئے جاتے تھے۔لوگوں کو پانی کے گھڑے بھی دیئے جاتے تھے۔ [33]

سلطان جی مہینہ میں ایک دفعہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی زیارت کیلئے مہرولی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب آپ وہاں جاتے تو راستہ میں فاحشہ عورتیں بھی خیمہ لگا کر بیٹھتیں۔آپ کسی آدمی کو بھیج کر کہلواتے کہ جاؤ سایہ میں بیٹھو۔حضرت کے یہاں سے سب کیلئے کچھ نہ کچھ وظیفہ مقرر تھا۔قطب صاحب کے عرس کے موقع پر ان لوگوں کیلئے کھانا اور نقد رقم بھیجی جاتی۔ایک دفعہ خواجہ اقبال نے خواجہ ابو کو ایک خوان کھانا اور چاندی کا ایک تنکہ دیا اور کہا کہ فلاں طوائف کو دے آؤ۔خواجہ ابو نے اس کو جا کر دے دیا۔اس نے خواجہ ابو کا دامن پکڑ کر کہا کہ میرا وظیفہ دو خوان کھانا اور چاندی کا دو تنکہ ہے تم نے بیچ میں سے ایک تنکہ لے لیا ہے۔خواجہ ابو خواجہ اقبال کے پاس آئے اور ساری بات سنائی۔سلطان جی نے بالاخانہ سے یہ بات سن لی۔انہوں نے خواجہ اقبال سے پوچھا کہ لالہ کیا بات ہے؟ خواجہ اقبال نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔حضرت نے فرمایا کہ وہ صحیح کہہ رہی ہے۔اس کا وظیفہ دو خوان اور دو تنکہ ہی ہے۔ [34]

قصبہ سرسادہ میں ایک مولوی صاحب تھے۔ان کے گھر میں ایک دفعہ آگ لگ گئی اور ان کی املاک کا فرمان جل گیا۔وہ دہلی آئے اور کافی دنوں تک حاکم کے پاس دوڑے۔بڑی مشکل سے فرمان کی نقل حاصل کی۔سوئے اتفاق سے وہ نقل بھی راستہ میں ان کے ہاتھ سے گر گئی۔بہت پریشان اور مضطرب ہوئے اور سلطان جی کی خانقاہ میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کیا۔حضرت نے فرمایا کہ تم جا کر حضرت بابا صاحب کے فاتحہ کیلئے حلوہ لے آؤ۔انشاءاللہ تمہارا کام ہو جائے گا۔ مولوی صاحب ایک حلوائی کی دکان پر پہنچے اور حلوہ خریدا۔حلوائی نے ایک کاغذ نکالا اور اس میں حلوہ باندھنا چاہا۔مولوی صاحب نے کاغذ کو دیکھا تو یہ وہی فرمان تھا۔فوراً کاغذ اس حلوائی سے لیا اور حلوہ لے کر حضرت کے پاس آئے اور اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ [35]

غیاث پور میں ایک مولوی صاحب رہتے تھے جن کو لوگ مولانا یمنی خطاط کہتے تھے۔ان کا خط اتنا پاکیزہ تھا کہ اس زمانہ کے خوش نویس ان پر رشک کرتے تھے۔وہ سلطان جی کے مرید تھے۔مولانا کی ایک باندی تھی جس کی طرف وہ میلان طبع رکھتے تھے۔کسی شدید ضرورت کی وجہ سے مولانا نے اس باندی کو فروخت کر دیا۔فروخت کرنے کے بعد ان کے میلان طبع نے عشق کی صورت اختیار کر لی۔وہ باندی کے نئے مالک کے پاس گئے اور اس باندی کی دوگنی قیمت دے کر اسے خریدنا چاہا لیکن مالک نے ان کے آثار دیکھ کر اس کے فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔مولانا نے اس باندی کی قیمت اس کی اصل قیمت سے تین گنا بڑھا دی لیکن وہ پھر بھی بیچنے کو راضی نہ ہوا۔

Marfat.com

آخر مولانا کو معلوم ہوا کہ باندی کا مالک سلطان جی کا مرید ہے۔ وہ سمجھے کہ اب درد کا علاج آسانی سے ہو جائے گا۔ مولانا کی حالت دگرگوں ہونے لگی۔ ہر وقت گریہ و نالہ کرنے لگے اور دیوانگی تک نوبت پہنچ گئی۔ وہ ایک دن روتے ہوئے سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا احوال حضرت سے بیان کیا۔ سلطان جی نے فرمایا کہ جس وقت باندی کا مالک میرے پاس آئے تو تم بھی آ جانا۔ مولانا سلطان جی کے اس ارشاد کے بعد ان کے آستانہ ہی پر معتکف ہو گئے۔ ایک روز اس باندی کا مالک سلطان جی کی خدمت میں آیا۔ اس وقت مولانا یمنی بھی آ گئے۔ مولانا نے سر زمین پر رکھا۔ حضرت سلطان جی نے فرمایا کہ مولانا! سر زمین سے اٹھاؤ۔ امید ہے کہ تمہاری آرزو پوری ہو جائے گی۔ پھر انہوں نے باندی کے مالک کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ایک شخص کے پاس ایک باندی تھی۔ اس کو اس باندی سے محبت تھی۔ اس نے باندی کو کسی شدید ضرورت کے تحت فروخت کر دیا۔ باندی کو فروخت کرنے کے بعد اس شخص پر عشق کا غلبہ ہوا۔ وہ آدمی اس باندی کے خریدار کے پاس آیا۔ اس کے سامنے نہایت آہ و زاری کی یہاں تک کہ قیمت بھی بڑھا دی لیکن اس کا نیا مالک اس کے فروخت کرنے پر تیار نہ ہوا۔ جب اس آدمی کو مایوسی ہوئی تو اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، خاک سر پر ڈالی اور بازار میں آ کر یہ نعرہ لگایا کہ اے مسلمانو! اس شخص کی سزا اس سے زیادہ کیا ہو گی جو اپنے محبوب کو دام و درم کی خاطر بیچتا ہے۔ جب سلطان جی یہ حکایت بیان کر چکے تو اس باندی کا مالک اٹھا اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کر کے عرض کی کہ میں نے آپ کے طفیل اس باندی کو مولانا کو بخشا۔ اس کے اس عمل سے سلطان جی خوش ہوئے اور اس کیلئے دعائے خیر کی۔ اس طرح مولانا یمنی اپنی مراد کو پہنچے۔[36]

مریدین و خلفاء کی تربیت:

مولانا عبدالرحمٰن جامی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد واصلین کے دو گروہ ہیں۔ اول گروہ ان مشائخ صوفیاء کا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے شرف سے وصول کا مرتبہ حاصل کیا۔ دوسرے گروہ میں وہ حضرات شامل ہیں جو کامل کے درجے تک تو پہنچ گئے لیکن مخلوق کی طرف رجوع اور دوسروں کی تکمیل ان کی سپرد نہیں کی گئی۔ کامل ولایت کے وصول کے بعد ناقصوں کی تکمیل ان کے سپرد نہیں ہوئی۔[37] خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا شمار پہلے طبقہ میں ہے۔ انہوں نے سینکڑوں مریدین و خلفاء کی تربیت فرمائی۔ ان مریدین و خلفاء میں بڑے بڑے علماء، اہل کمال اور اولیاء اللہ شامل تھے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے سلطان جی کو بجا طور پر

ولی ساز شخصیت کہا ہے۔ ان کے طریقہ تربیت کے تین پہلو قابل توجہ ہیں۔ ان میں سے ایک ان کی تعلیم وتربیت کا ہمہ جہتی پہلو ہے۔ سلطان جی نے اپنے مریدین وخلفاء کی علمی اخلاقی اور روحانی تربیت فرمائی۔ دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ سلطان جی کے انداز تربیت میں مریدین کی استعداد اور مزاج وافتادطبع کی پوری رعایت موجود ہے۔ تیسرا پہلو یہ ہے کہ سلطان جی کے انداز تربیت پر محبت وشفقت کا جذبہ غالب ہے۔ ہم ان پہلوؤں کا قدرے تفصیل کے ساتھ جائزہ لیں گے۔

ایک دفعہ امیر حسن سنجری اپنے عزیزوں میں سے ایک بچہ کو حضرت کی خدمت میں لے گئے۔ دعا کی گزارش کی اور عرض کی کہ وہ اسے قرآن کریم پڑھنے کیلئے بھیج رہے ہیں۔ سلطان جی نے دعائے خیر فرمائی۔ تختی اپنے ہاتھ میں لی اور اس پر بسم اللہ الرحمن الرحیم رب یسر ولا تعسر لکھا اور یہ حروف اپنی زبان مبارک سے تلقین فرمائے۔[38] سلطان جی نے اپنے سب بھانجوں اور بابا فرید کے نواسوں کو، جو آپ کی تربیت میں تھے، قرآن کریم حفظ کروایا۔ مولانا قاسم نے جو سلطان جی کے بھانجے تھے، حضرت کی زیر تربیت قرآن کریم حفظ کیا اور آپ کی خدمت میں رہ کر تمام مروجہ علوم کی تعلیم حاصل کی۔ ہدایہ، بزدوی، کشاف، مشارق الانوار اور مصابیح کے درس کی اجازت حاصل کی۔ عربی وفارسی تفسیروں کا مطالعہ کیا اور ایک تفسیر لطائف کے نام سے لکھی۔[39] خواجہ نوح کو حضرت نے مشارق الانوار خود پڑھائی۔[40] سید خاموش بن سید محمد کرمانی سلطان جی سے خمسہ نظامی پڑھا کرتے تھے۔

قاضی محی الدین کاشانی جو حضرت سے ارادت رکھتے تھے اور علم وفضل میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے، اپنی علمی مشکلات کو سلطان جی سے حل کراتے تھے۔ جب سلطان جی اپنے اعلیٰ مریدوں کو خلافت عطا فرمانے لگے تو سراج الدین عثمان کا نمبر آیا۔ سلطان جی نے فرمایا کہ اس کام میں سب سے پہلے علم شرط ہے۔ جب سلطان جی کی یہ بات مولانا فخر الدین زرادی نے سنی تو کہا کہ میں انہیں چھ مہینہ میں عالم بنا دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے سراج الدین عثمان کو بڑی عمر میں تعلیم دینی شروع کی اور ان کو میزان، تصریف قواعد اور مقدمات وغیرہ پڑھائے۔ سراج الدین عثمان نے مولانا رکن الدین اندرپتی سے کافیہ، مفصل، قدوری اور مجمع البحرین پڑھی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد سلطان جی نے ان کو خلافت نامہ عطا فرمایا۔ انہوں نے بنگال روانہ ہونے سے پہلے وہ خلافت نامہ شیخ نصیر الدین محمود کے ہاتھ اودھ بھجوا دیا اور خود سلطان جی کی خدمت میں رہ کر مزید تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ روانہ ہوتے وقت سلطان جی کے کتب خانہ سے بعض معتبر کتابیں ساتھ لیتے گئے۔[41]

Marfat.com

ایک دن سلطان جی کے اودھ کے اعلیٰ مریدوں نے متفق ہو کر سلطان جی سے تعلیم حاصل کرنے اور بحث کرنے کی اجازت چاہی۔ اگرچہ ان میں ہر ایک متبحر عالم تھا لیکن انہیں سلطان جی نے یاد الٰہی میں مشغول رہنے کا حکم دیا تھا۔ چونکہ عمر کا بڑا حصہ تعلیم و تعلم اور بحث و مباحثہ میں گزرا تھا اس لیے یہ جذبہ اور شوق ان پر غالب تھا۔ آخر انہوں نے مولانا جلال الدین اودھی کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ اس بارے میں حضرتؒ سے عرض کریں۔ جب یہ سب مل کر سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مولانا جلال الدین نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو یہ مرید جو اس وقت حاضر ہیں کسی وقت بحث کر لیا کریں۔ سلطان جی نے نگاہ بصیرت سے تاڑ لیا کہ یہ سوال ان تمام مریدوں کی طرف سے ہے جو اس وقت حاضر ہیں۔ فرمایا میں کیا کروں۔ میرا ان مریدوں سے مقصد ہی دوسرا ہے۔ وہ پیاز کی طرح ہیں جو پوست در پوست ہوتی ہے (اس میں مغز نہیں ہوتا)۔ [42]

اس واقعہ سے سلطان جی کی فراست و بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے کار قیل وقال سے منع فرمایا کرتے تھے۔ [43] حضرت معروف کرخی کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو عمل کا دروازہ بند کر دیتا ہے اور بحث و مجادلہ کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ [44] ایک بزرگ سے مروی ہے کہ انہوں نے خواب میں ایک عالم کی زیارت کی اور ان علوم کے اجر کے بارے میں پوچھا جن میں وہ بحث و مجادلہ کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور اس میں پھونک مار کر فرمایا کہ وہ سب کے سب اڑ کر ختم ہو گئے مجھے صرف ان دو رکعتوں نے فائدہ پہنچایا جن کے پڑھنے کی توفیق مجھے رات کے پچھلے حصہ میں ہوئی۔ [45] حضرت ابو محمد رویم فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ تجھے کلام کرنا اور عمل کرنا دونوں عطا کرے پھر کلام لے لے مگر عمل کو تمہارے پاس رہنے دے تو سمجھ لو کہ یہ اللہ کی نعمت ہے اور جب اللہ تعالیٰ عمل لے لے اور کلام کو رہنے دے تو یہ مصیبت ہو گی اور اگر دونوں لے لے تو یہ عذاب الٰہی ہو گا۔ [46] حضرت حماد بن زید نے فرمایا کہ میں نے حضرت ایوب سختیانی سے عرض کیا کہ آج علم کثرت سے ہے یا پہلے زمانہ میں تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ آج کلام کی کثرت ہے اور گزشتہ زمانہ میں علم کثرت سے تھا۔ [47] متقدمین علماء و مشائخ علم اور کلام میں فرق کیا کرتے تھے۔ کسی عالم سے پوچھا گیا کہ فلاں زیادہ عالم ہے یا فلاں؟ فرمایا کہ فلاں زیادہ عالم ہے اور فلاں باتیں بہت کرتا ہے۔ [48] ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جنید سے دریافت کیا کہ اے ابوالقاسم! کیا دل کے بغیر بھی زبان ہوتی ہے۔ فرمایا بہت ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا زبان کے بغیر دل ہوتا ہے؟ فرمایا کہ گاہے گاہے ہوتا ہے مگر دل کے بغیر زبان ایک آفت ہے اور زبان کے بغیر دل نعمت ہے۔

Marfat.com

میں نے پوچھا کہ اگر دل اور زبان دونوں ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ پھر تو یہ شہد ہے۔[49] حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سب سے بڑا جاہل وہ ہے جو ایک بات کو جانتا ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتا اور سب سے بڑا عالم وہ ہے جس نے کوئی بات جانی اور اس پر عمل کیا۔ عالم جب اپنی معلومات پر عمل نہ کرے تو وہ عالم ہی نہیں ہوا۔ پس ہوشیار کہ ایسے عالم بے عمل کی فصاحت بیان، طاقت لسانی اور مناظرہ ومجادلہ کی قوت سے دھوکے میں نہ آنا اس لیے کہ وہ جاہل ہے عالم نہیں ہے۔[50]

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ لوگوں کی استعداد، مزاج اور طبائع میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک مرشد کامل طالب کو راہ سلوک پر چلاتے وقت اس کی استعداد اور افتاد طبع کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ شیخ کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ مرید کے حال کا اچھی طرح جائزہ لے اور اپنے نور عرفان اور علم ومعرفت کی قوت سے اس کی استعداد اور صلاحیت کو معلوم کرے۔ اس لیے کہ اس راہ میں مریدوں کی استعداد مختلف ہوتی ہے۔ بعض مرید محض عبادت گزاری اور ظاہری اعمال کو صالحین کی طرح سرانجام دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں۔ شیخ ان کے باطنی احوال کی نگرانی کرتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی استعداد وصلاحیت کے مطابق ان کی رہنمائی فرمایا کرتے تھے۔ آپ بعض اصحاب کو مال خرچ کرنے کا حکم فرماتے۔ بعض لوگوں کو اسراف سے منع فرماتے۔ بعض لوگوں کو کسب کی ہدایت فرماتے تھے اور بعض کو متوکلانہ زندگی بسر کرنے پر منع نہیں فرماتے تھے جیسا کہ اصحاب صفہ کا حال تھا۔[51]

شیخ مرید کے مزاج اور اس کی طبیعت کے لحاظ سے اس کی تربیت کا اہتمام کرتا ہے اور اس کیلئے طریقے اختیار کراتا ہے۔ جب ایک طالب صادق شیخ کی صحبت میں داخل ہوتا ہے اور خود کو شیخ کی سپردگی میں دیتا ہے تو اس وقت وہ ایک چھوٹے بچے کی طرح ہوتا ہے جو اپنے باپ کے پاس اور اس کی نگہداشت میں ہوتا ہے۔ شیخ کو فقر صادق اور حسن استقامت کی بدولت جو کچھ علم حاصل ہوتا ہے وہ اسی علم باطن اور اپنی زبردست بصیرت کے مطابق مرید کے باطن کی نگرانی کرتا ہے چنانچہ اگر مرید زاہدوں اور درویشوں کی طرح موٹا اور کھردرا لباس پہننا شروع کر دیتا ہے اور ابھی وہ اس کا اہل نہیں ہوا ہے اور اس کے نفس میں جو ایک پوشیدہ خواہش ہے اس کی بنا پر وہ چاہتا ہے کہ یہ لباس پہننے کے بعد اس کو لوگ زاہد سمجھنے لگیں تو شیخ (اس کے باطن سے واقف ہو کر) اس کو نرم اور لطیف لباس پہنواتا ہے۔ اگر مرید کی یہ خواہش ہوتی ہے اور اس کا نفس چاہتا ہے کہ وہ چھوٹی آستین یا لمبی آستین اور فراخ دامن کا مخصوص لباس پہنے یا وہ نرم اور سخت لباس میں سے خصوصیت

Marfat.com

کے ساتھ کسی ایک لباس کو پسند کرتا ہے تو شیخ اس کو ایسا لباس پہنواتا ہے جس سے اس کی جھوٹی خواہش نفسانی کو شکست ہو۔ کبھی مرید بدن پر نرم اور باریک کپڑے پہنے ہوئے ہوتا ہے یا اس کو کسی مخصوص طرز اور وضع کے لباس کی خواہش ہوتی ہے تو شیخ اس کی خواہش کو مٹانے اور اس کو پامال کرنے کیلئے اس کے خلاف لباس پہنواتا ہے۔ جس طرح شیخ لباس کے معاملہ میں مرید کی اصلاح کرتا ہے اسی طرح وہ مرید کے کھانے پینے، روزہ رکھنے یا نہ رکھنے اور دوسرے دینی کاموں میں تصرف کرتا ہے اور ایسا طریقہ اختیار کرواتا ہے جس میں مرید کی بھلائی ہو۔ چنانچہ کبھی وہ اس کو ہر وقت ذکر میں مشغول رکھتا ہے۔ فرائض کے ساتھ نوافل کا پڑھنا ضروری کر دیتا ہے۔ تلاوت میں اس کو مصروف رکھتا ہے یا دوسروں کی خدمت میں لگا دیتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کو کسب معاش میں لگا دیتا ہے یا کبھی فتوح اور نذرانوں پر گزر بسر کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ الغرض شیخ کو انشراح باطن ہوتا ہے اور مختلف مریدوں کی مختلف استعدادات پر اس کو اطلاع ہوتی ہے اور وہ مرید کو معاد و معاش میں اس کی استعداد کے مطابق حکم دیتا ہے کہ اسی میں اس کی اصلاح پنہاں ہوتی ہے چونکہ مریدوں کی استعداد و صلاحیت مختلف ہوتی ہے اس لیے ان کی معاد و معاش کے سلسلہ میں احکام بھی مختلف ہوتے ہیں۔[52]

سلطان جی کو انسانی فطرت کے بارے میں زبردست فراست و بصیرت حاصل تھی۔ سلسلہ چشتیہ میں مریدین کی تربیت کیلئے دو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ ایک تخلیہ یا تزکیہ قلب جس کے ذریعہ اخلاق مذمومہ سے دل کو پاک کیا جاتا ہے اور دوسرا تحلیہ یعنی صفائی قلب کے بعد صفات عالیہ کی پرورش۔ اس مقصد کے حصول کیلئے مختلف قسم کے مجاہدات اور ریاضتیں تجویز کی جاتی ہیں۔ چونکہ لوگوں کی استعداد اور طبائع مختلف ہوتے ہیں اس لیے سلطان جی ہر آدمی کو اس کام پر لگا دیتے جس کام کا آپ اس کو اہل سمجھتے۔ مثلاً ایک مرید سے فرمایا کہ اپنے ہونٹوں کو اور دروازے کو بند رکھو۔ دوسرے مرید سے فرمایا کہ کثرت سے مرید کرنے کی کوشش کرو۔ تیسرے سے فرمایا تمہیں خلق میں رہنا چاہیے اور ان کی جفا و قفا کو برداشت کرنا چاہیے اور ان کے ساتھ حسن معاملہ سے پیش آنا چاہیے۔[53]

حاجی محمد نام کے ایک صاحب نے قاضی محی الدین کاشانی سے کہا کہ سلطان جی سے عرض کریں کہ جب سے میں حج سے آیا ہوں میرے دل کو قرار و آرام نہیں اور میرے لیے آپ دعا کی درخواست کریں۔ قاضی صاحب نے جب سلطان جی سے یہ بات عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص کو دو کاموں میں سے ایک کرنا چاہیے یا تو کسب و حرفت میں مشغول ہو جانا چاہیے تاکہ

Marfat.com

اسے ذریعہ معاش حاصل ہو یا گوشہ نشین ہو کر عبادت و ریاضت میں زندگی بسر گزارنی چاہیے لیکن یہ طریقہ اس وقت ٹھیک رہتا ہے جب عشق کی چاشنی بھی اس میں شامل ہو۔ [54]

شیخ نصیر الدین محمود نے امیر خسرو کے ذریعہ خدمت شیخ میں درخواست کی کہ میں خلق کی مزاحمت کی وجہ سے حق تعالیٰ کی بندگی میں مشغول نہیں رہ سکتا۔ اگر سلطان جی کا حکم ہو تو پہاڑوں اور جنگلوں میں جا کر سکونت اختیار کروں اور خدا تعالیٰ کی عبادت مطمئن ہو کر کروں۔ امیر خسرو نے شیخ نصیر الدین کی گزارش سلطان جی کے گوش گزار کی۔ حضرت نے فرمایا ان سے کہو کہ تمہیں لوگوں کے درمیان ہی رہنا ہوگا اور لوگوں کی جفا اور ناگوار باتیں برداشت کرنی ہوں گی اور اس کے بدلہ میں فیاضی، ایثار اور داد و دہش کرنی ہوگی۔ [55] شیخ حسام الدین ملتانی نے سلطان جی سے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں شہر میں نہ رہوں بلکہ کسی دریا کے کنارے سکونت اختیار کر لوں۔ [56] آپ نے فرمایا نہیں شہر میں رہو اور کن کاحدمن الناس (عام لوگوں کی طرح رہو)۔ [57] خواجہ نوح کو آپ نے وصیت فرمائی: جو کچھ تمہیں ملے اسے ذخیرہ نہ کرنا اور اپنے پاس کچھ نہ رکھنا اور خرچ کر دینا اگر تمہارے پاس کچھ نہ ہو تو اپنے دل کو ملول نہ کرنا کہ خدا تم کو بہت دے گا۔ کسی کی برائی نہ چاہنا اور نہ کسی کیلئے بد دعا کرنا۔ جفا کا جواب عطا سے دینا۔ [58]

قاضی محی الدین کاشانی قاضی قطب الدین کاشانی کے نواسے تھے اور شہر بھر کے استاد تھے۔ مرید ہونے کے بعد تمام تعلقات دنیوی کو خیر آباد کہا اور اپنے وظیفہ کا وہ پروانہ جو حکومت کی طرف سے انہیں ملتا تھا سلطان جی کے سامنے لا کر پارہ پارہ کر دیا اور ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول ہو گئے۔ ایک مدت اسی طرح گزری۔ کچھ دنوں کے بعد سلطان جی نے انہیں خلافت سے سرفراز فرمایا۔ جب قاضی صاحب پر فقر و فاقہ کی شدت زیادہ ہوئی تو آپ کے اہل و عیال، جنہوں نے عیش و عشرت کے ماحول میں پرورش پائی تھی، قاضی صاحب کو پریشان کرنا شروع کیا۔ ان کے ایک معتقد نے بغیر ان کے علم و اطلاع کے قاضی صاحب کے مناقب و فضائل سلطان علاء الدین خلجی سے بیان کیے۔ سلطان علاء الدین نے حکم دیا کہ اودھ کی قضات جو قاضی صاحب کی موروثی ہے، انعامات اور بہت سے دیہات کے ساتھ ان کے سپرد کی جائے۔ جب یہ خبر قاضی صاحب کو ملی تو وہ سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کر کے عرض کیا کہ بادشاہ نے بغیر میری کسی خواہش کے ایسا فرمان جاری کیا ہے اب آپ کا جو حکم ہو۔ سلطان جی قاضی صاحب کی یہ بات سن کر ناراض ہو گئے اور فرمایا کہ ضرور تمہارے دل میں اس قسم کا خیال گزرا ہوگا تب ہی تو یہ چیزیں تمہارے سامنے پیش کی گئی ہیں۔ یہ فرما کر آپ دوسروں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ خلافت

Marfat.com

نامہ جو آپ نے قاضی صاحب کو لکھ کر دیا تھا واپس لے لیا۔ ایک سال تک سلطان جی قاضی صاحب سے کبیدہ خاطر رہے جب ایک سال پورا ہو گیا تو آپ نے قاضی صاحب کو بلوایا اور تجدید بیعت سے مشرف فرمایا۔[59]

سلطان جی کے زمانہ میں محمود نام کا ایک درزی تھا۔ وہ نماز کثرت سے پڑھتا تھا۔ ایک روز نماز پڑھتے ہوئے اس نے ایک نعرہ لگایا اور گر گیا اور کہنے لگا کہ میرے اوپر سید آئے ہیں۔ اس کے پاس مرد اور عورتیں جمع ہونے لگیں۔ یہ قصہ سلطان جی تک پہنچایا گیا۔ ایک دفعہ حضرت اپنی والدہ ماجدہ کی قبر شریف کی زیارت کیلئے گئے ہوئے تھے۔ محمود خیاط آپ کے پاس حاضر ہوا تو حضرت نے اس سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ تم کو کیا ہوتا ہے؟ اس نے کہا کہ سید ناصر اور سید ابراہیم میرے اوپر آتے ہیں۔ حضرت نے اس سے فرمایا کہ یہ شیطان ہے اور اس نے تم کو بھٹکا دیا ہے کیونکہ اس نے تم کو نماز میں پکڑا۔ اس کو دور کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ عورتیں اور مرد جو تمہارے پاس آتے ہیں یہ گویا شیطان ہیں ان لوگوں کو اپنے پاس آنے نہ دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کا مرید ہو گیا۔[60]

سلطان جی اپنے مریدین و متعلقین پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ ایک فعہ امیر حسن سنجری لشکر کے ساتھ دولت آباد گئے ہوئے تھے۔ آٹھ مہینے کے بعد سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے ازراہ شفقت سفر کا حال دریافت فرمایا اور اس کی سختی اور تکلیفوں کے بارے میں دریافت کرتے رہے۔ امیر حسن کے آزاد کردہ غلام ملیح کا حال دریافت فرمایا کیونکہ امیر حسن کو راستہ میں اس کی بیماری کے سبب سے ٹھہرنا پڑا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا اگر کوئی اپنے دوست کے ساتھ جائے اور دوست کو زحمت اور تکلیف پہنچے تو اس پر واجب ہے کہ دوستی کا حق نبھائے اور اس کے حال کا خیال رکھے۔[61] ایک دفعہ بہت سے مرید حضرت کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بعضوں کو سائے میں جگہ نہ ملی تو وہ دھوپ میں بیٹھ گئے۔ آپ نے ان لوگوں سے جو دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سائے میں بیٹھو اور ان لوگوں سے فرمایا جو سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اس طرف آ جاؤ تا کہ انہیں بھی سایہ میں بیٹھنے کی جگہ ملے کہ وہ دھوپ میں بیٹھے ہیں اور میں جل رہا ہوں۔[62]

امیر حسن کے خدمتگار اور آزاد کردہ غلام ملیح سلطان جی سے بیعت ہو گئے تھے۔ ان کی لڑکی کا نکاح ہوا۔ وہ حضرت کی خدمت میں آئے اور تھوڑی سی مصری پیش کی۔ سلطان جی کو معلوم تھا کہ ملیح کی چار لڑکیاں ہیں۔ مصری دیکھ کر حضرت نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ امیر حسن نے کہا کہ اس کی

Marfat.com

بیٹی کا نکاح ہوا ہے۔ حضرت نے ملیح سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس کی ایک لڑکی ہو اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک پردہ ہو جاتا ہے، تمہاری تو چار ہیں۔ پھر زبان مبارک سے ارشاد فرمایا ابو البنات مرزوق (بیٹیوں کے باپ کو رزق دیا جاتا ہے)۔ پھر فرمایا کہ لڑکیوں کے باپ کیلئے رزق میں وسعت ہوتی ہے۔[63]

سلاطین وامراء سے بے تعلقی:

جب خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی اور شخصی بادشاہتوں کا دور شروع ہوا تو علماء اور صالحین کی ایک بڑی جماعت نے حکومت وقت سے بے تعلقی اختیار کر لی۔ سرخیل علماء وصوفیہ نے اپنے دور کے ظالم اور غلط کار حکمرانوں پر برملا تنقید کی اور انہیں ہدف ملامت بنایا۔ متعدد صحابہ کرام اور تابعین مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت محمد بن سیرینؒ اور خواجہ حسن بصریؒ حکومت وقت سے لاتعلق رہے۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ فتنے کے مقامات سے بچو۔ ان سے پوچھا گیا کہ وہ مقامات کون سے ہیں تو فرمایا کہ امراء کے دروازے۔ تم میں سے کوئی آدمی امیر کے پاس جاتا ہے تو اس کے جھوٹ کی تصدیق کرتا ہے یا اس کی جھوٹی تعریف کر کے اسے خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک دفعہ حجاج بن یوسف نے حضرت حسن بصری کو خط لکھا اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے اس خط کو لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ جس چیز کو ایک ظالم کے ہاتھوں نے مس کیا ہو میں اس کو چھونا بھی نہیں چاہتا۔ پھر آپ نے اس خط کی پشت پر لکھوا دیا۔ خدا کے مغرور بندے حجاج کو معلوم ہو کہ غریب تیرے ظلم سے تنگ آ گئے ہیں۔ میں تجھ سے ملاقات پسند نہیں کرتا۔ آپ نے حضرت سعید بن جبیر کو نصیحت فرمائی کہ صحبت سلطان سے اجتناب کرو۔ امام ابوحنیفہ نے خلیفہ منصور کی طرف سے عہدہ قضا کی پیشکش کو ٹھکرا دیا اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ امام سفیان ثوری حق بات کہنے اور غلط کار حکام پر تنقید کرنے میں بے حد بیباک تھے۔ خلیفہ مہدی نے آپ کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے تھے۔ اس لیے آپ بصرہ میں چھپ کر زندگی گزار رہے تھے اور اسی حالت میں داعی اجل کو لبیک کہا۔[64] حضرت سعید بن المسیبؒ نے فرمایا کہ جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ امراء کے دروازوں پر جاتا ہے تو اس سے بچو۔ وہ چور ہے۔[65] امام احمد بن حنبل، نعیم بن حماد، یوسف بن سعید اور ابو مشعر نے خلیفہ مامون سے اختلاف کیا اور اس کی پاداش میں شاہی عتاب کے شکار ہوئے۔

Marfat.com

سلیمان بن عبدالملک ایک دفعہ مدینہ آیا اور یہاں تین دن رہا۔ اس نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی آدمی ایسا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا ہو۔ لوگوں نے بتلایا کہ یہاں ایک صاحب رہتے ہیں جنہیں ابو حازم کہتے ہیں۔ سلیمان نے ان کو اپنے دربار میں بلایا جب سلیمان نے ان سے کہا کہ کچھ نصیحت کیجیے تو انہوں نے فرمایا: کچھ لوگوں نے بغیر مسلمانوں کے مشورے اور اجماعی رائے کے حکومت کو زبردستی حاصل کرلیا اور دنیا طلب کرنے کیلئے بہت خون بہایا پھر وہ حکومت چھوڑ کر چلے گئے۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ آگے جا کر انہوں نے کیا کہا اور ان سے کیا کہا گیا۔[66] حضرت ابو حازم نے زہری سے فرمایا: بنی اسرائیل جب تک راہ راست پر رہے امراء علماء کے محتاج رہے۔ علماء اپنا دین بچانے کیلئے ان سے دور بھاگتے تھے پھر جب کمینے لوگوں نے علماء کی قدر افزائی دیکھی تو انہوں نے دین کا علم حاصل کیا اور وہ علم لے کر امراء کے دروازے پر آ گئے اور قوم گناہ پر متفق ہوگئی۔ پھر وہ نیچے گرے اور اوندھے ہو گئے۔ اگر علماء اپنا دین اور علم ان سے بچاتے تو علماء کی ہیبت ہمیشہ قائم رہتی۔[67]

ایک دفعہ حاکم وقت نے حضرت بشر حافی (متوفی 237ھ) کی زیارت کرنی چاہی۔ جب آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ اگر اس کے بعد پھر اس کا ذکر کیا جائے گا تو میں حدود بغداد سے نکل جاؤں گا۔ یہ سن کر خلیفہ اپنے ارادے سے باز آیا۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید امام ابو یوسف کے ہمراہ حضرت داؤد طائی کے پاس بغرض ملاقات حاضر ہوا۔ آپ نے ملاقات سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں دنیادار ظالموں سے نہیں ملتا لیکن جب ہارون رشید کی والدہ نے بے حد اصرار کیا تو آپ نے اجازت دے دی۔ جب ہارون رشید رخصت ہونے لگا تو اس نے ایک اشرفی پیش کرنی چاہی لیکن آپ نے واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اپنا مکان جائز دولت کے عوض فروخت کیا ہے اس لیے میرے پاس اخراجات کو رقم موجود ہے اور میں یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ جب یہ رقم ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ مجھے دنیا سے اٹھا لے۔[68] ہارون رشید حضرت نفیل بن عیاض کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے بھی ملاقات سے انکار کر دیا۔ بڑے اصرار کے بعد جب آپ نے اجازت دی اور ہارون رشید نے نصیحت کیلئے درخواست کی تو حضرت نفیل بن عیاض نے سخت الفاظ میں اس کو سرزنش فرمائی۔ حضرت ذوالنون کے ایک مرید نے شاہی دربار میں حاضری دی تو آپ سخت ناراض ہوئے اور اسے حکم دیا کہ اپنا خرقہ اتار کر آگ میں جلا ڈالے۔ امام غزالی ہمیشہ بادشاہوں سے بے تعلق رہے۔ سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی بادشاہوں سے بے تعلق رہا کرتے تھے اور ان کا ہدیہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ ایک روز خلیفہ مستنجد باللہ نے حاضر ہو کر اشرفیوں

Marfat.com

کے دس توڑے پیش کیے۔ حسب معمول آپ نے انکار فرمایا۔ خلیفہ نے اصرار کیا تو آپ نے ایک اشرفی اپنے داہنے ہاتھ میں اور ایک اشرفی اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر رگڑا تو اشرفیوں سے خون بہنے لگا۔ آپ نے خلیفہ سے ارشاد فرمایا: اللہ سے شرم نہیں آتی کہ انسانوں کا خون پیتے ہو اور اسے جمع کر کے میرے پاس لاتے ہو۔ خلیفہ پر اتنا اثر ہوا کہ غشی کی نوبت آ گئی۔

چشتی مشائخ تابعین اور متقدمین صوفیاء کی اس روش پر کاربند رہے اور سلاطین و امراء سے اعراض کرتے رہے۔ حضرت ابواسحاق شامی کی خدمت میں ایک روز سلطان وقت حاضر ہوا۔ حضرت زار زار رونے لگے یہاں تک کہ حاضرین مجلس پر بھی رقت طاری ہو گئی۔ لوگوں نے ان سے گریہ وزاری کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ نہیں معلوم کون سا گناہ مجھ سے سرزد ہو گیا ہے کہ سلطان متواتر میرے یہاں تشریف لائے ہیں اور مجھے فقراء کی صحبت سے باز رکھ رہے ہیں۔ مجھے خوف ہو رہا ہے کہ کہیں قیامت کے دن میرا حشر دولت مندوں کے زمرہ میں نہ ہو پھر آپ آہ بھر کر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو زبان پر یہ حدیث باری تھی اللھم احینی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین (یا اللہ مجھے مسکین بنا کر رکھ اور میرا حشر مساکین کے ساتھ کر)۔ سلطان وقت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ شرمندہ ہو کر واپس چلا گیا۔[69] سلطان شمس الدین التتمش نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو جاگیر کی پیشکش کی جسے آپ نے مسترد فرما دیا۔ قطب صاحب نے ملک اختیار الدین ایبک کی لائی ہوئی نذر قبول نہیں فرمائی۔[70] حضرت بابا فرید نے اپنے مریدوں کو ہدایت کی تھی کہ اگر تم اپنے روحانی مراتب میں بلندی چاہتے ہو تو سلاطین کی اولاد کی طرف توجہ نہ کرنا۔ سیدی مولا جو جلال الدین خلجی کے عہد کے بزرگ ہیں حضرت بابا صاحب سے ملاقات کی غرض سے اجودھن حاضر ہوئے۔ بابا صاحب نے ان کو رخصت کرتے وقت فرمایا: تم دہلی جا رہے ہو اور چاہتے ہو کہ وہاں اپنا دروازہ (سب پر) کھلا رکھو اور اس طرح نام پیدا کرو۔ جس چیز میں تم اپنی بہتری اور بھلائی دیکھو وہ کرو لیکن میری ایک نصیحت پر ضرور عمل کرنا۔ ملوک و امراء سے میل جول نہ رکھنا اور اپنی خانقاہ میں ان کے آنے کو اپنے لیے مہلک سمجھنا اس لیے کہ جو درویش ملوک و امراء سے میل جول کا دروازہ کھولتا ہے وہ اپنی عاقبت خراب کر لیتا ہے۔[71] سیدی مولا جلال الدین خلجی کے حکم سے دردناک انداز میں قتل کر دیئے گئے۔ ان کے قتل کے بعد دہلی میں قحط پڑ گیا۔ گرانی بڑھ گئی اور لوگ فاقہ سے مرنے لگے۔

ساٹھ برس سے زائد عرصہ تک خواجہ نظام الدین اولیاءؒ دہلی میں مقیم رہے۔ اس طویل مدت میں آپ نے آٹھ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا: ناصر الدین (1246-1266)، غیاث الدین بلبن

(1287-1266)، معزالدین کیقباد (1290-1287)، جلال الدین خلجی (1296-1290)، علاء الدین خلجی (1316-1296)، قطب الدین مبارک خلجی (1320-1316)، خسرو خان (1320) اور غیاث الدین تغلق (1325-1320)۔ سلطان جی کے ملفوظات میں سلطان ناصرالدین محمود کا ذکر دو دفعہ آیا ہے۔ آپ نے بابا فرید سے اس کی عقیدت کا ذکر کیا ہے۔[72] سلطان غیاث الدین بلبن کا ذکر آپ کے ملفوظات میں چار جگہ آیا ہے۔ آپ نے اس کی نماز کی پابندی اور مشائخ سے عقیدت کا ذکر فرمایا۔[73] آپ نے بلبن کے دور حکومت کی ارزانی کا بھی ذکر کیا ہے جب آپ دہلی تشریف لائے اور حضرت بابا صاحب سے بیعت ہوئے تو یہ سلطان ناصرالدین محمود کا دور حکومت تھا۔ غیاث الدین بلبن اور معزالدین کیقباد کے دور حکومت میں آپ نے عزلت وخلوت اختیار کر رکھی تھی اور ریاضت ومجاہدہ میں مشغول تھے۔ جلال الدین خلجی کے زمانہ میں آپ کی بزرگی کا شہرہ ہوا۔ اگر چہ سلطان جلال الدین خلجی اور سلطان علاء الدین خلجی دونوں آپ سے عقیدت رکھتے تھے لیکن آپ ہمیشہ سلطنت اور شاہی دربار سے بے تعلق رہے۔ آپ کا یہ طریقہ سلف صالحین اور صوفیاء متقدمین کی روش کے مطابق تھا۔ اگر ہم عہد سلطنت کے دینی واخلاقی ماحول پر ایک نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت وقت کے تئیں سلطان جی کا رویہ معقولیت پر مبنی تھا۔

سلطان غیاث الدین بلبن نے حکومت حاصل کرنے کیلئے ناصرالدین محمود کو زہر دیا اور اپنی سلطنت کے استحکام کیلئے کئی بے گناہوں کا خون بہایا۔ جلال الدین خلجی نے بلبن کے پوتے کیقباد کے نابالغ فرزند شمس الدین کیومرث کو مروا ڈالا۔ جلال الدین خلجی کو اس کے بھتیجے اور داماد علاء الدین خلجی نے نہایت بے دردی سے قتل کرادیا۔ خسرو خان نے قطب الدین مبارک خلجی کو قتل کیا۔ علاء الدین خلجی اور غیاث الدین تغلق نے ہندو عورتوں سے شادیاں کیں اور اس طرح شاہی حرم میں غیر اسلامی اثرات کا نفوذ ہوا۔ اکثر بادشاہ لہو ولعب اور فسق وفجور میں مبتلا تھے۔ معزالدین کیقباد کے زمانہ میں علانیہ شراب نوشی ہونے لگی۔ فسق وفجور عام ہو گیا۔ مے خانے آباد ہو گئے اور مسجدیں نمازیوں سے خالی ہو گئیں۔ ہر گلی کوچے میں ناچنے اور گانے والیاں آباد ہو گئیں۔[74] سلطان قطب الدین مبارک خلجی شرابی، عیاش طبع اور رقص وسرود کا شوقین تھا۔ اس کے دور میں فسق وفجور کا بازار گرام ہوا۔ بادشاہ زنانہ کپڑے پہن کر دربار میں آتا تھا اور مسخروں اور بھانڈوں سے بازاری انداز میں مذاق کرتا تھا۔[75] شاہی دربار میں غیر اسلامی شعائر کا رواج تھا۔ ایرانی تہوار نوروز بڑے دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ دربار میں پابوس کی ایرانی رسم جاری تھی۔ سونے چاندی کے برتنوں کا شاہی محل میں عام طور سے استعمال ہوتا تھا۔ عیش وعشرت کا ماحول عام تھا۔ سید نور

Marfat.com

الدین مبارک غزنوی نے سلطان شمس الدین التمش کے دربار میں علانیہ کہا تھا کہ بادشاہ جس انداز میں رہتے سہتے ہیں اور تخت پر بیٹھ کر جس طرح وہ لوگوں کو اپنے سامنے بٹھاتے ہیں اور سجدہ کراتے ہیں اور اپنے آپ کو تمام لوگوں سے فائق تر سمجھتے ہیں یہ سب باتیں غیر اسلامی ہیں اور لائق مواخذہ ہیں۔[76]

سلطان جلال الدین خلجی نے اپنے دور حکومت میں ہر چند چاہا کہ سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہو لیکن آپ نے اجازت نہ دی۔ امیر خسرو سلطان کے مصحف دار تھے۔ سلطان نے ان سے کہا کہ وہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی اجازت کے بغیر ان کی خدمت میں حاضری دے گا۔ امیر خسرو نے یہ مناسب سمجھا کہ وہ بادشاہ کے اس ارادہ کی اطلاع اپنے مرشد کو دے دیں۔ انہیں خیال ہوا کہ اگر میں نے بادشاہ کا یہ ارادہ حضرت پر ظاہر نہ کیا تو کہیں ان کی ناراضگی کا موجب نہ ہو۔ اگر چہ یہ بادشاہ کا ایک راز تھا لیکن امیر خسرو نے اسے سلطان جی سے بیان کرنے میں اپنی جان کی پرواہ نہ کی اور انہوں نے سلطان جی سے بادشاہ کا ارادہ بیان کر دیا اور عرض کیا کہ کل بادشاہ آپ کی خدمت میں آئیں گے۔ سلطان جی نے جب یہ بات سنی تو اسی وقت آپ حضرت بابا صاحب کے مزار کی زیارت کیلئے اجودھن روانہ ہو گئے۔ جب اس کی خبر سلطان جلال الدین کو معلوم ہوئی تو وہ امیر خسرو سے ناراض ہوا اور کہا کہ تم نے میرے راز کو سلطان المشائخ سے بیان کر کے مجھے ان کی قدم بوسی کی سعادت سے محروم کر دیا۔ امیر خسرو نے جواب دیا کہ میرے لیے بادشاہ کی ناراضگی سے صرف جان کا اندیشہ تھا لیکن سلطان جی کی ناراضگی سے ایمان کے سلب ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ سلطان جلال الدین عقل مند بادشاہ تھا اس کو امیر خسرو کا یہ جواب پسند آیا اور اس نے انہیں معاف کر دیا۔

جب سلطان جی کی عظمت اور بزرگی کا شہرہ ہوا اور بڑے بڑے علماء اور مشائخ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے تو اس مقبولیت اور شہرت کو دیکھ کر حاسدوں کے دل میں حسد کا کانٹا کھٹکنے لگا۔ ان حاسدوں نے سلطان علاء الدین کے کان میں بات ڈالی کہ سلطان المشائخ عالم کے مقتدا ہو گئے ہیں اور ان کا دسترخوان جنت کی نعمتوں کیلئے قابل رشک ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی وجہ سے بادشاہ کی سلطنت کو خطرہ لاحق ہو۔ جب یہ بات کئی دفعہ بادشاہ کے کانوں تک پہنچائی گئی تو اس نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ ممکن ہے یہ بات سچ ہو۔ اس نے سوچا کہ کوئی تدبیر اختیار کرنی چاہیے کہ جس کے ذریعہ یہ معلوم ہو جائے کہ آیا سلطان المشائخ کے دل میں ملک پر اقتدار حاصل کرنے کی خواہش ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس نے ایک مسودہ مرتب کروایا۔ اس میں یہ

Marfat.com

لکھوایا کہ سلطان المشائخ عالم کے مخدوم ہیں اور لوگ دینی و دنیوی ضروریات کیلئے ان سے رجوع ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس ملک کی زمام حکومت میرے ہاتھ میں دی ہے۔ اس لیے مجھے چاہیے کہ ہر کام میں آپ سے مشورہ لوں اور آپ کی رائے پر عمل کروں۔ اس لیے عرض پرداز ہوں کہ جس کام میں آپ میری اور سلطنت کی بہتری تصور فرمائیں اس سے مجھے آگاہ فرمایا جائے تاکہ یہ بندہ تکمیل ارشاد کی کوشش کرے۔ اپنے قلم مبارک سے وہ باتیں لکھ بھیجیں جن میں سلطنت کی بھلائی ہو۔ جب یہ مسودہ تیار ہو گیا تو سلطان نے خضر خان کو جو اس کا محبوب ترین بیٹا اور سلطان جی کا مرید تھا، بلا کر کہا کہ یہ کاغذ لے جاؤ اور سلطان المشائخ کو پہنچاؤ۔ خضر خان نے سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ کاغذ آپ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے اس کاغذ کو ہاتھ میں لیا لیکن اسے پڑھا نہیں۔ پھر حاضرین مجلس سے فرمایا کہ فاتحہ پڑھیں۔ اس کے بعد آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ درویشوں کو بادشاہوں کے کاروبار سے کیا واسطہ۔ میں درویش ہوں۔ تمہارے شہر میں رہتا ہوں اور عام مسلمانوں اور بادشاہ کیلئے دعا کرنے میں مشغول ہوں۔ اگر بادشاہ اس بارے میں مجھے کچھ لکھے گا تو میں یہاں سے کسی دوسرے شہر میں چلا جاؤں گا۔ اللہ کی زمین وسیع ہے۔ جب سلطان جی کا یہ جواب خضر خان نے سلطان علاءالدین کو پہنچایا تو وہ نہایت خوش ہوا اور کہا کہ میں جانتا تھا کہ یہ بات سلطان المشائخ پر ایک جھوٹا الزام ہے لیکن دشمن مجھے مردان خدا سے لڑا دینا چاہتے ہیں تاکہ یہ بات ملک کی خرابی کا باعث بنے۔ اس کے بعد سلطان نے حضرت سے معذرت کی اور آپ کو کہلا بھیجا کہ میں آپ کا معتقد ہوں۔ میں نے جرات بے جا کی ہے۔ مجھے معاف فرما دیا جائے اور اجازت دی جائے کہ میں خود حاضر ہو کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کروں۔ سلطان جی نے جواب میں کہلا بھیجا کہ تمہارے آنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہارے لیے غائبانہ دعا کرتا ہوں اور غائبانہ دعا کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔[77] اس کے بعد سلطان علاءالدین نے حضرت سے کئی بار عاجزانہ طور پر ملاقات کی التجا کی لیکن آپ نے اجزت نہ دی اور سلطان کو کہلا بھیجا کہ اس فقیر کے گھر کے دو دروازے ہیں اگر آپ ایک دروازہ سے آئیں گے تو میں دوسرے دروازہ سے باہر نکل جاؤں گا۔

سلطان علاءالدین کا بیٹا قطب الدین مبارک خلجی سلطان جی سے عناد رکھتا تھا۔ اس نے شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ شیخ ضیاءالدین رومی سے بیعت کی تھی اور اپنی دانست میں یہ سوچ کر شیخ رکن الدین ملتانی کو دہلی بلوایا تھا کہ اس طرح سلطان جی کی مقبولیت میں کمی آ جائے گی اور آپ کی طرف خلق کا رجوع کم ہو جائے گا۔ شیخ ضیاءالدین رومی کا جب انتقال ہوا تو سلطان جی

Marfat.com

فاتحہ سوم میں شرکت کرنے کیلئے تشریف لے گئے۔ آپ کے سامنے ہی بادشاہ کی سواری آ گئی۔ سلطان جی نے اسے سلام کیا لیکن اس نے جواب نہیں دیا اور اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ [78]

سلطان قطب الدین نے جامع مسجد میری تعمیر کرائی۔ اس نے پہلے جمعہ کو تمام علماء و مشائخ کو طلب کیا اور حکم دیا کہ وہ سب اس نئی مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں۔ سلطان جی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہمارے قریب جو مسجد ہے اس کا حق زیادہ ہے چنانچہ آپ مسجد میری نہیں گئے۔ سلطان قطب الدین کی حضرت سے عداوت کا ایک سبب یہ تھا کہ شاہی رسم کے مطابق ہر چاند کی پہلی تاریخ کو تمام آئمہ و مشائخ اور صدور و اکابر نئے چاند کی مبارکباد دینے کیلئے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے لیکن سلطان جی نہیں جاتے تھے بلکہ اپنے خادم خواجہ اقبال کو بھیج دیتے تھے۔ آپ کے دشمنوں اور حاسدوں نے سلطان سے کہا کہ آپ کے حکم کے باوجود سلطان المشائخ مسجد میری میں نہیں آئے اور جس طرح نئے چاند کی مبارکباد دینے کیلئے دوسرے مشائخ بادشاہ کے پاس آتے ہیں وہ نہیں آتے بلکہ اپنے غلام کو بھیج دیتے ہیں۔ یہ سن کر سلطان قطب الدین طیش میں آ گیا اور کہا کہ اگر آئندہ چاند کی پہلی تاریخ کو سلطان المشائخ مبارکباد دینے کیلئے نہیں آئیں گے تو میں زبردستی ان کو بلواؤں گا۔ سلطان جی کے مخلصین نے جو بادشاہ کے یہاں ملازم تھے بادشاہ کی یہ بات آپ تک پہنچائی۔ سلطان جی نے کچھ نہیں کہا اور اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کیلئے تشریف لے گئے اور ان سے عرض کیا کہ بادشاہ مجھے ایذا پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے اگر آئندہ ماہ تک وہ اپنے کیفر کردار کو نہ پہنچا تو میں آپ کی زیارت کیلئے نہیں آؤں گا۔ بادشاہ کے حکم سے آپ کے مریدین پریشان تھے۔ جوں جوں چاند کی تاریخ قریب آتی تھی مخلصین کی پریشانیاں بڑھتی جاتی تھیں۔ جب چاند رات ہوئی اور لوگ منتظر تھے کہ کل پہلی تاریخ ہے سلطان جی کو بادشاہ کی طرف سے طلب کیا جائے گا اسی رات کو خسرو خان نے یلغار کر کے سلطان قطب الدین کا سر تن سے جدا کر دیا اور اس کے جسم کو محل کے نیچے پھینک دیا۔ [79]

سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں سلطان جی کے بعض حاسدین نے بادشاہ سے جا کر شکایت کی کہ وہ سماع سنتے ہیں جبکہ یہ حرام ہے۔ اس ریشہ دوانی میں شیخ زادہ حسام الدین جام اور قاضی جلال الدین لوالجی شامل تھے۔ شیخ زادہ جام نے سلطان جی کے دامن شفقت میں تربیت پائی تھی لیکن اس کے دل میں شہرت اور ناموری کی تمنا موجزن تھی۔ اس نے شہرت حاصل کرنے کیلئے سماع کی حلت و حرمت کے اختلاف کو ہوا دی۔

قاضی جلال الدین لوالجی جو شہر کا نائب حاکم تھا صوفیاء سے تعصب رکھتا تھا۔ سلطان کو یہ علم

SECP = Securities & exchange Commission of Pakistan

نہ تھا کہ سماع حلال ہے یا حرام۔ اس نے حکم دیا کہ ایک محضر منعقد کیا جائے اور شہر کے تمام علماء، صدور اور اکابر کو اس میں طلب کیا جائے۔ سلطان جی کو بھی بادشاہ کے محل میں طلب کیا گیا۔ آپ کے ساتھ مولانا فخر الدین زرادی اور قاضی محی الدین کاشانی بھی ہو لیے۔ بحث شروع ہونے سے پہلے قاضی لوالجی نے سلطان جی کے ساتھ ایسی تعصب آمیز باتیں شروع کیں جو اس محضر کے شایان شان نہ تھیں لیکن سلطان جی نے حلم و بردباری سے کام لیا۔ قاضی لوالجی کی جسارت یہاں تک بڑھی کہ اس نے سلطان جی سے کہا کہ اگر تم اس کے بعد بھی لوگوں کو سماع کی دعوت دو گے اور سماع سنو گے تو میں تم کو سزا دوں گا۔ سلطان جی اس کی یہ بات سن کر غصہ میں آ گئے اور فرمایا کہ تو اس عہدہ سے جلد ہی معزول کر دیا جائے گا چنانچہ بارہ روز کے بعد قاضی جلال الدین کو عہدہ قضا سے معزول کیا گیا اور وہ جلد ہی دنیا سے کوچ کر گیا۔

جب مجلس مباحثہ شروع ہوئی تو شیخ زادہ جام نے حضرت سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا آپ کی مجلس میں سماع ہوتا ہے اور حاضرین رقص کرتے ہیں آہ اور نعرے لگاتے ہیں۔ الغرض اس نے اس قسم کی اور باتیں کیں۔ حضرت نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ زیادہ جوش و خروش مت دکھاؤ اور فضول باتیں مت کرو۔ پہلے یہ بتاؤ کہ سماع کے کیا معنی ہیں۔ اس نے کہا کہ میں سماع کے معنی نہیں جانتا لیکن بڑے بڑے علماء کہتے ہیں کہ سماع حرام ہے۔ سلطان جی نے فرمایا کہ جب تم سماع کے معنی بھی نہیں جانتے تو تم سے اس بارے میں کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی اور میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ شیخ زادہ جام یہ سن کر لاجواب ہو گیا۔ اس بحث کے دوران شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے نواسے مولانا علم اللہ تشریف لے آئے۔ بادشاہ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آپ عالم بھی ہیں اور مسافر بھی۔ میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ سماع سننا حلال ہے یا حرام۔ مولانا علم اللہ نے فرمایا کہ میں نے اس بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے اور حلت و حرمت سماع کی تمام دلیلیں اس رسالہ میں جمع کر دی ہیں۔ جو لوگ سماع کو دل سے سنتے ہیں ان کیلئے سماع مباح ہے اور جو حظ نفس کیلئے سنتے ہیں ان کیلئے سماع حرام ہے۔ پھر بادشاہ نے مولانا علم اللہ سے پوچھا کہ آپ نے بغداد، شام اور روم کا سفر کیا ہے۔ یہ بتائیں کہ ان شہروں کے مشائخ سماع سنتے ہیں یا نہیں اور کوئی ان کو اس کام سے روکتا ہے یا نہیں۔ مولانا علم اللہ نے فرمایا کہ ان تمام شہروں کے مشائخ سماع سنتے ہیں اور بعض دف اور شبانہ (شہنائی) کے ساتھ بھی سنتے ہیں لیکن کوئی ان کو نہیں روکتا اور سماع شیخ جنید اور شیخ شبلی کے وقت سے مشائخ میں وراثتاً چلا آ رہا ہے۔ بادشاہ نے جب مولانا علم اللہ سے یہ سنا تو وہ خاموش ہو گیا۔ قاضی جلال الدین نے کہا کہ بادشاہ کیلئے لازم ہے کہ

Marfat.com

Securities & exchange Commission of Pakistan (SECP)

سماع کی حرمت کا حکم دے۔ سلطان جی نے بادشاہ سے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ آپ اس بارے میں کوئی حکم دیں۔ بادشاہ نے ان کے مشورہ کو قبول کرلیا اور اس بارے میں کوئی حکم نہیں دیا۔ مجلس برخاست ہوئی۔ اس کے بعد بادشاہ نے نہایت تعظیم وتکریم سے سلطان جی کو رخصت کیا۔[80]

جب سلطان جی ظہر کے وقت مجلس مباحثہ سے گھر تشریف لائے تو آپ نے قاضی محی الدین کاشانی اور امیر خسرو کو طلب فرمایا اور ان سے کہا کہ دہلی کے علماء مجھ سے عداوت اور حسد رکھتے ہیں۔ ایک عجیب بات جو میرے مشاہدہ میں آئی وہ یہ کہ معرض حجت میں وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث صحیحہ کو بھی نہیں سنتے اور یہی کہے جاتے ہیں کہ ہمارے شہر میں حدیث سے زیادہ روایت فقہ پر عمل مقدم ہے۔ یہ باتیں وہی لوگ کرتے ہیں جن کا حدیث پر اعتقاد نہیں ہوتا۔ جب بھی ان کے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی صحیح حدیث پیش کی جاتی ہے تو وہ منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث تو امام شافعی کی متمسک ہے جو ہمارے علماء کے دشمن ہیں۔ اس لیے ہم اس حدیث کو نہیں مانتے۔ خدا جانے یہ کیسا زمانہ آ گیا ہے جس شہر میں اس قسم کے مناظرے کیے جاتے ہوں وہ کیسے آباد رہ سکتا ہے۔ عجیب نہیں کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔ میں نے کوئی عالم ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے سامنے احادیث نبوی بیان کی جائیں اور وہ کہے کہ میں نہیں سنتا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس جرم کی سزا میں آسمان سے بلا، جلاوطنی، قحط اور وبا جیسی مصیبتیں اس شہر پر نازل ہوں گی۔[81] اس واقعہ کو چار سال گزرنے نہ پائے تھے کہ شہر دہلی میں مہلک قحط پڑا اور سخت وبا پھیلی۔ وہ تمام علماء جو مخالفین کی طرف سے اس مجلس مباحثہ میں شریک تھے۔ محمد بن تغلق کے حکم سے دیوگیر جلاوطن کیے گئے۔ جو پیش گوئی سلطان جی کی زبان سے نکلی وہ مشاہدہ میں آئی۔[82]

سلطان جی کی تعلیم اور تحریک کے انقلابی اثرات:

سلطان جی نے تیس برس تک رشد وہدایت کا جو بازار گرم کیا اس کے اثرات نہ صرف ان کے مریدین وخلفاء پر ہوئے بلکہ تمام شہر اور اطراف واکناف کے معاشرتی واخلاقی حالات پر بھی پڑے۔ اس سلسلہ میں سلطان جی کے عہد کے مورخ ضیاء الدین برنی کا بیان عینی مشاہدہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ برنی کا بیان ہے:

''اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت عام کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ گنہگار لوگ ان کے سامنے اپنے گناہوں کا اقبال کرتے اور ان سے

Marfat.com

توبہ کرتے اور وہ ان کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیتے۔ خواص وعوام، مالدار و مفلس، امیر وفقیر، عالم وجاہل، شریف ورذیل، شہری ودیہاتی، غازی ومجاہد، آزاد وغلام ان سب سے وہ توبہ کراتے اور ان کو طاقیہ (ٹوپی) اور مسواک صفائی کیلئے دیتے۔ ان لوگوں سے کثیر تعداد جو خود کو شیخ کے مریدوں میں شمار کرتی تھی بہت سے ایسے کاموں سے پرہیز کرنے لگتی تھی جو کرنے کے لائق نہیں ہوتے۔ شیخ سے مرید ہونے کی شرم لوگوں کو بہت سے گناہوں سے ظاہر اور مخفی طور پر باز رکھتی۔ چنانچہ عام لوگ یا تو دوسروں کی تقلید میں یا خود اپنے اعتقاد کی بنیاد پر عبادت اور بندگی کی طرف راغب ہو گئے تھے اور مرد اور عورتیں، بوڑھے اور جوان، سوداگر اور عام لوگ، غلام اور نوکر اور کم عمر بچے سب نماز پڑھنے لگے تھے۔ ان کے ارادت مندوں کی اکثریت نماز چاشت واشراق کی پابند ہو گئی تھی۔ مخیر اور فیاض لوگوں نے شہر سے غیاث پور تک متعدد مقامات پر لکڑیوں کے چبوترے بندھوا دیئے تھے یا چھپر ڈالوا دیئے تھے اور کنویں کھدوا دیئے تھے اور پانی کے گھڑے اور مٹی کے لوٹے تیار رہتے تھے اور چھپروں میں بوریے بچھے رہتے تھے۔ ان چبوتروں اور چھپروں میں حافظ اور خادم مقرر کر دیئے جاتے تھے تا کہ شیخ کے مریدوں اور نائبوں کو اور دوسرے نیک لوگوں کو ان کے آستانے پر آتے اور جاتے وقت وضو کرنے اور وقت پر نماز ادا کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ ان چبوتروں اور چھپروں میں نفل نماز ادا کرنے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔ گناہوں کے ارتکاب اور ان کے متعلق لوگوں میں بہت کم بات چیت ہوتی تھی بلکہ ان میں اکثر و بیشتر جو گفتگو ہوتی وہ نماز چاشت واشراق کے متعلق ہوتی اور یہ لوگ یہی دریافت کرتے رہتے کہ زوال، اوابین اور تہجد کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی جاتی ہیں اور ہر رکعت میں قرآن کی کون سی سورت پڑھنی چاہیے اور یہ کہ پانچوں وقت کی نماز میں نفلوں کے بعد کون سی دعائیں آئی ہیں۔

شیخ کے نئے مریدان کے قدیم مریدوں سے اسی قسم کے سوال دریافت کرتے اور روزوں، نفلوں اور کم کھانے کے متعلق معلوم کرتے رہتے تھے۔ اس نیک زمانہ میں کثرت سے لوگ قرآن حفظ کرنے کا اہتمام کرتے تھے...... اس بابرکت زمانہ میں لوگوں کا کثرت سے نفل پڑھنا اور اس کو قائم رکھنا اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ سلطانی دربار سے منسلک امراء، سلاح داروں، محرروں، سپاہیوں اور بادشاہ کے غلاموں میں سے بہت سے لوگ جو شیخ کے مرید تھے چاشت اور اشراق کی نماز ادا کرتے تھے اور ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے۔ کوئی محلہ ایسا نہیں تھا جہاں ہر مہینہ، بیس روز کے بعد نیک لوگوں کی مجلس نہ ہوتی اور صوفیاء کا سماع نہ ہوتا اور اس میں گریہ ورقت نہ ہوتی۔ شیخ کے کئی مرید ایسے تھے جو مسجدوں میں یا گھروں میں نماز تراویح میں ختم قرآن کراتے اور ان لوگوں میں سے جو (ان عبادات میں) مستقیم الحال تھے اکثر و بیشتر رمضان میں اور جمعہ اور حج کی راتوں میں قیام کرتے تھے۔ ان بزرگوں میں بہت سے حضرات ایسے تھے جو دو تہائی یا تین چوتھائی رات تمام سال قیام اللیل میں گزارتے اور بعض عبادت گزار تو عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے...... عہد علائی کے آخری چند سالوں میں اکثر و بیشتر مسلمانوں میں سے کسی کی بھی زبان پر شراب وشاہد، فسق وفجور، قمار بازی، فحش حرکات، لواطت یا بچہ بازی کا ذکر تک نہیں آیا تھا۔ بڑے جرائم اور کبیرہ گناہ لوگوں کے نزدیک بمنزلہ کفر ہو گئے تھے۔ مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سودخوری اور ذخیرہ اندوزی کے مرتکب نہ ہوتے تھے اور خوف وہراس کی وجہ سے دکانداروں میں جھوٹ، کم تولنا مکاری ودغا، دھوکا دہی اور نادانوں کا روپیہ مار لینا سب قطعی طور پر ختم ہو گئے تھے۔ علم حاصل کرنے والے اور اشراف واکابر جو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے زیادہ تر تصوف وسلوک کی کتابوں اور ان صحیفوں کا مطالعہ کرتے رہتے تھے جن میں طریقت کے احکام ہوتے تھے۔ چنانچہ قوت القلوب، احیاء

Marfat.com

العلوم، عوارف المعارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیریہ، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح ولوامع قاضی حمید الدین ناگوری اور فوائد الفواد کے بہت زیادہ خریدار پیدا ہو گئے تھے۔ صوفیوں کی خریداری کی زیادتی کی وجہ سے لوٹے اور طشت چرمی مہنگے ہو گئے تھے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے شیخ نظام الدین کو اس آخر زمانہ میں جنید اور بایزید کی مثل پیدا کیا تھا۔"[83]

ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ میں ایک دن سلطان جی کی خدمت میں حاضر تھا۔ اشراق سے لے کر چاشت تک حضرت نے بہت سارے لوگوں کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کیا۔ اس موقع پر میرے دل میں خیال آیا کہ پہلے بزرگ مرید کرنے میں احتیاط کرتے تھے لیکن سلطان جی اپنے کرم وافر سے عوام وخواص کو مرید کرتے ہیں اور بیعت کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ اس کے بارے میں سوال کروں۔ سلطان جی میرے خطرہ سے بذریعہ کشف واقف ہو گئے اور فرمایا کہ تم ہر بات مجھ سے پوچھتے ہو۔ یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ میں بغیر حالات معلوم کیے کیوں ہر ایک کیلئے بیعت کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ پھر سلطان جی نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے ہر زمانہ میں ایک خاصیت رکھی ہے جس کی وجہ سے ہر زمانہ کے لوگوں کی عادت واطوار اور طور طریق مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ لوگوں کے اوضاع واطوار آج کے لوگوں میں کم پائے جاتے ہیں۔ یہ بات تجربہ پر مبنی ہے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر کے زمانہ سے لے کر شیخ سیف الدین باخرزی تک اور حضرت شہاب الدین سہروردی سے لے کر بابا صاحب کے زمانہ تک ان کے دروازے پر خلقت کا ہجوم ہوتا تھا۔ ان بزرگوں نے کثرت سے مرید کیے ہیں۔ اس لیے میں بھی مرید کرتا ہوں۔ میں نے تواتر سے سنا ہے کہ بہت سے وہ لوگ جو میرے مرید ہوئے ہیں ان میں سے اکثر لوگوں نے گناہوں سے توبہ کی ہے اور نماز باجماعت ادا کرتے ہیں اور وظائف ونوافل میں مشغول رہتے ہیں۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان نہایت عاجزی ومسکنت سے میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرنا چاہتا ہوں تو میں اس نیت سے کہ شاید اس کی یہ بات درست ہو اس کے بیعت کرنے کیلئے ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ میں سچے لوگوں سے سنتا رہتا ہوں کہ میری ارادت بیعت ہونے والے کو گناہوں سے باز رکھتی ہے۔[84]

Marfat.com

وصال:

سلطان جی نے وصال سے چالیس روز پہلے کھانا بالکل ترک کر دیا تھا۔ ہر وقت گریہ کی یہ کیفیت تھی کہ ایک گھڑی کیلئے بھی آنسو نہ رکتے تھے۔ ایک دن اخی مبارک نے مچھلی کا شوربہ پیش کیا۔ آپ نے نہ پیا اور فرمایا اسے پانی میں بہا دو۔ سید حسین کرمانی نے عرض کیا کہ آپ نے کئی روز سے کھانا چھوڑ دیا ہے اگر غذا پیٹ میں نہ ہوگی تو کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا سید! جو حضرت رسالت مابﷺ کی ملاقات کا مشتاق ہو وہ دنیاوی کھانے کیسے کھا سکتا ہے۔[85] آخری ایام میں جمعہ کے دن سے سلطان جی پر ایک عجیب حال طاری ہوا۔ آپ پر گریہ کا اور زیادہ غلبہ ہونے لگا۔ ہر روز چند دفعہ بے ہوش ہو جاتے اور پھر ہوش میں آتے۔ بار بار یہ فرماتے کہ آج جمعہ ہے اور دوست کو دوست کا وعدہ یاد آتا ہے۔ آپ اسی حال میں مستغرق رہتے تھے۔ اس کے علاوہ بار بار اس حال میں دریافت فرماتے تھے کہ کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے اور میں نے نماز ادا کر لی ہے۔ لوگ عرض کرتے کہ آپ نماز ادا کر چکے ہیں۔ فرماتے کہ میں دوسری مرتبہ نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ آپ ہر نماز کو دو مرتبہ ادا فرماتے۔ چند روز تک آپ اسی عالم میں رہے۔ کبھی کبھی آپ کی زبان سے نکلتا:

میر ویم ومیر ویم ومیر ویم

اسی حال میں آپ نے اپنے تمام اقرباء، خدام اور مریدوں کو جو اس وقت موجود تھے طلب فرمایا اور خادم اقبال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اس بات کے گواہ رہنا کہ اگر اس نے گھر میں کوئی جنس بھی رکھی تو کل قیامت کے دن یہ خدا کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ اقبال نے عرض کیا کہ میں کوئی چیز باقی نہ رہنے دوں گا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ سوائے غلہ کے، جو درویشوں کی چند روز کی خوراک تھا، سب کچھ تقسیم کر دیا۔ جب حضرت کو اطلاع پہنچائی گئی تو آپ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم نے اس مردار ریت کو کس لیے باقی رکھا ہے۔ خدا کی مخلوق کو بلاؤ۔ ایک گھڑی کے اندر لوگ جمع ہو گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ انبار خانوں کے دروازے توڑ کر جس قدر غلہ ان میں ہو بے خوف ہو کر لے جاؤ اور وہاں جھاڑو دے دو۔ چنانچہ لوگوں نے تمام غلہ لوٹ لیا۔ اس بیماری میں مریدین اور خدام حاضر ہو کر آپ سے پوچھنے لگے کہ آپ کے بعد ہم مسکینوں کا کیا ہوگا۔ فرمایا کہ تمہیں میرے روضہ سے نذر و نیاز کے طور پر اس قدر ملے گا کہ تمہیں کافی ہوگا۔[86] ایک روز شیخ رکن الدین ملتانی ملاقات کیلئے آئے۔ انہوں نے سلطان جی سے عرض کیا کہ انبیاء کو موت

کے وقت اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہیں تو وہ دنیا میں رہیں اور چاہیں تو اپنے مولیٰ کے پاس تشریف لے جائیں۔ چونکہ اولیاء بھی ان کے خلف ہیں اسلیے ان کو بھی یہ اختیار حاصل ہے۔ پھر انہوں نے سلطان جی سے گزارش کی کہ وہ بارگاہ الٰہی میں کچھ مزید مدت کیلئے اپنی زندگی کی درخواست کریں تا کہ ناقص (ان کے فیض سے) کمال حاصل کریں۔ سلطان جی نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں: نظام! ہمیں تمہاری ملاقات کا اشتیاق بہت ہے۔ آپ کی یہ بات سن کر شیخ رکن الدین اور تمام حاضرین رونے لگے۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ کھلی جگہ میں جہاں جنگل ہو انہیں دفن کیا جائے۔ بدھ کے دن 18 ربیع الآخر 725ھ کو طلوع آفتاب کے وقت آپ رحمت حق سے جا ملے۔ نماز جنازہ شیخ رکن الدین ملتانی نے پڑھائی۔ وصال کے وقت سلطان جی کی عمر تقریباً 80 سال تھی۔ حضرت بابا صاحب کے تبرکات یعنی خرقہ، عصا، مصلیٰ اور تسبیح قبر کے اندر رکھے گئے۔

Marfat.com

باب:4

تعلیمات

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی تعلیمات بنیادی طور پر کتاب وسنت سے مستعار ہیں۔آپ کے ارشادات وملفوظات میں آثار صحابہ وتابعین اور متقدمین صوفیاء ومشائخ کی تعلیمات کا واضح طور پر تو نظر آتا ہے۔اس باب میں سلطان جی کی اہم تعلیمات کا جائزہ لیا جائے گا اور ان کی توضیح واستشہاد میں قرآن وحدیث آثار صحابہ تابعین اور صوفیائے سلف کے ارشادات پیش کیے جائیں گے۔

زہد اور ترک دنیا:

سلطان جی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اپنے دن روزے رکھ کر گزارے اور راتیں نماز پڑھتے ہوئے بتائے اور حرمین کا زائر بھی ہو تو اصل بات جب ہوگی کہ دنیا کی محبت اس کے دل میں نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص خدا کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور دنیا کی محبت اس کے دل میں ہوتی ہے تو وہ اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔[1] ارشاد فرمایا کہ ایک بزرگ تھے پرہیزگار۔وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ نماز روزہ اور تسبیح واوراد سب دیگ کے مسالے ہیں۔اصل چیز دیگ میں گوشت ہوتا ہے جب تک گوشت نہ ہو ان مسالوں سے کچھ نہیں بنتا۔ان بزرگ سے پوچھا گیا کہ آپ یہ تمثیل اکثر بیان فرماتے ہیں ذرا تشریح بھی فرما دیجیے۔انہوں نے کہا کہ گوشت ترک دنیا ہے اور نماز روزہ اور تسبیح واوراد اس کے مسالے۔اول آدمی کو چاہیے کہ ترک دنیا اختیار کرے اور اس کا تعلق کسی چیز سے نہ رہے۔اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اگر گھی، کالی مرچ لہسن اور پیاز وغیرہ دیگ میں ڈالیں اور پانی بھی اس میں ڈالیں اور شوربہ تیار کریں تو اسے نقلی شوربہ کہیں گے۔اصلی شوربہ وہ ہوگا جو گوشت سے تیار ہو چاہے اس میں مسالے ہوں یا نہ ہوں۔[2]

دنیاوی زندگی کی بے ثباتی کا ذکر اور اس کے دام فریب سے بچنے کی تاکید قرآن کریم اور

Marfat.com

احادیث نبوی میں متعدد جگہ وارد ہوئی ہے۔ سورہ آل عمران میں ہے وما الحیوۃ الدنیا الامتاع الغرور (دنیا کی زندگی دھوکے کی پونجی کے سوا کچھ نہیں)۔ سورہ فاطر میں ہے لاتغرنکم الحیوۃ الدنیا ولایغرنکم باللہ الغرور (دنیا کی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے اور یہ دھوکہ باز تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے)۔ سورہ انعام میں ہے وذرالذین اتخذوا دینھم لعبا ولھوا وغرتھم الحیوۃ الدنیا (اوران لوگوں کو چھوڑ دیجیے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا اور دنیا کی زندگی نے انہیں بہکا دیا)۔ سورہ حدید میں ہے اعلموا انما الحیاۃ الدنیا لھو ولعب وزینتہ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفارنباتہ ثم بھیج فتراہ مصفرا ثم یکون حطاما وفی الاخرۃ عذاب شدید ومغفرۃ ورضوان وما الحیوۃ الدنیا الامتاع الغرور (تم خوب جان لو کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی محض لہو ولعب ہے اور ایک ظاہری زینت اور ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال ودولت میں ایک دوسرے سے زیادہ بتلانا ہے جیسے مینہ برستا ہے۔ اس کی پیداوار کاشت کاروں کو اچھی لگتی ہے پھر خشک ہو جاتی ہے پھر تم اسکو زرد دیکھتے ہو پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور خدا کی طرف مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے) سورہ طہٰ میں ہے ولاتمدن عینیک الی مامتعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ ورزق وبک خیروابقی (جو دنیاوی ٹھاٹھ ہر طرح کے ہم نے کافروں کو دیئے ہیں وہ ان کیلئے فتنہ ہیں۔ ان کی طرف نگاہ اٹھا کر مت دیکھو اور جو تمہارے رب نے تم کو دیا ہے اس سے بہت بہتر اور دیرپا ہے)۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کن فی الدنیا کانک غریب اوکعابر سبیل وعدنفسک من اصحاب القبور[3] (دنیا میں ایسے رہو جیسے مسافر یا راہگیر اور اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو)۔ آپ نے ارشاد فرمایا: الدنیا سجن المومن وجنتہ الکافر[4] (دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے اور کافر کیلئے جنت)۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: مالی والدنیا انما انا کراکب قال فی ظل شجرۃ ثم راح وترکھا.[5] (مجھے دنیا سے کیا سروکار۔ میں تو دنیا میں اس مسافر کی طرح ہوں جو کسی درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر دوپہر میں لیٹا پھر اسے چھوڑ کر چل دیا)۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: الا ان الدنیا ملعونتہ وملعون ما فیھا الاذکر اللہ تعالیٰ وما والا وعالما ومتعلما.[6] (خبردار کہ دنیا ملعون ہے اور اس میں جو کچھ ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے اور جو اس کو عزیز رکھے اور اس عالم اور علم سیکھنے والے

Marfat.com

کے)۔ آپؐ نے فرمایا: من کانت الاخرۃ همه جعل الله غناء ہ فی قلبه وجمع له شمله واتته الدنیا وھی راغمته ومن کانت الدنیا همه جعل الله فقرہ بین عینیه وفرق علیه شمله ومایاته من الدنیا الاماکتب له۔[7] (جسے آخرت مدنظر ہو تو اللہ تعالیٰ اسے دل کا غنی بنا دے گا اور اس کے بکھرے ہوئے کاموں کو جمع کر دے گا اور دنیا اس کے پاس ذلیل لونڈی بن کر آئے گی اور جس کے مدنظر صرف دنیا ہو اور دنیا ہی کی اس کو فکر ہو تو اللہ تعالیٰ محتاجی کو اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے کر دے گا اور اس کے تمام کام پراگندہ اور منتشر ہو جائیں گے اور اس کے پاس دنیا اتنی ہی آئے گی جتنا کہ اس کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے)۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ اے اللہ کے رسولؐ مجھے ایسا عمل بتائیے جس کے کرنے سے مجھے اللہ بھی محبوب رکھے اور بندے بھی پسند کریں۔ آپؐ نے فرمایا کہ دنیا میں زہد اختیار کر اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے نیاز ہو جا لوگ تجھے محبوب رکھیں گے۔[8] آپؐ نے فرمایا کہ دینار و درہم کے بندے نیز ریشمی چادروں اور اونی کپڑوں کے بندے ہلاک ہو گئے۔[9]

حضرت ابوخلادؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی انسان کو دیکھو کہ اسے اللہ تعالیٰ نے دنیا سے اعراض کرنے کی توفیق دی ہے اور ایسی گفتار دی ہے (کہ لوگوں کو دنیا سے اعراض کرنے کی وہ نصیحت کرتا ہے) تو تمہیں چاہیے کہ اس کا قرب حاصل کرو کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت کی تلقین ہوتی ہے۔[10] حضرت عمرو بن عوف انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو جزیہ لینے کیلئے بحرین بھیجا۔ وہ بحرین سے مال لے کر آئے۔ انصار نے سنا کہ حضرت ابوعبیدہؓ آ گئے ہیں تو وہ فجر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہو گئے جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ آپؐ کے سامنے آئے۔ آپؐ ان کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا میرا خیال ہے کہ تم نے سن لیا کہ ابوعبیدہؓ بحرین سے کچھ لائے ہیں۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: مبارک ہو اور خوشی کی امید رکھو۔ پھر آپؐ نے فرمایا: فواللہ مااخشی الفقر علیکم ولکن اخشی ان تبسط علیکم الدنیا کما سبطت علی من کان قبلکم فتنا فسوها کماتنافسوھافتھلککم کما اھلکتھم[11] (خدا کی قسم میں تمہارے لیے غریبی کو نہیں ڈرتا لیکن مجھے خوف ہے کہ تمہارے لیے دنیا بھی اسی طرح پھیلا دی جائے گی جس طرح تمہارے اگلوں کیلئے پھیلائی گئی تھی۔ تو جیسے اس نے ان کو ہلاک کیا کہیں تم کو بھی اس طرح ہلاک نہ کر

Marfat.com

دے)۔ ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: لکل امته فتنته و فتنته امتی المال[12] (ہر قوم کیلئے ایک فتنہ اور آزمائش ہے اور میری قوم کیلئے فتنہ مال و دولت ہے)۔

حضرت عطیہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ اس وقت متقی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک گناہ سے بچنے کی خاطر مباح چیزوں کو نہ چھوڑ دے۔[13] جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کریمہ فمن یرد اللہ ان یشرح صدرہ للاسلام (جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے تو اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے) میں شرح کے معنی دریافت کیے گئے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ دل میں پیدا فرماتا ہے۔ آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ اس کی علامت کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: التجا فی عن دار الغرور والانابته الی دار الخلود.[14] (دنیائے فانی سے منہ موڑ کر حیات ابدی کی طرف متوجہ ہو جانا)۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ ہم ستر قسم کی حلال اور جائز باتوں کو اس خوف سے چھوڑ دیا کرتے تھے کہ کہیں کسی حرام بات میں نہ پھنس جائیں۔[15] ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے سامنے شربت لایا گیا لیکن آپ نے اس کو نوش نہ فرمایا اور کہا کہ کہیں میں ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤں جن کے بارے میں آیا ہے کہ تم اپنی دنیا کی زندگی میں اپنے حصہ کے مزے اڑا چکے۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ اگر تم اپنے میں سے کسی شخص کے متعلق قسم کھا کر یہ کہو کہ وہ تم میں سب سے زیادہ دنیا سے بے رغبت ہے تو میں تم سے قسم کھا کر کہتا ہوں وہ تم میں سب سے اچھا ہے۔[16] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: آج تم لوگوں کی عبادت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ اور تمہاری نمازیں ان کی نمازوں سے زیادہ لمبی اور زیادہ ہیں مگر وہ تم سے بہتر تھے۔ پوچھا گیا کیوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ تم سے زیادہ دنیا سے بے نیاز اور آخرت کے شوقین تھے۔[17] حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا اور ان میں سے ایسی جماعتوں کے ساتھ رہا کہ وہ دنیا کی کسی چیز کے آنے سے خوش نہ ہوتے اور نہ کسی چیز کے جانے کا غم کرتے۔ دنیا ان کے نزدیک اس مٹی سے بھی زیادہ ذلیل تھی جس کو تم اپنے پاؤں سے روندتے ہو۔ بعض ان میں سے ایسے تھے کہ عمر بھر کبھی کپڑا تہ نہ ہوا اور نہ کبھی اپنی بیوی سے کھانے کی فرمائش کی اور نہ کبھی زمین پر سونے کیلئے کوئی چیز بچھائی۔ ان کو میں نے کتاب اللہ اور حدیث پر عمل پیرا پایا۔ جہاں رات ہوئی ہاتھ پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ چہروں کو زمین پر رکھتے اور رخساروں پر آنسو بہاتے کہ آخرت میں رہائی پائیں۔ جب کوئی اچھی بات کرتے تو اس سے خوش ہوتے اور اس کے شکر میں جدوجہد

Marfat.com

کرتے اور اللہ تعالیٰ سے اس کو قبول کرنے کی دعا مانگتے اور جب کوئی برائی ان سے سرزد ہو جاتی تو اس سے غمگین ہوتے اور خدا تعالیٰ سے درخواست کرتے کہ ہماری اس خطا کو معاف فرما۔ یقین جانو کہ وہ ہمیشہ اسی حال پر رہے۔[18]

خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جن کی نظر میں دنیا اس سے زیادہ بے قدر و قیمت تھی جتنی بے قدر و قیمت تمہاری نظروں میں تمہارے پاؤں کے نیچے کی گرد ہے۔ میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے کہ جن کے گھر رات آتی اور بجز اتنی غذا کے جو صرف ان ہی کیلئے کافی ہوان کے پاس اور کچھ نہ ہوتا۔ اس پر بھی وہ کہتے کہ صرف اپنے پیٹ میں اسے ڈال دوں یہ مناسب نہیں ہے بلکہ یہ کروں گا کہ کچھ خود کھاؤں گا اور کچھ اللہ کی راہ میں تقسیم کر دوں گا۔ حالانکہ اللہ کی راہ میں جو کچھ وہ دیتے تھے اس کے خود ہی زیادہ محتاج ہوتے تھے۔[19] حضرت سفیان ثوری نے فرمایا: تمام برائیاں ایک مکان میں رکھ دی گئیں اور اس کی کنجی دنیا میں رغبت میں رکھ دی گئی اور تمام خیر اور بھلائی ایک مکان میں رکھ دی گئی اور اس کی کنجی دنیا میں زہد کرنا قرار دی گئی۔[20] محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس میں تین خصلتیں پیدا فرما دیتا ہے: دین کی سمجھ، دنیا سے بے رغبتی اور اپنے غیب پر نظر[21] یوسف بن حسین رازی نے دنیا میں دو قسم کی سرکشی ہے ایک علم کی سرکشی اور دوسری مال کی سرکشی۔ علم کی سرکشی سے چھٹکارا دلانے والی چیز عبادت ہے اور مال کی سرکشی سے نجات دلانے والی چیز زہد اور پرہیز گاری ہے۔[22] حضرت ابو سلیمان دارانی نے فرمایا کہ ہر شے کیلئے مہر ہے اور جنت کا مہر دنیا اور اس میں جو کچھ بھی ہے اس کا ترک کر دینا ہے۔[23]

اطاعت و زہد میں اعتدال:

اسلامی نظریہ حیات کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اس میں غلو اور افراط و تفریط نہیں ہے بلکہ توازن اور اعتدال ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے قاربو او سددوا[24] (میانہ روی اختیار کرو اور راہ راست پر چلو)۔ نیز آپؐ نے فرمایا علیکم ھدیا قاصدا[25] (اپنے اوپر درمیانی طریقہ لازم کرلو)۔ زہد اور ترک دنیا کے بارے میں کتاب وسنت، آثار صحابہ و تابعین اور متقدمین صوفیاء کے اقوال ہم نقل کر آئے ہیں۔ بعض صوفیاء اور زہاد نے زہد کے بارے میں غلو سے کام لیا جو ان کے مقامات و احوال کے موافق تھا لیکن وہ دوسروں کیلئے حجت نہیں ہو سکتا۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ زہد تین طرح کے ہوتے ہیں: (۱) ترک

Marfat.com

حرام یہ عوام کا زہد ہے۔ (2) حلال چیزوں میں سے فضول باتوں کا ترک کر دینا یہ خواص کا زہد ہے۔ (3) ان تمام چیزوں کا ترک کر دینا جو بندہ کو اللہ سے چھڑا کر اپنی طرف مشغول رکھتی ہیں۔ یہ عارفین کا زہد ہے۔[26]

کتاب وسنت میں، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں، صحابہ کرام اور تابعین عظام کی سیرت میں اور صوفیائے متقدمین کی تعلیمات میں زہد کا جو مقصود پایا جاتا ہے وہ افراط وتفریط سے پاک ہے اور اس میں ایک صالح توازن پایا جاتا ہے۔ یہی نظریہ ہمیں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی تعلیمات وملفوظات اور ان کی سیرت میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ہم پہلے ان کے ارشادات نقل کریں گے اور پھر اس کے استشہاد وتوضیح میں کتاب وسنت، آثار صحابہ وتابعین اور صوفیائے سلف کے اقوال پیش کریں گے۔

سلطان جی فرماتے ہیں کہ سونا چاندی، گھوڑے اور سامان دنیا نہیں ہیں بلکہ ان سے تعلق اور محبت رکھنا دنیا ہے۔ اگر ان سے محبت اور تعلق نہ رکھے تو یہ دنیا نہیں ہیں۔[27] ایک دفعہ آپ کی مجلس میں یہ سوال پیش ہوا کہ دنیا کی تعریف کیا ہے یعنی کون سی چیز دنیا ہے اور کون سی چیز دنیا نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک چیز ظاہر اور باطن دونوں میں دنیا ہے اور ایک ظاہر اور باطن میں دنیا ہے۔ ایک ظاہر میں دنیا نہیں ہے لیکن باطن میں دنیا ہے اور ایک ظاہر میں دنیا اور باطن میں دنیا نہیں ہے۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر وہ چیز جو ضرورت سے زیادہ ہو دنیا ہے۔ جو صورت اور معنی میں دنیا نہیں ہے وہ خلوص کے ساتھ اطاعت ہے۔ جو صورت میں دنیا نہیں ہے اور معنی کے اعتبار سے دنیا ہے وہ ایسی اطاعت ہے جو ریا کاری سے کی جائے۔ جو صورت میں دنیا ہے مگر معنی میں دنیا نہیں ہے وہ اپنی بیوی کا حق زوجیت ادا کرنا ہے۔[28]

ایک مجلس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

ترک دنیا آن نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوتہ بہ بنوشیند۔ ترک دنیا آن است کہ لباس بپوشد وطعام بخورد وانچہ می رسد روا دارد بجمع او میل نکند وخاطر را متعلق چیزے ندرد ترک دنیا است۔[29]

(ترک دنیا کے یہ معنی نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو ننگا کر لے اور لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ترک دنیا یہ ہے کہ لباس پہنے اور کھانا کھائے البتہ جو کچھ ملے اسے خرچ کرتا رہے جمع نہ کرے اور اس سے رغبت نہ رکھے اور دل کو کسی چیز سے اٹکائے نہ رکھے)۔

ایک مجلس میں دنیا کی عداوت اور محبت کا ذکر آیا۔ ارشاد فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک

Marfat.com

قسم وہ جو دنیا کو دوست رکھتی ہے اور ہر روز اس کے خیال اور طلب میں رہتی ہے اور ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو دنیا کو دشمن رکھتی ہے اور اس کا ذکر برائی کے ساتھ کرتی ہے اور پوری طرح اس سے عداوت کرنے میں لگی رہتی ہے۔ تیسری قسم وہ ہے کہ دنیا کو نہ دوست رکھتی ہے نہ دشمن اور اس کا ذکر محبت یا عداوت کے ساتھ نہیں کرتی۔ یہ قسم دونوں قسموں سے بہتر ہے۔ [30]

سلطان جی نے فرمایا کہ ایک فارغ مشغول ہے جو بظاہر یاد الٰہی میں مشغول ہو لیکن اس کا باطن مختلف علل و اسباب سے پراگندہ ہو۔ مشغول فارغ وہ ہے جو ظاہر میں خلقت کی تکلیفوں کے بوجھ کو برداشت کرتا ہے اور باطن کو یاد الٰہی میں مشغول رکھتا ہے۔ سالک کو لکڑی سے کم نہیں ہنا چاہیے (کہ خود تو جلے مگر دوسروں کو فائدہ پہنچائے)۔ اصل کام دل کا مراقبہ ہے کہ وہ اعضا کی تمام عبادتوں میں راجح اور موثر ہے۔ [31] ارشاد فرمایا کہ ہمتیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ ایک شخص تو یہ ہمت رکھتا ہے کہ دنیا طلب کرے اور ایک کی ہمت یہ ہوتی ہے کہ دنیا اس کے پاس نہ پھٹکے۔ ان دونوں قسموں میں بہتر ہمت یہ ہے کہ اگر ملے تو سبحان اللہ اور نہ ملے تو سبحان اللہ۔ دونوں حال میں مگن رہے۔ پھر فرمایا کہ ایک آدمی جو یہ کہتا ہے کہ مجھے دنیا نہیں چاہیے اس کا یہ نہ چاہنا بھی چاہنا ہی ہے۔ اللہ کی مرضی پر راضی رہنا چاہیے اگر مل جائے تو خرچ کر دے اور نہ ملے تو صبر کرے اور خوش رہے۔ [32]

ایک رز مولانا حسام الدین ملتانی، مولانا جمال الدین نصرت خانی اور مولانا شرف الدین یہ تینوں بزرگ سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے مولانا حسام الدین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جو شخص دن کو روزہ رکھے اور تمام رات عبات میں گزار دے تو یہ بیوہ عورتوں کا کام ہے۔ اتنا کام تو ہر بیوہ عورت کر سکتی ہے۔ اگر خلق خدا کے کاموں میں مشغول رہ کر عبادت کی جائے تو اسی کو واقعتاً ذکر خدا اور عبادت کہتے ہیں اور اسی کا نام شغل ہے۔ [33]

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز ایک مقصد کے تحت بنائی ہے۔ دنیا کی تخلیق جس مقصد کے تحت ہوئی ہے اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو یہ کہ دنیا اور اس کی تمام نعمتیں انسان کیلئے بنائی گئی ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعا (اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی زمین کے اندر ہے تمہارے لیے پیدا فرمایا ہے)۔ دوسری جگہ ارشد فرمایا سخر لکم ما فی السموت ولارض جمیعا منه (اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی زمین اور آسمانوں میں ہے تمہارے تابع کر دیا ہے)۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں سے اعراض نہ کرے۔ ولا تنس نصیبک من الدنیا (دنیا میں تمہارا جو حصہ ہے اسے فراموش نہ کرو)۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ اللہ

تعالیٰ نے دنیا اور اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کیلئے ایک اخلاقی وشرعی ضابطہ بنایا ہے۔ یہ اخلاقی وشرعی ضابطہ اعتدال اور توازن کے زریں اصول پر مبنی ہے اور انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے تمتع اس انداز میں ہونا چاہیے کہ اس میں نہ تو اسراف وضیاع ہو اور نہ ہی نفس کشی۔ اسلامی نظریہ حیات ہر قسم کی افراط وتفریط اور انتہا پسندی سے پاک ہے۔ اس میں نہ تو رہبانیت کی گنجائش ہے اور نہ ہی بے لگام لذت کوشی اور اباجیت کی۔

تخلیق عالم کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے **انا جعلنا ما علی الارض زینته لها لنبلوهم ایهم احسن عملا** (بے شک زمین پر جو کچھ بھی ہے اسے اس کی آرائش کیلئے ہم نے بنایا ہے تاکہ ہم یہ آزمائیں کہ عمل کی میزان میں کون اچھا ہے)۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں کی یہ صفت بتلائی گئی کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی یاد الٰہی سے ایک لحظہ کیلئے بھی غافل نہیں ہوتے۔ چنانچہ سورہ نور میں ارشاد ہے **رجال لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله واقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة یخافون یوما تتقلب فیه القلوب والابصار** (وہ مرد کہ جنہیں تجارت اور لین دین اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز وزکوٰۃ سے غافل نہیں کرے وہ اس دن کا خوف رکھتے ہیں جب دل اور آنکھیں پلٹائی جائیں گی)۔ لہٰذا زہد اور ترک دنیا کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ آدمی دنیا میں رہتے ہوئے اپنے باطن کو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھے۔ زہد کا یہی تصور کتاب وسنت، اسوہ صحابہ تابعین اور صوفیائے سلف کی تعلیمات سے مستفاد ہوتا ہے اور یہی تصور خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی تعلیمات وملفوظات میں ملتا ہے۔ سلطان جی سے پوچھا گیا کہ اعمال میں افضل ترین عمل کونسا ہے تو آپ نے فرمایا سر یعنی ظاہر میں مجلس میں ہونا اور باطن میں مشغول ہونا۔[34]

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ میں ہمیں اطاعت وزہد کا کامل نمونہ نظر آتا ہے۔ آپؐ جانوروں کو اپنے ہاتھ سے چارہ ڈالتے تھے۔ اونٹوں کو خود باندھتے اور کھولتے تھے۔ بھیڑوں اور بکریوں کا دودھ خود دوہتے تھے۔ نعلین خود گانٹھ لیتے۔ نوکر اگر کام کاج سے تھکاوٹ محسوس کرتا تو اس کا ہاتھ بٹاتے یہاں تک کہ چکی پیسنے میں اس کی مدد فرماتے۔ بازار سے سودا سلف خرید کر خود ہی چادر میں باندھ کر گھر لاتے۔ کوئی بھی خستہ حال اور خاک آلود شخص جو آپؐ کو اپنے ہاں بلاتا آپؐ خندہ پیشانی سے اس کی دعوت قبول فرماتے۔ آپؐ بال بچوں میں رہتے۔ ان کی دلجوئی کرتے۔ ان کے ساتھ مزاح فرماتے۔ نیک خوئی، کریم الطبعی اور خوش معاشرتی کا عمدہ ترین نمونہ آپؐ کی ذات مبارک تھی۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ زہد وعبادت اور تسلیم ورضا کا پیکر تھے۔ اللہ

Marfat.com

تعالٰی کے سامنے خود سپردگی کا جذبہ آپؐ کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کو بھائی بھائی بنایا تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت سلمانؓ حضرت ابوالدرداءؓ سے ملاقات کو آئے تو ان کی بیوی ام درداء کو پریشان پایا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے۔ میں تمہیں پریشان حال دیکھتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے بھائی ابوالدرداء کو دنیا کی حاجت نہیں۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ابوالدرداء آئے تو انہوں نے حضرت سلمان کے آگے کھانا رکھا اور کہا کہ آپ کھائیے میں روزہ سے ہوں۔ حضرت سلمان نے فرمایا کہ جب تک آپ نہ کھائیں گے میں بھی نہ کھاؤں گا۔ یہ سن کر حضرت ابوالدرداء نے کھانا کھا لیا۔ جب رات ہوئی تو وہ (تہجد کی نماز پڑھنے کیلئے) اٹھے۔ حضرت سلمان نے ان سے کہا کہ سو رہیے۔ وہ سو رہے۔ حضرت ابوالدرداء پھر اٹھے۔ حضرت سلمان نے کہا ہاں اب اٹھیے۔ چنانچہ دونوں نے نماز پڑھی پھر ان سے حضرت سلمان نے فرمایا کہ خود آپ کا بھی تو اپنے اوپر کچھ حق ہے اور آپ کے پروردگار کا بھی آپ پر حق ہے۔ آپ کے مہمان کا بھی آپ پر حق ہے اور آپ کے گھر والوں کا بھی حق ہے لہٰذا ان سب کو ان کا حق دیں۔ اس کے بعد دونوں حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی تمام باتیں بیان کیں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ سلمان نے سچ کہا۔[35]

حضرت بلال بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ اپنی ضرورتوں اور کاموں میں لگے دوڑ دھوپ کرتے اور ایک دوسرے سے ہنس کر ملتے اور جب رات ہوتی تو راہب ہوتے یعنی عبادت میں مشغول ہوتے۔[36] حضرت عبداللہ بن مبارک ایک مرتبہ جہاد میں تھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: تم ایسا عمل بھی جانتے ہو جو اس عمل سے افضل ہے جس میں ہم مصروف ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے۔ یہ اللہ تعالٰی کی راہ میں جہاد ہے اعداء الٰہی سے قتال ہو رہا ہے۔ بھلا اس سے افضل عمل اور کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ وہ عمل یہ ہے کہ سوال نہ کرنے والا عیالدار آدمی رات کو اٹھے۔ سوتے بچوں کو دیکھے کہ ان پر سے کپڑا ہٹ گیا ہے اور وہ ان پر کپڑا ڈال دے۔ یہ عمل اللہ کی راہ میں جہاد سے بھی افضل ہے۔[37] حضرت سری سقطی کے آخری وقت میں حضرت جنید ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے نصیحت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ مخلوق میں رہتے ہوئے خالق سے غافل نہ ہونا۔ یہ کہہ کر آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔[38] حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ گوشہ نشینی کی تکلیف برداشت کر لینا لوگوں سے میل جول اور مدارات کرنے سے زیادہ آسان ہے۔[39] حضرت منصور

Marfat.com

بن عبداللہ کہتے ہیں کہ کسی نے جریری سے گوشہ نشینی کی نسبت سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ گوشہ نشینی یہ ہے کہ تو لوگوں کے ہجوم میں داخل ہو جائے مگر اپنے باطن کو لوگوں کی مزاحمت سے محفوظ رکھے، اپنے نفس کو گناہوں سے علیحدہ رکھے اور یہ کہ تمہارے باطن کا تعلق حق کے ساتھ رہے۔ [40]

حضرت محمد واسع فرماتے ہیں کہ دنیا میں رہتے ہوئے زہد اختیار کرو۔

شیخ محی الدین ابن عربی (متوفی 638ھ) اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں قرآن کریم کی آیت رجال لاتلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله: کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مردان خدا کی تین قسمیں ہیں۔ پہلے طبقہ میں زہاد و عباد ہیں۔ دوسرے طبقہ میں وہ افراد شامل ہیں جو کائنات کی ساری کارفرمائیوں میں صرف خدا ہی کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ آدمی کے اندر اور باہر جو کچھ بھی ہو رہا ہے سب اللہ ہی کے حکم اور ارادہ سے ہو رہا ہے۔ ریاکاری اور خودنمائی کا کوئی سوال ہی ان کے سامنے باقی نہیں رہتا۔ تیسرا طبقہ وہ ہے کہ نماز اور دیگر دینی فرائض سے متعلق ان کی کوشش ہوتی ہے کہ عوام کے مقابلہ میں کسی قسم کا امتیاز ان کے طرز عمل سے پیدا نہ ہو۔ وہ عام لوگوں کی طرح بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ ان میں کسی قسم کا امتیازی رنگ پیدا نہ ہو۔ میں ایسی وضع قطع کو اختیار کرتے ہیں جس کا رواج عام آبادی میں ہوتا ہے۔ یہ عوام میں گھلے ملے رہتے ہیں۔ دل میں اندر ہی اندر تنہا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے آپ کو اس طریقے سے باندھے رکھتے ہیں کہ خدا کے سوا گویا ان کے اندر کچھ اور نہیں ہے۔ اپنے مالک اور معبود کے ساتھ بندگی کے رشتہ کو ہمیشہ تروتازہ رکھتے ہیں۔ خدا کے سامنے اپنی ہیچ میرزی، خاکساری، محتاجی اور ذلت کا احساس ان میں ہر وقت اور ہر حال میں بیدار رہتا ہے۔ اگرچہ ان کے شعور میں یہ احساس جاری وساری ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے خدا ہی کی طرف سے ہو رہا ہے پھر بھی وہ اسباب کی حکمتوں کو پہچانتے ہیں اور اس کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ جس ملک یا شہر میں جائیں وہاں کے عام لوگوں کا لباس اختیار کرتے ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے، بیوہ غریب کی ضرورتوں کی تکمیل کی کوشش کرتے ہیں۔ بال بچوں کے ساتھ ہنستے بولتے ہیں۔ اہل اللہ میں سب سے اونچا طبقہ ان ہی کا ہے۔ ان کے نزدیک سلوک کی راہ میں شرط اول یہ ہے کہ عوام کے مقابلہ میں کوئی ایسا طرز عمل اور حال اختیار نہ کیا جائے جو ان کو عامیوں سے جدا کر دے۔ ان لوگوں کی شہرت کرامتوں میں بھی نہیں ہوتی۔ [41]

کسی عارف سے پوچھا گیا کہ عارف کون ہے؟ جواب ملا کائن بائن۔ مقصد یہ ہے کہ عارف وہ ہے جو مخلوق کے ساتھ ہے مگر اپنے باطن کے اعتبار سے اس سے جدا ہے۔ ابوعلی دقاق کہتے ہیں کہ جو لباس لوگ پہنتے ہیں تو بھی ان کے ساتھ وہی پہن اور جو کچھ وہ کھاتے ہیں تو بھی کھا

مگر اپنے باطن کے اعتبار سے ان سے الگ رہ۔[42] شیخ ابوسعید ابوالخیر سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے۔آپ نے فرمایا یہ کوئی مشکل کام نہیں۔بعض جانور پانی کے نیچے بھی چلتے ہیں۔کسی نے آپ سے کہا کہ فلاں شخص ہوا میں اڑتا ہے۔آپ نے فرمایا کہ کوے اور مرغابیاں بھی ہوا میں اڑتی ہیں۔کسی نے کہا کہ فلاں شخص ایک لمحہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر تک پہنچ سکتا ہے۔آپ نے فرمایا کہ شیطان ایک لمحہ میں مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتا ہے۔ان خوارق کی کوئی قدر وقیمت نہیں۔مرد وہ ہے جو مخلوق خدا کے درمیان رہے اور لین دین کا معاملہ رکھے،اہل وعیال میں زندگی بسر کرے اور لوگوں سے بھی تعلق رکھے اور پھر ایک لحظہ کیلئے بھی خدا سے غافل نہ ہو۔[43]

روایت ہے کہ ایک عارف نے دنیا سے اس قدر کنارہ کشی اختیار کر لی کہ لوگوں سے بچ کر جنگل میں نکل گیا اور یہ عہد کر لیا کہ میں کسی شخص سے کوئی چیز طلب نہیں کروں گا۔میرا رزق خود میرے پاس جب آئے گا تب کھاؤں گا۔چلتے چلتے وہ ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچا اور وہاں سات دن تک بیٹھا رہا لیکن کھانے کو کوئی چیز نہیں ملی یہاں تک کہ وہ مرنے کے قریب پہنچ گیا۔اس وقت اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی کہ الٰہی اگر تو مجھے زندہ رکھنا چاہتا ہے تو میرا رزق مجھے عطا فرما دے جو تو نے میری قسمت میں لکھ دیا ہے ورنہ مجھے موت دے دے۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو الہام ہوا کہ میں اپنی عزت وجلال کی قسم کھاتا ہوں میں تجھ کو اس وقت تک رزق نہیں دوں گا جب تک تو بستی میں نہ جائے اور لوگوں کے ساتھ رہنا سہنا شروع نہ کر دے۔اس الہام کے بعد وہ شہر میں داخل ہوا اور لوگوں سے ملا جلا تو اس وقت کوئی اس کیلئے کھانا لایا اور کسی نے پانی پیش کیا۔جب وہ خوب کھا پی چکا تو اس کو کچھ دہشت ہوئی۔اس وقت ہاتف غیبی کی طرف سے اس کو آواز آئی کہ تو چاہتا تھا کہ دنیا چھوڑ کر نظام عالم اور حکمتِ الٰہی کو باطل کر دے۔کیا یہ تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت کے ہاتھوں رزق دینے سے زیادہ مرغوب ومحبوب یہ ہے کہ بندے بندوں کو رزق پہنچائیں۔[44]

مخالفت نفس:

جملہ صوفیاء کرام کے نزدیک بالعموم اور چشتی مشائخ کے نزدیک بالخصوص نفس پر قابو پانے کی بڑی اہمیت ہے۔ان کے یہاں عبادت ومجاہدہ کی اصل نفس کی مخالفت ہے۔سیرت وکردار کی تشکیل،اخلاق کی درستی اور اصلاح باطن کیلئے مخالفت نفس کی جو اہمیت ہے وہ کتاب وسنت اور آثار صحابہ سے ثابت ہے۔صوفیائے متقدمین کی تعلیمات اور ارشادات میں بھی مخالفت نفس کی

Marfat.com

اہمیت پوری طرح اجاگر ہے۔

قرآن کریم میں ہے ان النفس لامارۃ بالسوء (بے شک نفس برائی کی طرف زبردست حکم کرنے والا ہے)۔سورہ نازعات میں ہے **واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى فان الجنته هى الماوى** (اور جو کوئی اپنے رب کے پاس کھڑے ہونے سے ڈرا اور اپنے آپ کو ھوی سے روکا اس کا ٹھکانا جنت ہے)۔حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عقلمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو قابو میں کرے اور ایسا عمل کرے جو اسے مرنے کے بعد کام آئے اور بے وقوف وہ شخص ہے کہ اپنے نفس کو اپنی خواہش کے تابع کر دے اور اللہ تعالیٰ سے بڑی بڑی امیدیں رکھے۔[45] حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف خواہشات کی پیروی کرنے والے اور لمبی لمبی آرزوؤں والے سے ہے۔[46] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک شخص کی تعریف کی گئی تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ موت کی یاد میں اس کا کیا حال ہے۔لوگوں نے کہا کہ ہم نے نہیں سنا کہ وہ موت کی یاد کرتے ہیں یا نہیں کرتے ہیں۔پھر آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اپنی خواہش کے چھوڑنے میں اس کا کیا حال ہے۔لوگوں نے کہا کہ وہ دنیا سے خوب حصہ لیتے ہیں۔آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی کا یہ درجہ نہیں ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: **حجبت النار بالشهوات وحجبت الجنته بالمكارة** (جہنم شہوتوں سے گھری ہوئی ہے اور جنت خواہشات سے ڈھانپی ہوئی ہے)۔[47]

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔نجات کا ذریعہ یہ چیزیں ہیں: ظاہر و باطن میں خدا سے ڈرنا، رضامندی اور غصہ کی حالت میں انصاف کرنا، مفلسی اور تونگری دونوں صورتوں میں کفایت شعاری کو اپنانا۔ہلاک کرنے والی یہ چیزیں ہیں: طبعی بخل کی پیروی کرنا اور خواہش کی پیروی کرنا، خود پسندی اختیار کرنا۔[48]

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے: دو چیزوں کا تم سے مجھ کو اندیشہ ہے۔طویل امیدیں اور خواہش نفسانی کی پیروی۔طویل امید تو آخرت کو بھلا دیتی ہے اور خواہش نفسانی کی پیروی حق سے روک دیتی ہے اور بہ تحقیق دنیا واپس جا چکی اور آخرت آگے آ رہی ہے۔ان میں سے ہر ایک کے طلبگار بھی ہیں۔تم آخرت کے طلبگار بنو اور دنیا کے طلبگار مت بنو کیونکہ آج عمل ہے حساب نہیں اور کل حساب ہے عمل نہیں۔[49] حضرت عمرؓ اپنے لڑکے عاصم کے پاس اس وقت پہنچے کہ وہ گوشت کھا

رہے تھے۔ پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ گوشت کھانے کو جی چاہتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اور جب کبھی کسی چیز کو بہت جی چاہے گا تو کھالیا کرو گے۔ آدمی کے فضول خرچ ہونے کو یہ کافی ہے کہ ہر چیز جس کو جی چاہے کھالیا کرے۔[50] حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ہر چیز کیلئے ایک آفت ہوتی ہے۔ علم کیلئے بھول جانا آفت ہے۔ فضول خرچی سخاوت کیلئے آفت ہے۔ دکھاوا اور اکڑنا جمال کیلئے آفت ہے۔ ریا کاری دین کیلئے آفت ہے اور خواہش نفسانی اسلام کیلئے آفت ہے۔[51]

حضرت حاتم اصم فرماتے ہیں کہ جو کوئی ہمارے طریقہ میں داخل ہونا چاہے تو اسے چاہیے کہ اپنے اندر موت کی چار خصلتیں پیدا کرے: سفید موت، کالی موت، لال موت اور ہری موت۔ سفید موت بھوک ہے۔ کالی موت لوگوں کو تکلیف دینا ہے۔ لال موت مخالفت نفس ہے اور ہری موت چیتھڑے پر چیتھڑے لگانا ہے (یعنی پیوند لگے کپڑے پہننا ہے)۔[52] حضرت سلیمان دارانی نے فرمایا کہ سب سے بہتر عمل ہوائے نفس کی مخالفت ہے۔[53] امام قشیری فرماتے ہیں کہ نفس کی مخالفت اصل عبادت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجاہدہ کی حقیقت اور اس کا تمام تر دارومدار اس بات پر ہے کہ انسان اپنے نفس کو ان تمام امور سے چھڑا دے جن کا وہ عادی ہو چکا ہے اور اسے بالعموم اپنی خواہش کے خلاف کام کرنے پر مجبور کرے۔ دو باتیں نفس کو نیک کام کرنے سے روکتی ہیں۔ ایک تو خواہشات میں منہمک ہونا اور دوسرا اطاعت گزاری سے باز رہنا۔ جب نفس سرکش ہو کر اپنی خواہش کے مطابق کام کرنا چاہے تو اس وقت تقویٰ کی لگام ڈال کر اسے روکنا ضروری ہو جاتا ہے اور دین کے موافق کاربند ہونے سے اکڑ جائے تو اسے اس کی خواہش کے خلاف چلانا چاہیے۔ عوام کی کوشش اعمال کو پورے طور پر ادا کرنے میں ہوتی ہے اور خواص کا ارادہ اپنی حالت کو پاک وصاف کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے بھوک اور بیداری کو برداشت کر لینا ایک آسان اور معمولی بات ہے اور برے اخلاق کے ساتھ جنگ کرنا اور خسیس وحقیر اخلاق سے پاک ہونا بہت مشکل امر ہے۔[54]

شیخ ضیاء الدین سہروردی فرماتے ہیں: نفس کی دو صفتیں ہیں کہ وہ شہوتوں میں منہمک رہتا ہے اور اطاعتوں سے باز رکھتا ہے تو اس کو مجاہدات کے ذریعہ رام کرنا پڑے گا اور وہ اس طرح کہ اس کو اس کی مالوف چیزوں سے باز رکھے اور جن باتوں سے وہ گریز کرتا ہے ان کے کرنے کیلئے اس کو آمادہ کرے اور شہوتوں سے اس کو منع کرے اور تکالیف اٹھانے کی عادت ڈالے اور اس کو کڑوے گھونٹ پلائے اور اوراد کی کثرت رکھے اور روزے اور نوافل کی پابندی کرے۔ غرض یہ کہ

Marfat.com

نفس کی مخالفت میں ثابت قدم رہے اور بری عادتیں اس سے چھڑائے اور اس بات کی کوشش کرے کہ بجائے نیند کے بیدار اور بجائے سیر ہو کر کھانے کے بھوکا رہے اور خوشحالی کے بجائے تنگی کو پسند کرے۔[55] حضرت ابوالعباس احمد بن محمد آملی فرماتے ہیں کہ طبیعتوں کی مرغوبات سے چین اور راحت پانے والا شخص درجات حقائق سے محروم رہ جاتا ہے۔[56] حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ جس نے نفس پر قبضہ کر لیا وہ پورے عالم پر قابض ہو گیا۔ موافقت نفس صدیقین کا پہلا گناہ ہے کیونکہ مخالفت نفس سے بہتر کوئی عبادت نہیں۔[57] حضرت ذوالنون مصری سے کسی نے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اپنے ظاہر کو خلق کے اور باطن کو خالق کے حوالے کر دو اور خدا کے ساتھ ایسا تعلق قائم کرو جس کی وجہ سے وہ تمہیں مخلوق سے بے نیاز کر دے اور یقین پر کبھی شک کو ترجیح نہ دو اور جس وقت تک نفس اطاعت پر آمادہ نہ ہو مسلسل اس کی مخالفت کرتے رہو اور مصائب میں بسر کرتے ہوئے زندگی خدا کی یاد میں گزار دو۔[58]

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ ہمت بلند رکھنی چاہیے اور دنیا کی آلائش میں نہیں پھنسنا چاہیے۔ خواہشات سے بلند ہو جانا چاہیے۔[59] سلطان جی نے فرمایا کہ آدمی میں دو چیزیں ہیں: نفس اور قلب۔ اگر کوئی کسی کے ساتھ نفس سے پیش آئے تو اس کے ساتھ دوسرے کو قلب سے پیش آنا چاہیے یعنی نفس میں سراسر دشمنی اور فتنہ و فساد ہے اور قلب میں سرتاپا سکون، نرمی اور رضا ہے۔ جب اس شخص کے ساتھ جو نفس کے ساتھ پیش آتا ہے یہ قلب کے ساتھ پیش آئے گا تو اس کا نفس مغلوب ہو گا۔ اگر کوئی شخص نفس کا مقابلہ نفس سے کرے گا تو فتنہ و فساد اور دشمنی زیادہ ہو گی۔[60] صوفیاء کے نزدیک نفس سے مراد بندے کے وہ اوصاف ہیں جن میں خامی پائی جاتی ہے اور وہ اخلاق و اعمال مراد لیے جاتے ہیں جو مذموم ہیں۔ بندے کے وہ اوصاف جن میں کوئی خامی پائی جائے دو قسم کے ہیں۔ وہ اوصاف جن کو اپنے اختیار سے حاصل کیا جائے جیسے معصیت اور احکام شرع کی مخالفت۔ دوسرے اخلاق مذمومہ ہیں۔ یہ قسم اپنی ذات میں مذموم ہوتی ہے۔ اگر بندہ کوشش کرے اور ان سے جنگ کرے تو متواتر عادت بنا لینے اور معاہدہ کے ذریعہ اخلاق مذمومہ سے وہ نجات پا لیتا ہے۔ دوسری قسم میں ردی اور مذموم اخلاق ہیں۔ چنانچہ کبر، غضب، کینہ، حسد اور عدم تحمل وغیرہ اخلاق مذمومہ ہیں۔[61] اوصاف حمیدہ کا مقام قلب و روح ہے اور اوصاف مذمومہ کا مقام نفس ہے۔[62] حضرت ابوبکر رازی فرماتے ہیں: روح نیکی کی کھیتی ہے اور اس لیے کہ یہ رحمت کی کان ہے اور نفس اس لیے برائی کی کان ہے کہ وہ خواہشات کی جڑ ہے۔ روح ہمیشہ نیکی کا ارادہ رکھتی ہے اور نفس شر کا۔ خواہشات جسم کی تدبیر کرتی ہیں اور عقل روح کی مدبر ہے اور

Marfat.com

معرفت دل میں ہوتی ہے۔خواہشات نفس کی علمبردار ہیں اور عقل دل کے لشکر کی۔حضرت شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں: جب کوئی صوفی نفس سے مغلوب ہو کر اپنے کسی بھائی سے جھگڑ بیٹھے یا آمادہ پیکار ہو تو دوسرے بھائی کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس کے نفس کا مقابلہ اپنے قلب سے کرے کیونکہ جب نفس کا مقابلہ قلب سے کیا جاتا ہے تو برائی اور شر کا مادہ زائل ہو جاتا ہے اور اگر اس نے بھائی کے نفس کا مقابلہ اپنے نفس سے کیا تو پھر ایک فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے۔[63]

مخالفت نفس کے طریقے:

راہ سلوک میں مخالفت نفس کے دو عمومی طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ (1) اطاعت وعبادت جن میں فرائض وسنن کے علاوہ نوافل اوراورادو وظائف شامل ہیں۔ (2) ریاضت ومجاہدہ جس میں روزہ، فقر وفاقہ، بیداری اور خلوت وعزلت شامل ہیں۔ یہ دونوں طریقے لازم وملزوم ہیں۔ان سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ رذائل اخلاق کی اصلاح کی جائے اور اخلاق حسنہ کی پرورش کی جائے۔

چشتی مجاہدات میں خلوت وعزلت کو کافی اہمیت دی جاتی ہے۔خلوت وعزلت کے ذریعہ نفس کی تادیب کی جاتی ہے۔نفس مصاحبت اور مجلس آرائی کو پسند کرتا ہے جس کے نتیجہ میں متعدد رذائل اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ان رذائل اخلاق کی اصلاح کیلئے مشائخ سلوک کی ابتداء میں گوشہ نشینی کا حکم دیتے ہیں تاکہ برے اخلاق سے آدمی نجات پائے اور اچھے اخلاق کی آبیاری ہو۔ عزلت درحقیقت بری خصلتوں سے کنارہ کشی کا نام ہے لہٰذا اس کا مقصود اپنی صفات کو تبدیل کرنا ہے۔نیت، عبادت اور عمل میں اخلاص پیدا کرنے کیلئے گوشہ نشینی موثر ثابت ہوتی ہے۔خلوت وعزلت مقصود بالذات نہیں ہیں۔ان کی حیثیت ایک ذریعہ کی ہے۔عزلت کی اصل اخبار وآثار میں پائی جاتی ہے۔ہم اس سلسلہ میں کتاب وسنت، آثار صحابہ وتابعین اور متقدمین صوفیاء کرام کے ارشادات سے اس کی شہادتیں پیش کریں گے۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا کہ یارسولؐ اللہ! لوگوں میں بہتر شخص کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ مومن مرد جو اپنے نفس اور مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔پھر پوچھا گیا اس کے بعد کون۔آپؐ نے فرمایا وہ شخص جو گھاٹی میں رہتا ہو اور اپنے رب کی عبادت میں لگا ہوا ہو، اپنے رب سے ڈرتا ہو اور لوگوں کو اپنے شر سے بچاتا ہو۔[64] آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص

Marfat.com

سے فرمایا کہ تم کیا کرو گے جب ایسے بے خبر لوگوں میں رہ جاؤ گے کہ ان میں نہ ایفائے عہد ہوگا اور نہ امانت۔ ان میں اختلافات ہوں گے اور اپنے احوال کے اعتبار سے وہ اس طرح ہوں گے اور آپؐ نے اپنے مبارک ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائیں۔ حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ میرے لیے آپ کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تم ان امور کے پابند رہو جن کو تم جانتے ہو اور جن کو نہیں جانتے ان کو چھوڑ دو۔ تم صرف اپنے نفس کی فکر کرو۔ عوام الناس سے خود کو بچاؤ۔[65] حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتنہ کے بارے میں فرمایا کہ جب مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو جائے تو اپنی کمانیں توڑ دینا، کمانوں کے دھاگوں کو کاٹ کاٹ کر ٹکڑے کر دینا اور اپنے گھروں میں بیٹھ جانا اور ان کیلئے آدم کے بیٹے (ہابیل) کی طرح ہو جانا۔[66]

جب فتنہ و فساد پھیلا تو صحابیٔ رسول حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے شہر چھوڑا اور اپنے اونٹ اور بکریاں لے کر جنگل میں جا بسے۔ ان کے بیٹے نے ان سے کہا کہ آپ نے یہ عزلت گزینی کیوں اختیار کی؟ انہوں نے وہ حدیث روایت کی جو اوپر مذکور ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ گوشہ نشینی میں برے ساتھیوں سے نجات ہے۔[67] حضرت عبداللہ بن مبارک سے لوگوں نے دریافت کیا کہ قلب کا علاج کس طرح کیا جائے تو انہوں نے فرمایا: قربِ الٰہی اور لوگوں سے کنارہ کشی کرنے سے۔[68] ابوربیع نے حضرت داؤد طائی سے نصیحت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ دنیا سے روزہ رکھو اور آخرت سے افطار کرو۔ پھر کسی اور شخص نے وصیت کی درخواست کی تو فرمایا کہ بدگوئی سے احتراز کرو۔ مخلوق سے کنارہ کش رہو۔ دین کو دنیا پر ترجیح دو اور اگر ممکن ہو تو مخلوق کا خیال ہی دل سے نکال دو۔[69] امام شافعی کا ارشاد ہے: جس کو پسند ہو کہ اللہ اس کا سینہ کھول دے اور علم عطا فرمائے اسے چاہیے کہ خلوت اختیار کرے، کم کھائے، بے وقوفوں کی صحبت سے بچے اور ان علم والوں سے بھی جن کے پاس انصاف اور ادب نہیں ہے۔[70] حضرت ذوالنون مصری کا ارشاد ہے کہ میں نے خلوت سے زیادہ اور کوئی چیز اخلاص پیدا کرنے والی نہیں دیکھی۔ پس جس نے خلوت کو اختیار کیا اس نے گویا اخلاص کے ستون کو پکڑ لیا اور اس طرح صدق و حقیقت کے ایک بڑے رکن کو حاصل کر لیا۔ حضرت شبلی نے ایک شخص کو جو ہدایت کا طالب تھا اس طرح نصیحت فرمائی: خلوت کو اپنے لیے لازم کر لے اور لوگوں سے اپنے نام کو مٹا دے اور اس وقت تک جب کہ تجھے موت آئے دیوار کی طرف اپنا منہ رکھ۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں کہ خلوت صدیقین کی آرزو ہے اور جس انسان کا باطن خلوت کی آسودگی اور فراغت کی طرف مائل ہو اور اس

Marfat.com

کا نفس اس کی طرف راغب ہو تو یہ اس کے کمال استعداد کی ایک کامل اور سب سے بڑی دلیل ہے۔[71] حضرت سری سقطی نے فرمایا: جو شخص اپنے دین کی حفاظت کرنا چاہے اور اپنے قلب اور جسم کو راحت پہنچانا چاہے اور اپنے غم کو ہلکا کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ لوگوں سے کنارہ کش ہو جائے کیونکہ یہ زمانہ تنہائی اور عزلت کا زمانہ ہے۔[72] شیخ ابو علی دقاق فرماتے ہیں: خلوت اہل صفا کی صفت ہے اور گوشہ نشینی اللہ کے ساتھ وصال کی علامت ہے۔ مرید کیلئے ابتداء میں اپنے ہم جنسوں سے علیحدہ رہنا بہت ضروری ہے۔ پھر آخرت میں خلوت ضروری ہے تا کہ اسے اللہ کے ساتھ انس حاصل ہو۔ جب کوئی بندہ گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے تو اس کا حق یہی ہے کہ اس کی نیت یہ ہو کہ لوگوں سے الگ رہنے سے لوگ اس کے شر سے بچے ہوئے ہیں۔ گوشہ نشینی سے اسکا مقصد یہ نہ ہو کہ وہ خود لوگوں کے شر سے بچا رہے کیونکہ پہلی صورت میں یہ نتیجہ نکلے گا کہ وہ اپنے نفس کو حقیر جاننے لگے گا اور دوسری صورت میں یہ ثبوت پایا جاتا ہے کہ وہ لوگوں پر فوقیت رکھتا ہے اور جس نے اپنے نفس کو حقیر جانا وہ شخص متواضع ہے اور جس نے اپنے آپ کو کسی شخص پر فائق سمجھا وہ متکبر ہے۔[73]

شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ صاحبزادے! چاہیے کہ گونگا پن تیری عادت، گمنامی تیرا لباس اور مخلوق سے بھاگنا تیرا منتہائے مقصود بنا رہے۔[74] شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ عزلت اور گوشہ نشینی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عزلت فرض اور دوسری عزلت فضیلت۔ عزلت فرض تو یہ ہے کہ اہل شر اور شر سے بچا جائے اور عزلت فضیلت یہ ہے کہ فضول باتوں اور فضول لوگوں سے الگ تھلگ رہا جائے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ خلوت عزلت سے مختلف ہے کہ خلوت غیروں سے ہوتی ہے اور عزلت اپنے نفس سے یعنی نفس کی خواہشوں اور اللہ سے غافل کرنے والی چیزوں سے الگ ہونے کا نام عزلت ہے۔[75]

مجاہدہ کی اصل چار چیزیں ہیں: قلته الكلام وقلته الطعام وقلته المنام وقلته الصحبته مع الانام (کم بولنا، کم کھانا، کم سونا اور کم لوگوں سے میل جول رکھنا)۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا کمال چار چیزیں ہیں۔ کم کھانا، کم بولنا، کم سونا اور لوگوں سے میل جول کم رکھنا۔[76] آپ نے مولانا وجیہ الدین پائلی سے فرمایا: مولانا! تمہارے اور خدا کے درمیان صرف یہی زبان رہ گئی ہے۔[77] آپ نے مولانا شمس الدین یحیٰی سے فرمایا: لب بھی بند رکھو اور دروازہ بھی بند رکھو۔ سلطان جی کے اس ارشاد کے استشہاد میں ہم حدیث نبوی، آثار صحابہ وتابعین اور صوفیائے متقدمین کی تعلیمات پیش کریں گے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد

Marfat.com

ہے من صمت نجا[78] (جو خاموش رہا اس نے نجات پائی)۔ نیز آپ نے فرمایا من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلیقل خیرا او لیصمت [79] (جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ بھلی بات بولے یا خاموش رہے)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ کوئی اور چیز زبان سے زیادہ لمبی سزا کی مستحق نہیں ہے۔[80] امام شافعی نے فرمایا: لایعنی باتوں سے بچو کیونکہ جب تم کوئی بات کرو گے تو وہ تمہاری مالک بن جائے گی اور تم اس کے مالک نہ رہو گے۔[81] حضرت حاتم اصم فرماتے ہیں کہ شہوتیں تین طرح کی ہیں: کھانے کی شہوت، بولنے کی شہوت اور نظر کی شہوت۔ لہٰذا اپنے کھانے کی حفاظت پرہیزگاری کے ذریعہ کرو۔ اپنی زبان کی حفاظت سچائی کے ذریعہ کرو اور اپنی نظر کی حفاظت عبرت کے ذریعہ کرو۔[82] حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے فرمایا: تمام بھلائی ان چار باتوں میں جمع ہوگئی اور ابدال ان ہی کی برکت سے ابدال ہوئے کہ پیٹ سے بھوکے رہیں، خاموشی اختیار کریں، بیدار رہیں اور عوام سے علیحدگی اختیار کریں۔[83] کلام میں نفس کو حظ حاصل ہوتا ہے اور وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ کلام میں آدمی اپنے علم اور عقل کی نمائش کرتا ہے اور اپنے ہم مرتبہ لوگوں میں امتیازی حیثیت حاصل کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ یہ نفس کی آفتوں میں سے ایک آفت ہے۔

تقلیل طعام کے بارے میں بکثرت روایات وارد ہیں۔[84] غذا سے متعلق اعتدال پسند اور صالح نقطہ نظر یہ ہے کہ اسے مقصود بالذات نہ سمجھا جائے بلکہ اسے بقائے حیات کا ذریعہ سمجھ کر استعمال کیا جائے یعنی خوردن برائے زیستن۔ چونکہ غذا مقصود بالذات نہیں اس لیے اس کا استعمال بقدر کفایت ہونا چاہیے۔ بسیار خوری اور شکم سیری ایک غیر صالح، مادیت پسند اور حریصانہ نظریہ حیات کی علامت ہے۔ اس سے کئی جسمانی عوارض، نفسیاتی و روحانی بیماریاں اور معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ اس لیے دنیا کی مختلف تہذیبی روایات میں شکم سیری اور بسیار خوری کی مذمت پائی جاتی ہے۔ روایت ہے کہ لقمان حکیم نے اپنے فرزند سے کہا کہ جب تیرا معدہ بھر جائے تو اس وقت لذت فکر خوابیدہ ہو جاتی ہے اور فراست گونگی بن جاتی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لیے تنگی اور فقر و فاقہ کو اختیار فرمایا۔ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ ہم نے کبھی تین دن اور تین رات برابر روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔[85] حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں کھائی اور نہ آپ نے کسی سے شکوہ کیا۔ آپؐ کے نزدیک پیٹ بھرنے سے فاقہ زیادہ محبوب تھا۔ آپؐ ساری رات بھوکے رہتے تھے لیکن یہ فاقہ اگلے دن کا روزہ نہ روکتا تھا۔ اگر

Marfat.com

آپؐ چاہتے تو اپنے رب سے زمین کے تمام خزانے تمام پھل اور فراخ عیش مانگ لیتے۔ [86]

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو ڈکار تے ہوئے سنا تو آپؐ نے اس سے فرمایا کہ اپنی ڈکار سے باز آ۔ قیامت کے دن سب سے بھوکا وہ شخص ہوگا جو دنیا میں سب سے زیادہ شکم سیر ہے۔ [87]

واقد بن محمد نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک کسی غریب کو لا کر اپنے ساتھ کھانا نہ کھلاتے۔ پس ایک آدمی آپ کے ساتھ کھانے کیلئے آیا تو اس نے بہت کھانا کھایا۔ اس پر آپ نے نافع سے فرمایا کہ یہ شخص آئندہ میرے پاس نہ آئے کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں۔ [88]

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معیشت اور خورد ونوش سے متعلق جو اصول اختیار فرمایا تھا اس پر صحابہ کرام سختی سے کاربند رہے۔ انہوں نے شکم سیری اور بسیار خوری سے اجتناب کیا اور اپنے اعزہ اور متعلقین کو بھی اس کے مضر اثرات سے خبردار کیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ فرمایا کہ پیٹ کو خوب بھر لینے سے بچو کہ وہ زندگی میں ایک بوجھ ہے اور موت کے بعد بدبو۔ [89] حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو عیش وعشرت کی زندگی اختیار کرنے اور غیر اقوام کے نقش قدم پر چلنے سے روکا۔ اسلامی حکومت کے عمال اور کارندوں کو نصیحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ غیر اقوام کے طور طریق اور ان کے رئیسانہ ٹھاٹ باٹ سے پرہیز کرو اور موٹا جھوٹا کپڑا اور کھانا استعمال کرو۔ [90] خورد ونوش سے متعلق سنت نبوی کی پیروی ہمیں تابعین اور علمائے سلف کے یہاں بدرجہ اتم نظر آتی ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ میری ذاتی خوراک مہینہ میں دو درہم سے زیادہ نہیں۔ کبھی ستو کبھی روٹی۔ [91] حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ تین عادتیں ایسی ہیں جو دل کو سخت بنا دیتی ہیں: زیادہ کھانا، زیادہ سونا اور زیادہ بولنا۔ حضرت سفیان ثوری سے منقول ہے کہ دو خصلتیں دل میں قساوت پیدا کرتی ہیں۔ سیر ہو کر کھانا اور کثرت کلام۔ [92] حضرت یحییٰ بن معاذ رازی کہتے ہیں کہ زہد تین چیزوں کا نام ہے: قلت کلام، خلوت اور بھوک۔ [93] حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ نجات خاموشی، تنہائی اور کم کھانے میں ہے۔ [94] شیخ علی ہجویری فرماتے ہیں کہ شکم سیر ہو کر کھانا جانوروں کا کھانا ہے اور بھوکا رہنا جان کا علاج۔ بھوک میں باطن کی تعمیر اور شکم سری میں پیٹ کی تعمیر ہے۔ جو شخص باطن کی تعمیر میں کوشاں رہتا ہے وہ حق تعالیٰ کیلئے خاص ہوتا ہے اور علائق دنیا سے یکسو ہو جاتا ہے۔ متقدمان از برائے زیستن می خوردن وزیستن شما از برائے خوردن

(متقدمین کھاتے تھے تاکہ زندہ رہیں اور تم زندہ رہتے ہو تاکہ خوب کھاؤ)۔ [95]

شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہمارے روحانی معاملہ کی بنیاد ان چار چیزوں پر ہے: کم خوری، کم خوابی، کم سخنی اور عزلت گزینی۔ [96]حضرت نظام الدین اولیاءؒ ایک بزرگ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تمہارا پیٹ تمہاری دنیا ہے اگر تم کم کھاؤ تو تارک دنیا ہو اور اگر پیٹ بھر کر کھاؤ گے تو تارک دنیا نہیں ہو۔ [97]سلطان جی فرماتے ہیں کہ میں نے اطباء سے بیماریوں سے شفاء دلانے والی دوا کے بارے میں پوچھا کہ کون سی چیز خدا کے بندوں کو نفع پہنچاتی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ بھوک اور کم کھانا۔ میں نے زاہدوں سے پوچھا کہ قوت دینے والی کون سی چیز ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ بھوک اور کم کھانا۔ میں نے علماء سے سوال کیا کہ افضل کون سی چیز ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ بھوک اور کم کھانا۔ میں نے بادشاہوں سے پوچھا کہ بہترین غذا کون سی ہے تو انہوں نے کہا کہ بھوک اور کم کھانا۔ پھر آپ نے شیخ ابوطالب مکی کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مومن کی مثال بانسری کی ہے۔ اس کی آواز اچھی نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا جوف خالی نہ ہو۔ [98]

تقلیل طعام کے ضمن میں صوفیاء کرام نے ایک لطیف نفسیاتی نکتہ کی طرف اپنی خداداد بصیرت اور وجدان سے اشارہ کیا ہے۔ حالیہ تحقیقات سے اس اشارہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ جو شخص چالیس روز تک کھانا نہیں کھاتا تو اس دوران اس کی بھوک کی سوزش کہاں چلی جاتی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ نور مشاہدہ بھوک کی سوزش کو فنا کر دیتا ہے۔ ایک دوسرے بزرگ کا قول ہے کہ وہ جلوہ ذات سے ایسی فرحت محسوس کرتے ہیں کہ بھوک کا احساس ہی مٹ جاتا ہے۔ حضرت شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ اس قبیل کے واقعات روزمرہ کی زندگی میں بھی پیش آتے رہتے ہیں کہ ایک شخص بھوکا ہے اور اچانک اس نے کوئی خوشخبری سنی تو فرط مسرت سے اس کی بھوک جاتی رہتی ہے۔ یہی حالت خوف کی صورت میں بھی پیدا ہوتی ہے کہ اس وقت بھوک کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت سہروردی فرماتے ہیں کہ اگر نفس کو کمال طمانیت حاصل ہو اور قلب روشن کے ذریعہ انوار روحانی اس پر منعکس ہو رہے ہیں اور نفسانی جذبہ روحانی جذبہ سے الگ ہو گیا ہے تو ایسی صورت میں یہ روحانی کشش مقناطیس کی اس کشش اور اثر سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جس سے وہ لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ یہی حال سالک مخلص کا ہے کہ جب اس کے قلب کے ذریعہ روح کا نورانی عکس اس کے نفس پر پڑتا ہے اور منعکس ہوتا ہے تو اس وقت نفس بھی قلب کا ہم جنس بن جاتا ہے اور قلب کے ذریعہ سے

Marfat.com

اس میں بھی ویسی روح پیدا ہو جاتی ہے جو روح اصلی کی ہم جنس بن کر اس کی کشش کو قبول کر لیتی ہے۔اس وقت نفس کیلئے دنیاوی کھانے اور حیوانی خواہش بالکل حقیر ہو جاتی ہے۔[99]

قلب و قالب اور ذہن و جسم کے مابین جو ارتباط پایا جاتا ہے وہ عرصہ دراز سے موضوع بحث رہا ہے۔حالیہ برسوں میں اس موضوع پر قابل قدر تحقیقات ہوئی ہیں۔علم النفس کے اس شعبہ سے جسے Psychoneuroimmunology کہتے ہیں اس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے کہ نفسیاتی اور روحانی عوامل یعنی فکر، عقیدہ، خیالات اور جذبات جسمانی افعال پر اثر انداز ہوتے ہیں۔انسان کے قلب و ذہن اور اس کے اعصابی و دفاعی نظام میں گہرا تعلق ہے لہٰذا اس کے قلب و ذہن میں جو کیفیات اور واردات گزرتی ہیں ان کا مثبت اور منفی اثر حیاتیاتی اور طبعیاتی افعال پر پڑتا ہے۔[100] ماہرین نفسیات دو قسم کے نفسیاتی عوامل کا ذکر کرتے ہیں۔ایک وہ جسے Placebo effect کا نام دیا گیا ہے اور جس کے تحت مریض کا یہ پختہ یقین کہ اسے بیماری سے چھٹکارا مل جائے گا اور وہ صحت مند ہو جائے گا، اس کی صحت کی بحالی میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔اس کے برخلاف اگر اس کے ذہن میں یہ خیال جم جائے کہ وہ بیمار ہے یا بیماری میں گرفتار ہو جائے گا تو واقعی اس کو مختلف قسم کے عوارض لاحق ہو جاتے ہیں۔اس کو Nocebo effect کہا جاتا ہے۔

حسن خلق:

شیخ مرتعش فرماتے ہیں التصوف حسن الخلق[101] (تصوف عبارت ہے حسن اخلاق سے)۔حضرت ابوالحسن فرماتے ہیں کہ تصوف رسوم اور علوم کا نام نہیں بلکہ اخلاق کا نام ہے۔خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی تعلیمات میں حسن اخلاق کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔حسن خلق کے دو اہم پہلو ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ایک پہلو رذائل اخلاق کی اصلاح اور اخلاق محمودہ کی پرورش سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا داد و دہش اور خلق خدا پر شفقت سے۔ہم پہلے سلطان جی کی تعلیمات و ارشادات پیش کریں گے اور پھر ان کی توضیح و استشہاد میں کتاب و سنت، آثار صحابہ و تابعین اور صوفیائے سلف کے اقوال سے نظائر پیش کریں گے۔

سلطان جی فرماتے ہیں کہ جس طرح شہوت بے موقع حرام ہے اسی طرح غصہ بھی بے موقع حرام ہے۔اس کے بعد فرمایا کہ ایک آدمی دوسرے پر غصہ کرتا ہے اور وہ برداشت کر لیتا ہے تو خوبی اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کر لیتا ہے اس شخص کو نہیں جو غصہ کرتا ہے۔ایک مجلس میں یہ بات آئی کہ لوگ ایک دوسرے پر عیب لگاتے ہیں۔زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ اگر کوئی

Marfat.com

شخص کسی کو کسی عیب کا طعنہ دیتا ہے تو پہلے اس کو سوچنا چاہیے کہ یہ عیب خود اس میں ہے یا نہیں۔اگر وہ عیب اس میں بھی موجود ہے تو اس کو شرم نہیں آتی کہ جس عیب میں وہ خود مبتلا ہے اس کا طعنہ دوسروں کو دیتا ہے۔اگر وہ عیب اس میں نہیں ہے تو خدائے عزوجل کا شکرانہ ادا کرے کہ اس نے اس عیب سے اس کو محفوظ رکھا ہے۔دوسروں کو اس عیب کا طعنہ نہیں دینا نہیں چاہیے۔[102] ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ جو بھی جفا کو سہہ لیتا ہے وہ سب سے اچھا ہے۔غصہ کو پی جانا چاہیے اور بدلہ کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے۔پھر یہ دو مصرعے آپ کی زبان مبارک پر آئے:

ہر کہ مارا یار نبود ایزد اورا یار باد
وآنکہ مارا زنجہ وارد راحتش بسیار باد
ہر کہ او در راہ ماخارے نہد از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

(جو ہمارا دوست نہ بنے اللہ اس کا دوست رہے اور جو ہمیں تکلیف پہنچائے اس کو خوب راحت ملے۔جو بھی دشمنی سے ہمارے راستہ میں کانٹے بچھائے۔اس کی زندگی کے گلشن کو ہر پھول بنا کانٹوں کے کھلا رہے)۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی کانٹا رکھے اور تم بھی جواب میں کانٹے بچھاؤ تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔عوام میں یہ دستور ہے کہ اچھوں کے ساتھ اچھائی اور بروں کے ساتھ برائی لیکن درویشوں میں یہ طریقہ ہے کہ اچھوں کے ساتھ اچھے اور بروں کے ساتھ بھی اچھے۔[103] فرمایا کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ ایک شخص اپنی طرف سے صفائی کر لے۔جب یہ شخص اپنے اندر سے عداوت کو نکال دے گا تو ضرور دوسری جانب سے بھی آزار کم ہو جائے گا۔کہا گیا ہے کہ صوفی کا مال سبیل ہے اور اس کا خون مباح۔[104] سلطان جی فرماتے ہیں کہ بندہ جو بھی اطاعت کرتا ہے چاہے مالی ہو یا بدنی یا اخلاق پاکیزہ میں سے کوئی خلق ہو تو اس میں سے اگر ایک چیز بھی قبول ہو جائے تو بندے کے سارے کام اس کی پناہ میں بن جاتے ہیں۔ایک موقع پر فرمایا کہ سعادت کے قفل کی بہت سی کنجیاں ہیں نہ معلوم کس کنجی سے کھل جائے۔پس کوشش ہر کنجی سے کرنی چاہیے کہ اگر ایک کنجی سے نہ کھلے تو دوسری کنجی سے کھل جائے اور اگر اس سے بھی نہ کھلے تو کسی اور سے کھل جائے۔[105]

سلطان جی فرماتے ہیں کہ مجھے عالم واقعہ میں ایک کتاب دی گئی جس میں لکھا ہوا تھا کہ دلوں

Marfat.com

کوراحت پہنچاؤ کیونکہ مومن کا دل اسرار ربوبیت کا محل ہے۔ بازار قیامت میں کسی سامان کی اتنی پرسش نہ ہوگی جتنی شکستہ دلوں کوراحت پہنچانے کی۔[106] فرمایا کہ اطاعت کی دو قسمیں ہیں ایک لازمی دوسری متعدی۔ اطاعت لازمی یہ ہے کہ اس کا نفع صرف کرنے والے کو پہنچے۔ وہ نماز، روزہ، حج زکوٰۃ اوراوراد ہیں۔ اطاعت متعدی یہ ہے کہ جس کی منفعت اور راحت دوسروں کو بھی پہنچے۔ اس کا ثواب بے حدوشمار ہے۔ پھر فرمایا کہ اطاعت لازمی میں تو اخلاص ہونا چاہیے تا کہ قبول ہو جائے لیکن اطاعت متعدی تو جس طرح کی بھی ہو اور جیسے بھی کی جائے اس کا ثواب ہے۔[107] سلطان جی نے شیخ ابوسعید ابوالخیر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان سے لوگوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی کتنی راہیں ہیں۔ انہوں نے فرمایا یوں تو کائنات کا ہر ذرہ حق تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرتا ہے لیکن کوئی راستہ دلوں کوراحت پہنچانے سے قریب تر نہیں ہے۔ ہم نے جو کچھ پایا ہے اسی راہ سے پایا ہے۔ جو چیز انسان کو حق تعالیٰ سے دور رکھتی ہے اسے اپنے سے دور کرے اور دلوں کوراحت پہنچائے۔ جو ان دو صفتوں کو اختیار کرتا ہے اسے ابدی راحت ملتی ہے۔[108] سلطان جی فرماتے ہیں کہ خلقت کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ ان لوگوں سے نہ نفع پہنچتا ہے اور نہ نقصان۔ ایسے لوگ جمادات کی طرح ہیں۔ دوسری قسم، جو پہلی سے بہتر ہے، یہ ہے کہ ان سے دوسرے لوگوں کو منفعت تو پہنچے لیکن ضرر نہ پہنچے۔ تیسری قسم، جو ان دونوں سے بہتر ہے، یہ ہے کہ ان سے دوسروں کو نفع پہنچتا ہے۔ اگر کوئی ان کو ضرر پہنچاتا ہے تو وہ بدلہ نہیں لیتے بلکہ اسے برداشت کرتے ہیں اور حلم اختیار کرتے ہیں۔ یہ کام صدیقوں کا ہے۔[109] فرمایا کہ خلق سے معاملہ عدل پر مبنی ہونا چاہیے۔ حسنِ خلق اور عدل کی کسوٹی یہ ہے کہ جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے اسے دوسروں کیلئے بھی ناپسند کرو۔ فرمایا کہ ایک حسنِ خلق ہے اور دوسرا حسنِ خلق۔ حسنِ خلق کا اندازہ آنکھ، ناک اور رخساروں کی خوبصورتی اور تناسب سے ہوتا ہے اور حسنِ خلق چار چیزوں پر منحصر ہے قوتِ عملیہ، قوتِ عصبیہ، قوتِ علمیہ اور قوتِ شہوانیہ۔ ان چاروں قوتوں کے استعمال میں اگر توازن ہے تو حسن خلق حاصل ہے۔[110]

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اکمل المومنین ایمانا احسنهم خلقا[111] (کامل ایمان والا شخص وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں)۔ آپؐ فرماتے ہیں ان من اخیار کم احسنکم اخلاقا.[112] (تم میں سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جو اچھے اخلاق رکھتے ہیں)۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق.[113] (میں حسن اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں)۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

Marfat.com

دریافت کیا گیا کہ کس چیز کی وجہ سے لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور حسن اخلاق۔ پھر آپؐ سے پوچھا گیا کہ کن چیزوں کی وجہ سے لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے تو آپؐ نے فرمایا منہ اور شرم گاہ۔[114] حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔[115] حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز مجھے سب سے زیادہ پسند اور سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ ہوں گے جو اچھے اخلاق والے ہیں۔[116] حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے ہر ایک اس بات سے عاجز ہے کہ وہ ابو ضمضم کی طرح ہو جائے؟ صحابہ نے پوچھا کہ یا رسولؐ اللہ! ابو ضمضم کون؟ آپؐ نے فرمایا: جب وہ صبح کرتا تو کہتا اے اللہ! میں نے اپنی جان اور آبرو تجھے ہبہ کر دی۔ جو مجھے گالی دے گا میں اسے گالی نہ دوں گا اور جو مجھ پر ظلم کرے گا میں اس پر ظلم نہ کروں گا اور جو مجھے مارے گا میں اسے نہیں ماروں گا۔[117]

حضرت ابوشریک سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت پسندیدہ اعمال میں سے ہے کہ کسی مسلمان کو خوش کرے یا اس کے غم کو دور کرے یا اس کے قرض کو ادا کرے یا بھوک میں اس کو کھانا کھلائے۔[118] ایک بدوی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے وہ کام سکھایئے جو مجھے جنت میں لے جائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ انسان کو غلامی سے آزاد کر۔ انسان کی گردن کو قرض کے بندھن سے چھڑا اور ظالم رشتہ دار کا ہاتھ پکڑ۔ اگر تو یہ نہ کر سکے تو بھوکے کو کھلا اور پیاسے کو پانی پلا اور نیکی بتا اور برائی سے روک اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو بھلائی کے سوا اپنی زبان روک۔[119] حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: من فرج عن اخیه کربته من کرب الدنیا فرج الله عنه کربته من کرب یوم القیامته[120] (جو اپنے مسلمان بھائی کی دنیا کی مشکلوں میں سے کوئی مشکل آسان کر دے تو اللہ قیامت کی مشکلوں میں سے اس کی مشکل آسان کر دے گا)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایسا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایک انسان سے کہے گا کہ اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تھا مگر تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ بندہ تعجب سے کہے گا بھلا ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے جبکہ تو رب العالمین ہے۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ جو تیرے قریب رہتا تھا بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی تھی حالانکہ تو اگر اس کی بیمار پرسی کیلئے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اسی

Marfat.com

طرح اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے مجھے نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا بھلا ایسے کیونکر ہوسکتا ہے کہ تجھے کسی بات کی احتیاج ہو۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے انکار کر دیا تھا اگر تو اسے کھلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔[121] آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے **الخلق کلھم عیال اللہ فاحبھم الی اللہ انفعھم لعیالہ** (تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ کی مخلوق کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے)۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ مومن وہ ہے جو لوگوں کے ساتھ رہن سہن رکھتا ہو اور ان کی اذیت پر صبر کرتا ہو۔ وہ اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے ربط ضبط نہ رکھتا ہو۔[122] آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمؐ کا ارشاد ہے **ان اللہ یحب اغاثتہ اللھفان** (اللہ تعالیٰ مضطر و پریشان کی فریاد رسی کرنے والے کو محبوب رکھتا ہے)۔

حضرت ابن عباسؓ کو ایک شخص نے گالی دی۔ آپ نے اپنے خادم عکرمہ سے فرمایا کہ دیکھو اگر اس کو کوئی حاجت ہو تو دے دو۔ اس شخص نے مارے شرم کے سر جھکا لیا۔[123] خواجہ حسن بصری حضرت ثابت بنانی کے یہاں گئے اور ان سے کہا کہ ایک شخص کے کام کیلئے ذرا چلیے۔ انہوں نے کہا کہ میں معتکف ہوں۔ خواجہ حسن بصری نے فرمایا کہ کسی مسلمان بھائی کا کام کر دینا میرے نزدیک ایک سال کے اعتکاف سے بہتر ہے۔[124] حضرت احمد بن حنبل نے حضرت حاتم اصم سے پوچھا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! دنیا سے سلامتی کیا ہے؟ حاتم اصم نے کہا اے عبداللہ! دنیا سے سلامتی اس وقت تک تم کو نہیں مل سکتی جب تک کہ یہ چار خصلتیں تمہارے اندر نہ ہوں۔ اگر لوگ جہالت کریں تو ان سے درگزر کرو۔ اپنی جہالت سے ان کو محفوظ رکھو۔ ان کیلئے اپنی کوئی چیز خرچ کرو اور ان سے کسی چیز کے حصول کی توقع نہ رکھو۔ جب جاہلوں کے ساتھ تمہارا برتاؤ ایسا ہو جائے گا تو تم دنیا سے سلامتی کے ساتھ نکل جاؤ گے۔[125] حضرت مالک بن دینار کو ایک عورت نے ریاکار کہہ کے پکارا۔ آپ نے فرمایا یہ نام تو نے خوب نکالا جو اہل بصرہ بھول گئے تھے۔[126] شاہ شجاع کرمانی فرماتے ہیں کہ لوگوں کی ایذا رسانی سے اپنے آپ کو روکنا اور لوگوں کی تکالیف برداشت کرنا حسن خلق کی علامت ہے۔[127]

حضرت سری سقطی فرماتے ہیں: **خمس من اخلاق الابدال استقصاء الروع وتصحیح الارادۃ وسلامتہ الصدر والشفقتہ علی الخلق والنصیحتہ لھم.**[128] (پانچ چیزیں ابدال کے اخلاق میں سے ہیں: خوف کا دور کرنا، ارادہ کی درستی، دل کی سلامتی، خلق

خدا پر شفقت اور ان کیلئے نصیحت و خیر خواہی)۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ خلق عظیم چار ہیں: سخاوت، الفت، نصیحت، شفقت۔[129] پھر فرماتے ہیں کہ کوئی عارف اس وقت تک عارف نہیں کہلا سکتا جبکہ وہ زمین کی طرح نہ ہو جائے کہ نیک و بد اسے روندتے ہیں اور بادلوں کی طرح نہ ہو جائے جو ہر چیز پر سایہ کرتے ہیں اور بارش کی طرح نہ ہو جائے جو ہر چیز کو سیراب کرتی ہے اسے بھی جسے وہ پسند کرتی ہے اور اسے بھی جسے وہ ناپسند کرتی ہے۔[130] سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ کھانا کھلانے سے بہتر کام مجھے کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ دنیا کی دولت میرے ہاتھ میں ہوتی تو بھوکوں کو کھلانے پر سب صرف کر دیتا۔ سید احمد کبیر رفاعی کو فتوحات سے جو کچھ ملتا سب غرباء کو کھلانے پلانے پر صرف کر دیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں ان ساری راہوں پر چلا ہوں جو خدا تک پہنچاتی ہیں مگر سب سے آسان اور مناسب ترین راستہ مجھے محتاجی، نیازمندی اور شکستگی سے زیادہ نظر نہیں آیا۔ کسی نے دریافت کیا کہ اس محتاجی اور نیازمندی کے حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ خدا کے حکم کا احترام کرو اور اس کے مخلوق کے ساتھ شفقت و مہربانی کے ساتھ پیش آؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کی پیروی کرو۔

استقامت:

جمہور اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ کے ہاتھوں کرامت کا ظاہر ہونا حق ہے۔ کرامات سے متعلق روایات کثرت اور تواتر سے منقول ہیں۔ مشائخ کبار نے راہ سلوک میں کرامات اور خوارق کو زیادہ اہمیت نہیں دی ہے بلکہ عزیمت و استقامت کو کرامت پر مقدم رکھا ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بھی اسی نظریہ کے حامی ہیں۔ ہم پہلے ان کے ارشادات نقل کریں گے اور اس کے بعد کتاب و سنت اور صوفیائے متقدمین کے اقوال بطور استشہاد نقل کریں گے۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء پر کرامت کا چھپانا اسی طرح فرض کیا ہے جس طرح انبیاء پر معجزہ کا ظاہر کرنا فرض کیا ہے۔ پس اگر کوئی ولی کرامت کا اظہار کرتا ہے تو وہ ترک فرض کرتا ہے اور گناہ کا کام کرتا ہے۔ فرمایا کہ سلوک کے سو درجے ہیں۔ ان میں سترہواں درجہ کشف و کرامت کا ہے۔ اگر سالک اسی کشف و کرامت کے چکر میں رہے تو تراسی درجے کب طے کرے گا۔ جو ولی کامل ہوتا ہے وہ کسی منزل پر ہو اسرار ظاہر نہیں کرتا۔ اسرار کے ضبط کرنے کیلئے بڑے عزم اور حوصلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان کی راہ میں کشف و کرامت حجاب راہ ہیں۔ اصل کام تو استقامت

Marfat.com

ہے۔[131] ایک روز مولانا حسام الدین ملتانی نے سلطان جی سے عرض کیا کہ لوگ کرامت طلب کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ استقامت ہی کرامت ہے خدا کے دروازے پر۔ تمہیں اپنے کام میں مستقیم ہونا چاہیے۔ کرامت کے طلبگار کب تک رہو گے۔[132]

سورہ احقاف میں ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیھم ولاھم یحزنون اولئک اصحب الجنتہ جزاء بما کانوا یعلمون (انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ پھر ثابت قدم رہے تو ان کو نہ خوف ہے اور نہ ہی غمگین ہوں گے۔ وہی لوگ جنت والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے)۔ حضرت ابوعمرہ سفیان بن عبداللہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ کو اسلام کے بارے میں ایسی بات بتلا دیجیے کہ میں پھر کسی سے نہ پوچھوں۔ آپؐ نے فرمایا قل امنت باللہ ثم استقم[133] (کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر ثابت قدم رہو)۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ حجابات کی چھ قسمیں ہیں۔ تین عام بندوں کیلئے ہیں: اول نفس، دوم مخلوق، سوم دنیا۔ تین حجابات خاص بندوں کیلئے ہیں: اول عبادت، دوم اجر، سوم کرامات پر اظہار فخر۔[134] آپ نے فرمایا کہ خواص کے قلوب اللہ تعالیٰ سے اس وقت تک حجاب میں رہتے ہیں جب تک وہ نعمتوں کی طرف متوجہ رہتے ہیں، عطاء اور بخشش سے تلذذ حاصل کرتے ہیں اور کرامات سے خوش ہوتے ہیں۔[135] ایک دفعہ آپ نے شیخ ابوبکر واسطی کو خط لکھا اور اس میں تحریر فرمایا: عافانا اللہ وایاک بالکرامتہ[136] (اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو کرامت سے محفوظ رکھے)۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ کرامات تو وقت کے ساتھ گزر جاتی ہیں۔ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ برائی کو نیکی سے بدلا جائے۔[137] ایک شخص حضرت سہل بن عبداللہ کی صحبت میں رہتا تھا۔ ایک روز اس نے آپ سے کہا کہ اے ابومحمد! بعض اوقات میں وضو کرتا ہوں تو جو پانی میرے ہاتھوں سے بہتا ہے وہ سونے اور چاندی کی سلاخیں بن جاتا ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ نے اس سے کہا: کیا تو نے دیکھا نہیں کہ جب بچہ رونے لگتا ہے تو اس کے ہاتھ میں جھنجھنا تھما دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس سے کھیلنے میں مشغول ہو جائے۔ اب غور کرو کہ تم کیا کر رہے ہو۔[138] حضرت ابوبکر شبلی کو کسی نے بتایا کہ فلاں شخص ہوا میں اڑتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خواہشات کی مخالفت کی قدرت دی ہے وہ ہوا میں اڑنے سے بھی بڑھ کر ہے۔[139] حضرت ابوحفص حداد سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے جواب دیا استقامت۔[140] حضرت ابوعلی جوزجانی فرماتے ہیں کہ طالب استقامت بن،

Marfat.com

کرامت کا طالب نہ بن۔ ہر چند کہ تیرا نفس کرامت کا خواہاں ہے لیکن تیرا رب تجھ سے استقامت چاہتا ہے۔[141] حضرت داتا گنج بخشؒ کے مرشد شیخ ابوالفضل ختلی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جنگل میں اولیاء اللہ کا اجتماع ہوا۔ ان کے مرشد شیخ حصری ان کو اپنے ہمراہ وہاں لے گئے۔ وہاں انہوں نے ایک جماعت دیکھی جو تخت کے نیچے تھی اور ایک جماعت دیکھی جو تخت کے اوپر بیٹھی تھی۔ کوئی اڑتا ہوا آ رہا تھا اور کوئی کسی طریق سے۔ ان کے مرشد نے کسی کی طرف التفات نہ کیا یہاں تک کہ ایک جوان کو انہوں نے دیکھا جس کی جوتیاں پھٹی ہوئی تھیں اور عصا شکستہ اور پاؤں ناکارہ، بدن جھلسا ہوا، جسم لاغر اور کمزور۔ جب وہ نمودار ہوا تو شیخ حصری دوڑ کر اس کے پاس پہنچے اور اسے بلند تر جگہ پر بٹھایا۔ شیخ ختلی فرماتے ہیں کہ میں یہ دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا۔ میں نے اپنے شیخ سے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ بندہ ایسا صاحب ولی ہے کہ یہ ولایت کے تابع نہیں ہے بلکہ ولایت اس کے تابع ہے۔ وہ کرامتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا۔[142]

خواجہ بزرگ اجمیری کے مرید وخلیفہ خواجہ حمید الدین سوالی کا ارشاد ہے کہ اظہار کرامت مردوں کیلئے بمنزلہ ماہواری کے ہے جس طرح عورتیں اپنے ایام کو چھپانے کیلئے جتن کرتی ہیں اسی طرح فقیر کو کرامت چھپانے کیلئے سعی کرنا چاہیے۔ شیخ ضیاء الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ نبی پر معجزہ کا اظہار اور تحدی واجب ہے اور ولی پر کرامت کا اخفاء واجب مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر فرما دے۔[143] شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں: سالک طریقت کیلئے یہ ضروری ہے کہ اگر اس کو اس سلسلہ میں (از کشف وکرامات) کچھ حال ہو جائے تو وہ اس پر نازاں نہ ہو مثلاً اگر وہ پانی پر چلے یا ہوا میں اڑے تب بھی اس کو کوئی فائدہ نہ ہوگا جب تک وہ زہد وتقویٰ کا پورا پورا حق ادا نہ کرے۔ اگر زہد وتقویٰ کا حق ادا کر رہا ہے تو یہ کرامت اس کی (روحانی) ترقی میں مانع نہیں ہوگی مگر جو سالک اس غلط خیال میں الجھ کر رہ گیا یا اس غلطی میں گرفتار ہوا کہ اب مجھ سے کرامات کا صدور ہونے لگا ہے لہٰذا میں کمال پر پہنچ گیا اور اس نے اپنی خلوت نشینی کو اخلاص سے مستحکم نہیں کیا تو اس صورت میں وہ مکر کو اپنی خلوت میں لے کر جاتا ہے اور غرور وتکبر کو ساتھ لے کر وہاں سے نکلتا ہے۔ اس وقت وہ عبادات کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس سے روحانی لذت کو چھین لیتا ہے۔ اس کے دل سے شریعت کا احترام رخصت ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ دنیا اور آخرت دونوں میں رسوا ہو جاتا ہے۔[144] حضرت سہروردی فرماتے ہیں کہ طلب کرامت اور خرق عادت میں ایک آفت موجود ہے اور وہ عجب اور غرور کی آفت ہے۔ اس صورت میں طالب صادق کا راستہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استقامت کا خواستگار ہو کہ یہی کرامت کلی ہے۔ استقامت طالبین

Marfat.com

کیلئے اصل اصول ہے۔[145] ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ خلوت وجلوت میں عبادت کرنے میں حظ محسوس ہو۔ ہر سانس میں اللہ تعالیٰ سے غافل نہ ہونا اور یہ کہ جب بسا اوقات کوئی خاص چیز وارد ہو (کوئی حال پیش آئے) تو حد ادب سے قدم آگے نہ بڑھانا، تمام احوال میں خداوند تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھنا اور اس کے ساتھ ہی اس کی طرف سے دارِ آخرت میں سعادت ابدی کی خوشخبری بھی ملے تو یہ سب سے بڑی کرامت ہے۔[146]

اخلاص اور اخفاء حال:

اخلاص نیت و عمل کی کلیدی اہمیت تمام علماء ومشائخ کے نزدیک مسلم ہے۔ اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اطاعت وعبادت کے معاملہ میں سالک کی نظر نہ لوگوں پر ہو اور نہ ہی اپنے نفس پر۔ اہل معرفت کے نزدیک اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ نفس کی خاطر کوئی عمل نہ کرے۔[147] سلطان جی فرماتے ہیں کہ اطاعت چاہے تھوڑی ہو لیکن اخلاص زیادہ ہونا چاہیے۔[148] فرمایا کہ اللہ کی طرف جانے کے راستے خلق کی سانسوں کی تعداد کے برابر ہیں۔ ہر کام میں اخلاص ہونا چاہیے تا کہ جس شغل میں بھی ہو وہی اسے اللہ تک پہنچا دے۔[149] سلطان جی نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک بقال تھے جو پچیس سال روزے سے رہے اور کسی کو ان کے حال کی خبر نہ ہوئی اس حد تک کہ ان کے گھر والوں کو بھی یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ روزہ رکھتے ہیں۔ اگر گھر میں ہوتے تو یہ ظاہر کرتے کہ دکان میں کوئی چیز کھالی ہے۔ اس کے بعد سلطان جی نے فرمایا کہ اصل میں نیت نیک ہونی چاہیے کیونکہ خلق کی نظر تو عمل پر ہے لیکن خدا کی نظر نیت پر ہے۔ جب نیت خدا کی طرف ہو تو تھوڑا سا عمل بھی پسندیدہ ہے۔[150] سلطان جی نے فرمایا کہ بہت نماز پڑھنا اور وظائف میں بکثرت مشغول رہنا، بہت روزے رکھنا اور قرآن مجید کی تلاوت میں بہت مصروف رہنا یہ کام چنداں مشکل نہیں ہیں۔ ہر باہمت شخص کرسکتا ہے بلکہ ایک ضعیف بڑھیا بھی کرسکتی ہے کہ وہ روزے پر مداومت کرے، رات میں عبادت کرے، قرآن مجید کے چند سیپارے پڑھے لیکن مردان خدا کا کام کچھ اور ہی ہے۔ اول یہ کہ روٹی اور کپڑے کا غم اس کے پاس نہ پھٹکے کیونکہ جس درویش کے دل میں ان دو چیزوں کا غم گزرتا رہتا ہے وہ زندگی کے اعلیٰ مقصد کو حاصل نہیں کرسکتا۔ دوم یہ کہ خلوت وجلوت میں ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ یہ تمام مجاہدوں کی بنیاد ہے۔ سوم یہ کہ اس نیت سے کبھی بات نہ کرے کہ لوگوں کے قلوب اس کی طرف مائل ہوں۔ اگر وہ وعظ ونصیحت کرتا ہے تو وہ خالصتاً اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔ اس میں اپنی ذاتی غرض نہیں ہونی چاہیے اور ریا کا شائبہ نہیں ہونا چاہیے۔

Marfat.com

یہ وعظ و تذکیر اخلاص کے ساتھ ہونا چاہیے۔[151]

صحیح بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انما الاعمال بالنیات وانمالکل امری مانوی فمن کانت هجرته الی الله ورسوله فهجرته الی الله ورسوله ومن کانت هجرته لدنیا یصیبها او امراة ینکحها فهجرته الی ماهاجر الیه[152] (بلاشبہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر عمل کا انحصار اس بات پر ہے کہ اسے کس نیت کے تحت انجام دیا گیا۔ پس جس نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی نیت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کیلئے ہوئی اور جس نے دنیا کیلئے ہجرت کی کہ اسے حاصل کرے یا کسی عورت سے نکاح کرے تو اس کا عمل اس کی نیت کے موافق ہوگا)۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان الله یحب العبد التقی النقی الخفی (اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو پسند کرتا ہے جو پرہیز گار ہو، پاک صاف ہو اور جس کا معاملہ لوگوں سے پوشیدہ ہو)۔ حضرت ضمرہ بن حبیب کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی یاد کرو گمنام یاد۔ آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت گمنام یاد کیسی ہوتی ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ چھپی یاد یعنی لوگ نہ جانیں کہ تم خدا کی یاد میں لگے ہو۔[153] صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ سلم نے ارشاد فرمایا ان الله لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم[154] (اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے)۔ حضرت ابوحازم کہتے ہیں کہ میں نے زبیر بن العوام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تم میں جس کسی سے ہو سکے کہ اس کا نیک عمل پوشیدہ رہے تو اس کو یہی کرنا چاہیے۔[155] خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ (اگلے زمانہ میں) آدمی حافظ قرآن ہو جاتا اور اس کے پڑوسی کو اس کے حافظ قرآن ہونے کا پتہ نہ چلتا اور آدمی بہت سا علم حاصل کر لیتا اور لوگوں کو اس کی خبر نہ ہوتی اور ایک شخص لمبی لمبی نمازیں اپنے گھر کے اندر پڑھتا اور اس کے یہاں آئے ہوئے مہمان اس کی نماز کو نہ جان پاتے اور میں نے ایسے لوگوں کو پایا ہے کہ روئے زمین پر کوئی عمل ایسا نہیں ہے کہ چھپا کر کر سکتے ہوں تو کبھی انہوں نے علانیہ کیا ہو اور مسلمان بڑی محنت سے دعا کرتے تھے اور ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی اور ایسا اس وجہ سے کرتے کہ اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا ادعوا ربکم تضرعا وخفیته (مانگو اپنے رب سے عاجزی کے ساتھ اور چھپا کر)۔[156] آپ فرماتے ہیں کہ پہلے ایک آدمی بیس برس تک مسلسل عبادت کرتا تھا اور اس کے پڑوسی کو خبر نہیں ہوتی تھی اور اب ایک رات یا آدھی رات کوئی عبادت کرتا ہے تو صبح کو اپنے پڑوسی پر

اپنی فوقیت جتانے لگتا ہے۔ پہلے لوگ دین کی باتوں کا تذکرہ کرتے تھے اور رقت طاری ہو جاتی تھی تو اپنے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرتے تھے اور اگر بے اختیار ہو جاتے تو مجلس سے اٹھ جاتے تھے۔[157]

امام ایوب سختیانی (متوفی 131 ہجری) اپنے زہد کو مخفی رکھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اگر انسان زہد اختیار کرے تو اسے اپنے زہد کو لوگوں کیلئے عذاب نہیں بنانا چاہیے۔ آپ ساری رات قیام کرتے مگر اس کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ صبح ہوتی تو بلند آواز سے بولتے جیسے کہ وہ ابھی بیدار ہوئے ہیں۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے تھے کہ لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رہنے والا اس لیے بہتر ہوتا ہے کہ اسلاف کا طریقہ یہی تھا کہ عظمت کے بجائے ذلت کو پسند کرتے تھے۔[158] حضرت سہل بن عبداللہ تستری سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل نفس پر زیادہ بھاری ہے۔ فرمایا اخلاص کیوں کہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔[159] حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ اخلاص کی تین علامتیں ہیں۔ اول یہ کہ صاحب اخلاص کیلئے لوگوں کی تعریف اور مذمت یکساں ہو جائے۔ دوم اعمال میں اعمال کے مشاہدہ سے بے نیاز ہو جائے یعنی عمل کرنے کے بعد اسے بھول جائے۔ سوم اس بات کا خواستگار نہ ہو کہ آخرت میں اس کے اعمال کا اس کو اجر ملے گا۔[160] شیخ ابوعلی وقاق فرماتے ہیں کہ اخلاص لوگوں کے دکھاوے سے عمل کو پاک کرنے کا نام ہے اور صدق وتقویٰ عمل کو نفس کے دکھلاوے سے پاک کرنا ہے۔[161] ایک شخص نے حضرت جنید سے عرض کیا کہ خراسان کے مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ حجابات تین ہیں۔ اول حجاب خلق، دوم حجاب دنیا، سوم حجاب نفس۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ دل کا حجاب عام ہے اور خاص تو وہ دوسری چیزوں سے بھی پردے میں ہے اور وہ ہے رویتہ الاعمال ومطالعتہ الثواب علیھا ورویتہ النعم[162] (اپنے اعمال کا دیکھنا اور ان پر ثواب کا مطالعہ کرنا اور نعمتوں کا مشاہدہ کرنا)۔ امام ابوالقاسم قشیری فرماتے ہیں کہ اطاعت کو قصد وارادہ کے ساتھ حق کے ساتھ خاص کرنا اخلاص ہے۔ بندہ کو اطاعت سے سوائے تقرب الٰہی کے اور کوئی غرض نہ ہو۔ مخلوق کیلئے یا ان کی خوشنودی اور تعریف حاصل کرنے کیلئے اطاعت نہ کرے۔[163] امام قشیری اپنی تفسیر لطائف الاشارات میں ھدی للمتقین کی شرح میں فرماتے ہیں کہ متقی وہ شخص ہے جو اپنے تقویٰ پر نظر کرنے سے بچے اور اس پر تکیہ نہ کرے اور اپنی نجات کو اپنے مولیٰ کے فضل پر منحصر سمجھے۔

Marfat.com

مقصود علم:

اسلامی نظریہ حیات اور اسلامی تہذیب میں علم کو جو کلیدی اہمیت حاصل ہے اس کی نظیر دنیا کی کسی اور تہذیب میں نہیں ملتی۔ اسلام نے ہر مرد و عورت پر علم کا حاصل کرنا فرض قرار دیا۔ طلب علم کی فضیلت میں بکثرت حدیثیں وارد ہیں۔[164] اسلامی تہذیب میں علم اور اس کا سیکھنا سکھانا کسی مخصوص طبقہ یا گروہ کی جاگیر نہیں ہے۔ اسلام علم و عمل کو لازم و ملزوم قرار دیتا ہے اور علم کا رشتہ اخلاق حسنہ اور صالح سیرت و کردار سے جوڑتا ہے۔ اسلام کا نظریہ علم اس حقیقت کا احاطہ کرتا ہے کہ علم ہدایت و معرفت کا ذریعہ بھی ہو سکتا ہے اور ضلالت اور گمراہی کا سرچشمہ بھی۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا تھی **اللھم انی اعوذبک من علم لاینفع وقلب لا یخشع ودعاء لا یسمع ونفس لاتشبع**[165] (اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے علم سے جو مجھے نفع نہ دے اور ایسے دل سے جو تجھ سے نہ ڈرے اور ایسی دعا سے جو مستجاب نہ ہو اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو)۔ اسلامی روایات و آثار میں علم کو دنیا کمانے اور جاہ و مرتبہ حاصل کرنے کا ذریعہ بنانے کی مذمت آئی ہے۔ صوفیائے سلف کی کتابوں میں علم کی آفتوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی تعلیمات و ملفوظات میں مقصود علم سے متعلق بصیرت افروز اور فکر انگیز اشارات ملتے ہیں۔ پہلے ہم سلطان جی کے ارشادات کو پیش کریں گے اور پھر ان کے استشہاد و تشریح میں حدیث و آثار اور مشائخ متقدمین کے اقوال پیش کریں گے۔

سلطان جی فرماتے ہیں کہ ایک روز اجودھن میں ایک شخص حضرت بابا صاحب کی خدمت میں آیا اور آہستہ سے آپ کے کان میں کہا کہ دلی میں آپ اور میں ہم سبق تھے۔ اس کے کہنے کا دراصل مقصد یہ تھا کہ اس کو شہر میں قاضی یا مفتی کی جگہ مل جائے۔ آپ نے اس کی نیت کا پتہ نور باطن سے چلا لیا اور فرمایا بھائی! اگر پڑھنے کا مقصد جنگ و جدال ہے تو مت پڑھو۔ اگر عمل کیلئے ہے تو اس قدر علم کافی ہے کہ پڑھو اور اس پر عمل کرو۔ شریعت کے علم پڑھنے سے مقصود اس پر عمل کرنا ہے نہ کہ خدا کی مخلوق کی تکلیف پہنچانا۔[166] سلطان جی نے فرمایا کہ جو شخص علم حاصل کرے اس کیلئے علم ایک عمدہ اور قیمتی درخت کی طرح ہے جو بغیر رنج و محنت کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ علم بھی خوش نصیبی سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر علم کے ساتھ اطاعت بھی کرے تو نور علیٰ نور ہے۔ جب دونوں حاصل ہو جائیں تو ان دونوں کو یعنی علم و عمل کو نظر انداز کر دے تاکہ تکبر میں مبتلا نہ ہو۔[167] فرمایا کہ آدمی جب علم حاصل کرتا ہے تو شرف پاتا ہے اور جب اطاعت کرتا ہے تو اس کا کام بہتر ہو جاتا

Marfat.com

ہے۔اس وقت اسے پیر کی ضرورت ہوتی ہے کہ دونوں کے غرور کو توڑ ڈالے یعنی علم وعمل کو اس کی نظر سے گرا دے تاکہ وہ مغرور نہ بن جائے اور گھاٹے میں نہ رہے۔[168] ایک دفعہ ایک طالب علم سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوا۔حضرت نے اس کا حال دریافت فرمایا۔اس نے جواب دیا میں نے تعلیم تو پوری کر لی ہے۔اب شاہی محل میں آنا جانا شروع کیا ہے تاکہ روٹی ملے اور فراغت حاصل ہو۔جب وہ واپس چلا گیا تو سلطان جی نے یہ شعر پڑھا:

شعر در وصف حال بس سرہ ایست　　　چوں بخواہش رسید مسخرہ ایست

(کیفیات کے اظہار کیلئے تو شعر بڑی پاکیزہ اور عمدہ چیز ہے لیکن ہوس تک پہنچے تو مسخرہ پن ہے)۔

اس کے بعد فرمایا کہ شعر ایک لطیف چیز ہے لیکن جب (اس کے ذریعہ) قصیدہ خوانی کریں اور ہر کس وناکس تک لے جائیں تو یہ سخت بدذوقی ہے اور علم خود اپنی جگہ بہت اعلیٰ چیز ہے لیکن جب اس کو روزی کا ذریعہ بنائیں اور دروازے دروازے پھریں تو پھر اس کی عزت بھی جاتی رہتی ہے۔[169] سلطان جی کے مریدوں میں مولانا جمال الدین ادھی بڑے علم وفضل کے مالک تھے۔ ان کا ظاہر وباطن اہل تصوف کے اوصاف سے آراستہ تھا۔جب یہ حضرت کے جماعت خانہ میں حاضر ہوئے اور بیعت وارادت سے مشرف ہوئے تو سلطان جی کی طرف سے جوان صالح کے خطاب سے نوازے گئے۔ایک دفعہ جماعت خانہ میں ایک خراسانی مولوی آیا جسے مولانا بحاث کہتے تھے۔اس نے علماء شہر کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔چنانچہ کوئی اس سے بحث نہیں کر سکتا تھا۔اس نے بزدوی کے بارے میں گفتگو شروع کی۔مولانا جمال الدین نے اس سے بحث شروع کی اور اسے لاجواب کر دیا۔مولانا وجیہ الدین پائلی اور دوسرے مریدوں نے مولانا جمال الدین کو داد دیتے ہوئے کہا کہ خدا کی رحمتیں ہوں تم پر اور تمہارے علم پر کہ تم نے اس کے دماغ سے رعونت کو نکال دیا۔خواجہ اقبال نے اس واقعہ کی اطلاع سلطان جی کو پہنچائی۔آپ نے فرمایا کہ اس نوجوان اور ان سب مریدوں کو جو اس مجلس میں موجود تھے بلا کر لاؤ۔جب آپ کی خدمت میں وہ سب حاضر ہوئے تو حضرت نے مولانا جمال الدین سے فرمایا: رحمت بر آمدن تو کہ علم خود نفروختی[170] (تمہارے آنے پر خدا کی رحمت ہو کہ تم نے اپنا علم فروخت نہیں کیا)۔پھر سلطان جی نے ان کو لباس خاص عطا فرمایا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے علم اس لیے حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ سے علماء میں امتیاز پیدا کرے اور ادنیٰ لوگوں پر تفوق حاصل کرے یا یہ کہ لوگ اس کی طرف

Marfat.com

متوجہ ہوں تو اس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لینا چاہیے۔[171] حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا کہ ان احادیث کو جن سے اللہ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے کوئی آدمی سیکھے اور اس کے ذریعہ وہ دنیوی مال وجاہ چاہے تو وہ کبھی جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔[172] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے کہ آج تم ایسے دور میں ہو کہ خواہش علم کے تابع ہے۔ تم پر ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ اس وقت علم خواہش کے تابع ہوگا۔[173] آپ نے فرمایا کہ اگر اہل علم اپنے علم کی حفاظت کریں اور اسے اس کے اہل کے نزدیک رکھیں تو یقیناً اس کے ساتھ زمانہ والوں کے سردار بن جائیں لیکن انہوں نے اس کو اہل دنیا کیلئے خرچ کیا تا کہ اس کے ذریعہ سے ان کی دنیا حاصل کریں۔ پس وہ دنیا والوں کی نظر میں ذلیل ہو گئے۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے اپنے تمام مقصود کو صرف آخرت کا مقصد بنا لیا تو اللہ تعالیٰ دنیا کے مقصود سے اس کو کفایت کرے گا۔[174] حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ عالم جب اپنے علم سے رضائے الٰہی کا ارادہ کرے تو ہر چیز اس سے رعب کھاتی ہے اور جب وہ اپنے علم سے دولت کی زیادتی کا ارادہ کرے تو وہ خود ہر چیز سے ڈرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: **ان اخوف ما اخاف علی ھذہ الامتہ المنافق علیم قالوا وکیف یکون منافقا علیما قال علیم اللسان جاھل القب والعمل**[175] (اس امت کے بارے میں مجھے سب سے زیادہ اندیشہ علم رکھنے والے منافق سے ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ علم والا منافق کیسے ہوسکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص جو علمی باتیں تو بہت کرتا ہے لیکن قلب اور عمل کے اعتبار سے جاہل ہے)۔ حضرت ابوالدرداءؓ کہتے تھے کہ قیامت کے دن حساب کیلئے کھڑے ہونے میں مجھے سب سے زیادہ ڈر اس بات سے لگتا ہے کہ کہیں مجھ سے یہ سوال نہ ہو کہ تمہارے پاس علم تھا تو تم نے اپنے علم پر کتنا عمل کیا۔[176] حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ تمہارے لیے قول سے عمل بہتر ہے اور انجمن آرائی سے تنہائی بہتر ہے اور دنیا سے آخرت بہتر ہے۔ باتوں کے بجائے لوگوں کے عمل کو دیکھو اس لیے کہ باتوں کی تصدیق و تکذیب عمل سے ہوتی ہے۔ پس جب تک کسی سے اچھی باتیں سنو تو یہ دیکھو کہ اس کا عمل اس کے قول کے موافق ہے یا نہیں۔ اگر موافق ہو تو اس کے ساتھ بھائی چارگی کا سلوک کرو۔ اس کے ساتھ محبت سے پیش آؤ اور حسن اخلاق کا برتاؤ کرو اور اگر قول و عمل میں موافقت نہ ہو تو اس کے بارے میں (اس کی باتوں کا مقام) تم پر پوشیدہ نہیں تم اس سے بچو۔ تم کو دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔[177]

امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ عالم دین کا طبیب ہے اور مال دین کا مرض ہے۔ جب طبیب ہی مرض کو اپنی جیب میں ڈالے تو دوسرے کا علاج کس طرح کرے گا۔ امام حسنؓ فرماتے

ہیں: عوقبته العلماء موت القلب وموت القلب وموت القلب طلب الدنیا بعمل الاخرة[178] (علماء کی سزا دل کی موت ہے اور دل کی موت یہ ہے کہ آخرت کے عمل کے ذریعہ دنیا طلب کی جائے)۔ حضرت عبداللہ بن مبارک سے پوچھا گیا کہ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ علماء۔ پوچھا گیا کہ بادشاہ کون ہیں؟ فرمایا کہ زہاد۔ پوچھا گیا کہ احمق کون ہے؟ فرمایا کہ وہ شخص جو اپنے دین کو روزی کا ذریعہ بناتا ہو۔[179] حضرت سہل بن عبداللہ تستری سے لوگوں نے دریافت کیا کہ بدنصیبی اور بدبختی کی علامت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کی علامت یہ ہے خدا تجھے علم عطا کرے اور عمل کی توفیق نہ دے۔ عمل دے اور اخلاص نہ دے اور جو عمل کرے وہ بیکار اور رائیگاں جائے۔ نیکوں کی صحبت اور زیارت کا موقع تجھے بخشے لیکن ان میں مقبولیت نہ ہو۔[180] حضرت یحییٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں کہ علم و حکمت رخصت ہو جاتے ہیں جب ان کے ذریعہ دنیا طلب کی جاتی ہے۔[181] مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں:

علم را برتن زنی مارے بود
علم را بر جاں زنی یارے بود[182]

سعدی شیرازی فرماتے ہیں:

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوئے لوح دل از نقش غیر حق
علمیکہ راہ حق نہ نماید جہالت است[183]

Marfat.com

باب:5

ملفوظات

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات امیر حسن سنجری نے جمع کیے اور اس کا نام فوائد الفواد رکھا۔ یہ ملفوظات پندرہ سال کے عرصہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ نفس مضمون کے اعتبار سے ان میں بڑا تنوع اور ہمہ گیری ہے۔ ان میں مریدین کی تربیت اور دلجوئی کیلئے اشارے اور نکتے، حکایات اورادو وظائف، تاریخی واقعات کا ذکر، سوانحی مواد، تصوف و معرفت سے متعلق لطیف نکتے اور بصیرت افروز ارشادات، شرعی امور واحکام کی وضاحت، علمی وادبی نکتے، معرفت سے لبریز اشعار، کتب مشائخ کا ذکر، حدیث کی تشریح، باطل عقائد کی تردید، حسن خلق، علماء وصلحاء کا ذکر خیر، نیک بادشاہوں کا ذکر، حضرت کے اساتذہ کے مناقب، سماع، مردان غیب کا تذکرہ، نفسیاتی نکتے اور بصائر اور اس نوع کی متفرق معلومات موجود ہیں۔ ان تمام موضوعات کا جائزہ لینا ممکن نہیں لہٰذا ہم چند منتخب موضوعات کا جائزہ لیں گے اور ان کی توضیح واستشہاد میں اخبار وآثار اور مشائخ متقدمین کے ارشادات پیش کریں گے۔

سوز عشق:

سلطان جی فرماتے ہیں کہ فرشتوں کو محبت کا حظ حاصل نہیں ہوتا۔ شراب محبت صرف جوہر انسانی کا مقدر ہے۔ درد کا نام بھی فرشتے نہیں جانتے۔[1] فرمایا کہ ہر عضو کو عمل کیلئے بنایا گیا ہے اگر اس سے وہ کام نہ لیا جائے تو وہ عضو بے کار اور بیمار ہو جاتا ہے جیسا کہ دل خالص محبت الٰہی کیلئے بنایا گیا ہے۔ محبت جھوٹے اور سچے کے فرق کو ظاہر کرتی ہے یعنی محبت مرد اور نامرد کے فرق کو ظاہر کرتی ہے۔ اگر کوئی مرد سچا عاشق ہے تو اپنے محبوب کی جفاؤں اور اپنی وفا پر صبر کرے گا اور ساری عمر اس نہج پر بسر کرے گا کہ اپنے محبوب کے اتباع سے ذرہ بھر تجاوز نہ کرے اور سچی محبت کے ساتھ اس کے دروازے کو کھٹکھٹائے اور اس کی محبت میں مستقیم رہے۔ جو دولت محبت حاصل کرنا چاہتا ہے

جب تک وہ اپنے عزیز جان وتن کو رضائے دوست کیلئے مصیبتوں میں نہیں ڈالتا اسے ہرگز یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی۔[2] سلطان جی فرماتے ہیں کہ درویشوں نے مراقبہ قلب کو محبوں کا خاصہ اور عاشقوں کا وظیفہ قرار دیا ہے۔ وہ اس کو تمام عبادتوں پر مقدم رکھتے ہیں مثلاً اگر کوئی چاہے کہ جنگل کو درختوں سے صاف کردے اور اپنے ہاتھ سے اس مشکل کام کے کرنے میں مصروف ہو جائے تو ایک طویل عرصہ گزارنے پر بھی اس کی یہ غرض حاصل نہیں ہوسکتی لیکن اگر وہی شخص اس جنگل میں آگ لگادے تو وہ بہت جلد جل جائے گا۔ یہی مثال مشغولی باطن کی ہے کہ جب محبت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے تو اس آگ میں تمام اخلاق رذیلہ اور ذمیمہ بھسم ہو کر رہ جاتے ہیں اور پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ محبت حق کے لائق ہو جاتا ہے۔[3] سلطان جی فرماتے ہیں کہ جو اللہ کا مشتاق ہوتا ہے ہر شے اس کی مشتاق ہو جاتی ہے۔[4]

مولانا حسام الدین ملتانی نے ایک دفعہ کہا کہ خدا تعالیٰ سے اپنے حال کے مطابق درخواست کرنی چاہیے۔ محبّ الٰہی بھی ایک حال ہے۔ ہر شخص کہ منازل سلوک میں مستقیم نہ ہو، مقامات پر مستقیم نہ ہو اس کی اس قسم کی درخواست خدا تعالیٰ کے ہاتھ حیلہ ومکر ہے۔ ان کی یہ بات سلطان جی کے کانوں تک پہنچی۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے اس کی محبت طلب کرنی چاہیے اور یہ دعا بہت زیادہ پڑھنی چاہیے: **اللهم انی اسئلک حبک وحب من یحبک والعمل الذی تادی الی حبک اللهم اجعل حبک احب الی من نفسی واهلی ومالی ومن الماء البارد للعطشان**[5] (اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت اور ان لوگوں کی محبت مانگتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور ایسا عمل مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت کی طرف لے جائے۔ اے اللہ تو اپنی محبت کو میری ذات، میرے مال اور میرے اہل وعیال سے بھی بڑھ کر عطا کر جیسا کہ ٹھنڈا پانی پیاسوں کیلئے عزیز ہے)۔[6]

سلطان جی نے ایک رقعہ مولانا فخر الدین زرادی کے نام لکھا۔ اس میں تحریر تھا: اصحاب طریقت اور ارباب حقیقت سب اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کے پیدا کرنے کا سب سے بڑا مقصد محبت رب العالمین ہے۔ محبت ذات وہبی بخشش ہے اور محبت صفات کسبی ہے۔ جو وہبی ہے اس کا بندہ کے عمل اور کسب سے تعلق نہیں۔ جو کسبی ہے اس محبت دوام کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دل کو غیر اللہ سے خالی کر کے ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ اس کیلئے فراغت ضروری ہے اور فراغت سے روکنے والی چار چیزیں ہیں: خلق، دنیا، نفس اور شیطان۔ خلق کو دور کرنے کیلئے گوشہ نشینی ہے اور دنیا کو دور کرنے کا طریقہ قناعت ہے اور نفس اور شیطان کو روکنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر

Marfat.com

لمحہ اللہ سے التجا کی جائے۔[7]

سلطان جی کا مشرب حضرت سمنون المحب (متوفی 298ھ) کا مشرب ہے۔[8] وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ محبت راہ خدا کی اساس و بنیاد ہے۔ اس پر تمام احوال و مقامات اور منازل کی بنا ہے اور ہر منزل و محل میں خواہ طالب کہیں گامزن ہو اس کا اس سے زوال ممکن ہے لیکن حق تعالیٰ کی محبت کے مقام میں اس کا زوال ممکن نہیں۔[9] حضرت سمنون فرماتے ہیں کہ محبوبان خدا تو دنیا و آخرت کی شرافت کے ساتھ واصل بحق ہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے **المرء مع من احب** (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرے)۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں دروازہ پل کے قریب تھا اور مجھ پر ایک انتہائی مایوسی کی کیفیت طاری تھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ نظام! تم کہاں اور محبت الٰہی کہاں۔ میں اسی عالم میں شیخ رساں کے روضہ مبارک پر گیا اور چلہ کھینچا۔ جب چلہ ختم ہوا تو میں نے دیکھا کہ روضہ میں ایک خشک درخت تھا جو سرسبز ہو گیا۔ میں نے شیخ کے روضہ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کی کہ یہ خشک درخت بھی ان چالیس دنوں میں ہرا بھرا ہو گیا مگر میرا حال نہ بدلا۔ میں یہ بات کہہ کر اپنے گھر کو روانہ ہو گیا۔ راستہ میں میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ لڑکھڑاتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ مجھے لگا یہ آدمی نشہ میں ہے۔ چنانچہ میں راستہ بدل کر دوسرے راستہ پر چلنے لگا۔ وہ آدمی میری طرف آیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب خدا کی پناہ ڈھونڈنی چاہیے۔ میں نے اس کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو میں نے دونوں ہاتھ بڑھائے اور اس سے معانقہ کیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس کے منہ اور سینہ سے عطر کی خوشبو آ رہی ہے۔ یہاں تک کہ اس نے مجھ سے کہا کہ اے صوفی! تیرے سینے سے حق تعالیٰ کی محبت کی بو آ رہی ہے۔ یہ کہہ کر وہ شخص غائب ہو گیا۔[10]

حضرت معروف کرخی سے پوچھا گیا کہ محبت کیا چیز ہے! انہوں نے فرمایا کہ یہ سیکھنے سکھانے سے نہیں آتی۔ یہ حق تعالیٰ کا انعام اور بخشش ہے۔[11] حضرت جنید فرماتے ہیں کہ عاشق کا اپنی صفات ترک کر کے محبوب کی صفات کا قبول کر لینا محبت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مفہوم اور مطلب ہے **فاذا احببتہ کنت سمعا و بصرا** (جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کا کان اور آنکھ بن جاتا ہوں)۔[12] امام غزالی فرماتے ہیں **فان المحبتہ للہ ھی الغایتہ القصوی من المقامات و الذروۃ العلیا من الدرجات**[13] (بے شک اللہ تعالیٰ سے محبت مقامات کی اعلیٰ ترین منزل ہے اور درجات میں سب سے اونچی ہے)۔

Marfat.com

تسلیم ورضا:

ایک مجلس میں صبر ورضا کا ذکر نکلا۔ سلطان جی نے ارشاد فرمایا کہ صبر یہ ہے کہ جب بندہ کو کسی ناپسندیدہ چیز سے واسطہ پڑے تو اس سے اس کو ناگواری نہ ہو جیسے کہ اس کو اس بلا سے سابقہ ہی نہیں پڑا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص راستہ چل رہا ہے اور اس کے پیر میں کانٹا چبھ گیا اور خون بہنے لگا لیکن وہ اتنی جلدی میں جا رہا ہوتا ہے اور اس کا دھیان کسی اور طرف اس طرح لگا ہوا ہوتا ہے کہ کانٹا چبھنے کی اسے مطلق خبر نہیں ہوتی۔ کچھ دیر بعد پتہ چلتا ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص جنگ میں مشغول ہے اور اس کے کوئی زخم لگا لیکن وہ لڑائی میں ایسا محو ہوتا ہے کہ زخموں کو ذرا بھی محسوس نہیں کرتا۔ جب اپنی قیام گاہ پر واپس آتا ہے تو احساس ہوتا ہے۔ پس جب اس قسم کی محویت تکلیف سے بے خبر رکھ سکتی ہے تو جو شخص حق میں مشغول ہو اس کی محویت اور بھی زیادہ ہوگی۔[14] سلطان جی فرماتے ہیں کہ درویش وہ ہوتا ہے کہ جو زمان اور مکان کی قید سے باہر نکل جاتا ہے۔ نہ وہ کسی خوشی سے شادمان ہوتا ہے اور نہ کسی غم سے غمگین اور ایسا ہی شخص ہوتا ہے جو دنیا اور دنیاداری سے آزاد ہو جائے۔[15] ایک مجلس میں ایک شخص حاضر ہوا اور اپنے حالات کے سدھار کیلئے امداد چاہی۔ سلطان جی نے ارشاد فرمایا کہ روزگار کی تنگی دور کرنے کیلئے ہر رات کو سورہ جمعہ پڑھنی چاہیے۔ پھر فرمایا کہ حضرت بابا صاحب کا ارشاد تھا کہ ہر جمعہ کی رات پڑھنی چاہیے مگر میں کہتا ہوں کہ ہر رات کو پڑھنی چاہیے مگر میں خود اپنے لیے کبھی نہیں پڑھتا کیونکہ وہ (اللہ) جس حال میں چاہتا ہے رکھتا ہے۔[16]

سلطان جی نے اپنے جس حال کا ذکر فرمایا اسے اصطلاح میں مقام رضا کہتے ہیں۔ امام حسنؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کیلئے جو اختیار فرمایا ہے بندہ خدا کی عطا کردہ حالت کے سوا کسی اور حالت کی آرزو نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ بندے کیلئے جو پسند فرمائے بندہ اسی کو چاہے۔ جب بندہ خدا کی رضا اور اختیار کو دیکھ لیتا ہے تو وہ اپنی مرضی اور اختیار سے منہ موڑ کر ہر غم وفکر سے نجات پا جاتا ہے۔[17] حضرت بشر حافی نے حضرت فضیل بن عیاض سے دریافت کیا کہ زہد افضل ہے یا رضا؟ حضرت فضیل نے فرمایا **الرضاء افضل من الزھد لان الراضی لایتمنی فوق منزلہ**[18] (زہد سے رضا افضل ہے کیونکہ جو اس مقام پر فائز ہے وہ اس سے اوپر کی منزل کی خواہش نہیں کرتا)۔ حضرت حارث محاسبی فرماتے ہیں کہ رضا احوال کے قبیل سے ہے۔ یہ کوئی شے نہیں جو مجاہدہ اور کسب کے ذریعہ حاصل ہو جائے۔ عبدالواحد بن زید فرماتے ہیں کہ سالکی کا راستہ بہت

Marfat.com

لمبا ہے اور وہ ریاضت کا طریقہ ہے اور خواص کا طریقہ بہت قریب ہے مگر زیادہ دشوار ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہارا عمل ان باتوں پر ہو جن سے اللہ راضی رہے اور تو اللہ کی قضا سے راضی رہے۔[19] حضرت ابوطالب مکی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر یقین کے مقامات میں سے سب سے بلند ترین مقام خدا تعالیٰ سے رضا کا ہے۔[20] حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں کہ جو لوگ برگزیدگی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں وہ اس کے محبوب ہوتے ہیں کیونکہ وہ حالت رضا میں بلا وسختی سے خالی ہوتے ہیں اور ان کے دلوں کی منزلیں صرف حق تعالیٰ ہی کی طرف ہوتی ہیں۔ ان کے سوا پردہ اسرار بجز محبت کے گل و غنچہ کے کچھ نہیں ہوتا۔ غائب ہوتے ہوئے بھی حاضر ہوتے ہیں۔ فرشی ہوتے ہوئے بھی عرشی ہوتے ہیں اور جسمانی ہوتے ہوئے بھی روحانی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ خالص موحد ربانی اور لوگوں سے دلبرداشتہ ہوتے ہیں۔ ان کے مقامات واحوال محفوظ، ان کا باطن خلق سے جدا، حق تعالیٰ کی محبت میں وارفتہ اور اس کے لطف و کرم کے انتظار میں رہتے ہیں۔[21] شیخ ابوطالب مکی فرماتے ہیں کہ محبت میں دو مقام ہیں ایک مقام محب ہے اور اس سے بلند تر مقام محبوب ہے۔[22] سلطان جی اس مقام محبوبیت پر فائز تھے اور اسی بنا پر آپ خواص وعوام میں محبوب الٰہی کے نام سے مشہور ہیں۔

صحو وسکر:

سکر کے لغوی معنی مستی کے ہیں لیکن اصطلاح میں خود سے بیگانہ اور بےخود ہو جانے کو کہتے ہیں۔ صحو کے معنی ہوشیاری کے ہیں۔ روحانی حال کے غلبہ کا نام سکر ہے اور تہذیب وترتیب افعال کی جانب سکر سے واپس آ جانے کا نام صحو ہے۔ حضرت جنید بغدادی اور مشائخ کی بڑی تعداد صحو کو سکر پر ترجیح دیتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سکر محض آفت ہے اس لیے کہ سکر میں احوال پراگندہ، صحت وہوش مفقود اور بندے کے تمام علائق گم ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف حضرت بایزید بسطامی اور ان کے متبعین سکر کو صحو پر فوقیت دیتے ہیں۔ سلطان جی کا مشرب جنیدی ہے۔

ایک مجلس میں امیر حسن سنجری نے عرض کی کہ یہ کیا بات ہے کہ خواجہ ابوسعید ابوالخیر بہت دفعہ غیب کی باتیں زبان پر لائے ہیں۔ سلطان جی نے فرمایا کہ جس وقت اولیاء اللہ شوق کے غلبہ میں ہوتے ہیں تو بےخودی کے عالم میں کچھ کہہ دیتے ہیں البتہ جو کامل ہیں وہ اسرار میں سے کوئی چیز بھی ظاہر نہیں کرتے۔ اس کے بعد یہ مصرع زبان مبارک پر آیا:

مرداں ہزار دریا خورند و تشنہ رفتند

Marfat.com

(مردوں نے ہزار دریا پئے پھر بھی پیاسے گئے)

پھر فرمایا کہ بہت بڑا حوصلہ چاہیے کہ راز کے قابل ہو سکے اور اس کے اہل پوری طرح ہیں تو اصحاب صحو ہیں۔ امیر حسن نے پوچھا کہ اصحاب سکر کا مرتبہ اونچا ہے یا اصحاب صحو کا۔ آپ نے فرمایا اصحاب صحو کا۔[23]

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی نے (جو مشرب صحو کے حامی تھے) حضرت بایزید بسطامی کے نام ایک خط بھیجا اور دریافت کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس نے دریائے محبت سے ایک قطرہ پیا اور مست ہو گیا۔ حضرت بایزید نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ اگر سارے جہاں کے دریا محبت کی شراب بن جائیں اور وہ شخص ان سب کو پی جائے پھر بھی وہ سیراب نہ ہو اور پیاسا ہی رہ جائے۔ حضرت یحییٰ نے اپنے خط میں سکر کی طرف اشارہ فرمایا اور حضرت بایزید نے صحو کی طرف۔[24] امام ابو بکر بن اسحاق فرماتے ہیں: صحو کی حالت (سکر کی حالت کے مقابلہ میں) زیادہ کامل ہے اس لیے کہ سکر کی حالت والا انسان ناپسندیدہ چیز میں ایسے پڑ جاتا ہے کہ اسے اس کی خبر ہی نہیں ہوتی اور وہ ناپسندیدگی کے وجود سے غافل ہوتا ہے اور صاحب صحو انسان درد کو لذت پر ترجیح دے کر اسے اختیار کرتا ہے پھر اس درد انگیز چیز میں لذت پاتا ہے کیونکہ اس پر اس کے محبوب کے مشاہدہ کا غلبہ ہوتا ہے۔[25] حضرت داتا صحب کے پیر و مرشد شیخ ابوالفضل ختلی فرماتے ہیں کہ سکر بچوں کے کھیل کا میدان ہے اور صحو مردان خدا کے فنا کا میدان۔[26] شیخ واسطی فرماتے ہیں کہ وجد کے مقامات چار ہیں: (1) ذہول یعنی بھول جانا (2) حیرت (3) سکر (4) صحو۔ ان مراتب و مقامات کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر کا حال سنے پھر وہ سمندر کے قریب جائے اور پھر سمندر میں داخل ہو جائے۔ اس کے بعد وہ سمندر کی لہروں میں گھر جائے۔ اسی تمثیل کے مطابق جس کسی میں حال کا کچھ اثر باقی رہتا ہے اس پر سکر کا اثر باقی رہتا ہے اور جس کی ہر چیز اپنے مقام پر لوٹ آئے تو اس کی اس وقت کی حالت صحو کی ہوتی ہے پس سکر صرف ارباب قلوب کیلئے ہے اور صحو ان کو نصیب ہوتا ہے جن پر غیبی حقائق کا انکشاف ہو جاتا ہے۔[27]

شیخ کے صفات:

سلطان جی فرماتے ہیں کہ شیخ کا ادنیٰ حال یہ ہونا چاہیے کہ وہ ان اوصاف سے آراستہ ہو: اول یہ کہ وہ مراد ہو۔[28] تاکہ مرید کی تربیت اس سے ممکن ہو۔ دوسری صفت یہ ہے کہ سلوک کے

راستہ کو اس نے طے کیا ہوتا کہ وہ راستہ کی صحیح رہنمائی کر سکے۔ تیسری صفت یہ ہے کہ خود صاحب آداب ہوتا کہ مریدوں کو آداب سکھلا سکے۔ چوتھے یہ کہ شیخ صاحب جود وعطا اور بے ریا ہو۔ پانچویں یہ کہ مرید کے حال پر ذرا بھی حریص نہ ہو۔ چھٹی یہ کہ جہاں اشارے سے پند وموعظت ممکن ہو صراحت سے احتراز کرے۔ ساتویں یہ کہ جہاں تک ممکن ہو مرید کو آداب کی تعلیم نرمی سے کرے۔ غصہ اور سختی سے آداب نہ سکھائے۔ آٹھویں یہ کہ جس چیز کیلئے شیخ مامور ہے اس کے کرنے کا مرید کو صراحت سے حکم دے۔ نویں یہ کہ اس کے شیخ نے جن چیزوں سے اس کو منع کیا ہو ان سے وہ مریدوں کو بھی روکے۔ دسویں یہ کہ جب کسی کو اللہ کیلئے مرید کرے تو پھر اسے کسی کیلئے رد نہ کرے۔ پس جس شخص میں یہ صفات ہوں گی اس کے مرید صادق القول ہوں گے۔ [29]

سلطان جی نے فرمایا: پیر آنچہ باید کہ در احکام شریعت وطریقت وحقیقت عالم باشد و چوں ایں چنیں باشد او خود ہیچ نامشروع نہ فرماید[30] (پیر ایسا ہونا چاہیے کہ احکام شریعت وطریقت وحقیقت کا علم رکھتا ہو اور اگر ایسا ہوگا تو وہ خود کسی ناجائز کام کے کرنے کو نہ کہے گا)۔

سلوک:

ایک مجلس میں سلوک کا ذکر آیا۔ سلطان جی نے فرمایا کہ چلنے والا کمال کی طرف رخ رکھتا ہے یعنی سالک جب تک سلوک میں ہے کمالیت کا امیدوار ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ سالک ہوتا ہے اور واقف ہوتا ہے اور راجع۔ چنانچہ سالک تو وہ ہے جو راستہ چلتا ہے اور واقف وہ ہے کہ جس کو وقفہ پڑ جاتا ہے جب بھی سالک کی اطاعت میں کوئی فتور پڑتا ہے جیسے کہ اطاعت کا ذوق نہ رہے تو اس کیلئے وقفہ ہوتا ہے۔ اگر جلدی ہوشیار ہو جائے اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہو تو پھر سالک ہو سکتا ہے اور اسی حال پر جما رہے تو اس کا خطرہ ہے کہ راجع ہو جائے۔[31] فرمایا کہ جو بھی مقامات اعلیٰ پر پہنچا ہے حسن عمل کی برکت سے پہنچا ہے اور اگرچہ فیض ایزدی شامل حال رہتا ہے لیکن خود بھی کوشش واجتہاد سے کام لینا چاہیے۔ مولانا فخر الدین زرادی نے سلطان جی سے پوچھا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنا زیادہ بہتر ہے یا ذکر الٰہی کرنا۔ سلطان جی نے فرمایا کہ ذاکر جلد تر واصل ہو جاتا ہے لیکن اس کو زوال کا خوف ہوتا ہے البتہ تلاوت کرنے والا واصل دیر میں ہوتا ہے لیکن اسے زوال کا چنداں خوف نہیں ہوتا۔[32]

قاضی محی الدین کاشانی نے ایک دفعہ سلطان جی سے پوچھا کہ نمازی یا ذاکر جب حضور میں ہو اور ذاکر کا باطن یاد الٰہی میں مشغول ہو تو اسے اس حال میں مراقب کہہ سکتے ہیں اور کیا یہ حقیقت

Marfat.com

میں اس کا مراقبہ ہے۔ سلطان جی نے فرمایا کہ مراقبہ لغت کے اعتبار سے یہی ہے لیکن مشائخ طریقت کی اصطلاح میں جمال حق کو دیکھنا (مراقبہ) ہے اور قلب کا عمل مخفی ہوتا ہے۔ چنانچہ وہی جانتا ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کیا دیکھ رہا ہوں۔ لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیکار ہے لیکن حقیقت میں وہ کام میں لگا ہوا ہے۔[33] ایک مجلس میں خطرہ اور عزیمت اور فعل کا ذکر آیا۔ فرمایا اول خطرہ ہے کہ پہلے آدمی کے دل میں کوئی چیز آتی ہے۔ اس کے بعد عزیمت ہے یعنی اس خیال پر دل جم جاتا ہے۔ اس کے بعد فعل ہے یعنی اس عزیمت کو عمل تک پہنچانا ہے۔ اس کے بعد سلطان جی نے فرمایا کہ عوام جب تک کر نہ گزریں پکڑ میں نہیں آتے لیکن خواص کے خطرہ ہی پر پکڑ ہو جاتی ہے۔[34] لوگوں کو چاہیے کہ ہر حال میں خدا کی طرف رجوع کریں کیونکہ خطرہ اور عزیمت اور فعل سب حق تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔[35]

سلطان جی نے فرمایا کہ درویش کو ہردری نہیں ہونا چاہیے۔ ہردری درویش دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک صوری دوسرے معنوی۔ صوری درویش وہ ہیں جو در بدر مارے مارے پھرتے ہیں اور لوگوں سے مانگتے ہیں لیکن معنوی (ہردری) درویش وہ ہیں جو اپنے گھر کے کونے میں یادالٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور دل میں خیال کرتے ہیں کہ لوگوں سے مجھے کچھ ملے گا۔ ہردری صوری درویش ہردری معنوی درویش سے بہتر ہے کیونکہ جیسا وہ اندر سے ہے ویسا ہی باہر سے دکھائی دیتا ہے لیکن معنوی ہردری درویش اپنے ظاہر حال میں حقیقی درویشوں کی طرح دکھائی دیتا ہے اور باطن میں در بدر مارا مارا پھرتا ہے۔[36] ارشاد فرمایا کہ لوگ چار قسم کے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ان کا ظاہر آراستہ و پیراستہ ہوتا ہے لیکن ان کا باطن خراب ہوتا ہے۔ بعضوں کا باطن آراستہ ہوتا ہے اور ظاہر خراب ہوتا ہے۔ بعضوں کے ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہوتے ہیں اور بعضوں کے ظاہر و باطن دونوں خراب ہوتے ہیں۔ وہ گروہ جس کا ظاہر آراستہ اور باطن خراب ہوتا ہے۔ وہ متعبد ہیں کہ بظاہر اطاعت بہت کرتے ہیں لیکن ان کا دل دنیا میں مشغول ہوتا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے کہ ان کا باطن آراستہ ہوتا ہے اور ظاہر خراب ہوتا ہے۔ یہ مجنون (مجذوب) ہیں کہ ان کا باطن یادالٰہی میں مشغول ہوتا ہے اور ظاہر میں وہ سروسامان نہیں رکھتے۔ ایک وہ گروہ ہے کہ ان کا ظاہر و باطن دونوں خراب ہیں وہ عوام ہیں۔ ایک وہ گروہ ہے جن کا ظاہر اور باطن دونوں آراستہ ہوتے ہیں وہ مشائخ ہیں۔[37]

سلطان جی فرماتے ہیں کہ ہر وہ سانس جو باہر آتا ہے وہ ایک ایسا گوہر نفیس ہے کہ قیامت تک اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔ رات دن مہینے اور سال گزر جاتے ہیں۔ ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے کہ

ہم نے اتنے کثیر دنوں اور راتوں میں کیا کام کیے۔ لیکن عام آدمی جب ہمہ تن مستغرق ہو کر عبادت الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں تو اکتا جاتے ہیں اور یہی اکتا جانا عبادت سے بے رغبتی کا سبب ہوتا ہے۔ لیکن اس نیت کے ساتھ اگر صاحب ورد اپنی عبادت کو کچھ ہلکا کرے اور کسی سے تھوڑی دیر کیلئے ہم نشینی کرے تو اس کا یہ عمل اور وقت بھی عبادت میں شمار ہوگا لیکن نیت یہ نہ ہو تو اس کے دونوں فعل ضائع ہو جاتے ہیں۔ [38] ارشاد فرمایا کہ بندہ جو بھی اطاعت کرتا ہے چاہے مالی ہو یا بدنی یا اخلاق پاکیزہ میں سے کوئی خلق ہو تو اس میں سے اگر ایک چیز بھی قبول ہو جائے تو بندے کے سارے کام اس کی پناہ میں بن جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ سعادت کے قفل کی بہت سی کنجیاں ہیں نہ معلوم کس کنجی سے کھل جائے پس کوشش ہر کنجی سے کرنی چاہیے کہ اگر ایک کنجی سے نہ کھلے تو دوسری کنجی سے کھل جائے اور اگر اس سے بھی نہ کھلے تو کسی اور سے کھل جائے۔ [39]

سلطان جی بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص ایک پیر کا مرید ہو گیا اور اس نے گناہوں سے توبہ کی۔ پیر نے اس سے کہا کہ دو چیزیں ہیں کہ لوگ ان کے ذریعہ سے حق تک پہنچتے ہیں۔ ایک تخلیہ جو گناہوں سے نفس کو خالی کرتا ہے اور دوسرے تحلیہ جو نفس کو عبادت کے زیور سے آراستہ کرتا ہے۔ چنانچہ جب اس مرید نے عبادت شروع کی تو اسے چار چیزیں پیش آئیں۔ ایک دنیا، دوسری خلق، تیسری شیطان، چوتھی نفس۔ اس مرید نے اپنے پیر سے یہ چاروں چیزیں بیان کیں۔ پیر نے کہا کہ دنیا سے علیحدہ اور خلق سے جدا ہو جاؤ۔ شیطان سے لڑو اور اس وقت اپنے پیر کو یاد کرو اور نفس و خواہشات کے گھوڑے کے منہ میں تقویٰ کا لگام دو اور گوشہ نشین ہو جاؤ۔ چنانچہ اس نے اسی طرح کیا پھر وہ پیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا تھا میں نے ویسا کیا۔ اب میرا نفس مجھ سے کہتا ہے کہ تو ضعیف ہو جائے گا یہاں تک کہ عبادت بھی نہ کر سکے گا۔ قوت حاصل کر۔ اس کے پیر نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: توکل کرو، تمہارے نفس کو آرام ملے گا۔ وہ مرید پھر آیا اور اس نے اپنے پیر سے کہا کہ اب میرا یہ حال ہے کہ مجھے گزشتہ باتیں یاد آتی ہیں کہ فلاں جگہ میں نے ایسا کیا تھا۔ فلاں جگہ میں گیا تھا۔ پیر نے فرمایا کہ تم اپنے کام اللہ پر چھوڑ دو اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ کی طرف سے جانو۔ چنانچہ اس شخص نے اپنے پیر کے ارشاد کی تعمیل کی۔ اس کیلئے (باطن کا) دروازہ کھل گیا پھر اس مرید نے اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا حال بیان کیا۔ پیر نے فرمایا اس مقام کو فردوس محبت کہتے ہیں۔ پھر اس پر (باطن کا) اور دروازہ کھلا۔ اس نے آکر پیر سے بیان کیا۔ پیر نے فرمایا کہ اس مقام کو صحرائے قرب کہتے ہیں۔ [40]

آداب صحبت:

ایک مجلس میں امیر حسن سنجری حاضر ہوئے تو سلطان جی نے ان سے پوچھا کہ تم زیادہ تر کن لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہو۔ انہوں نے سلطان جی کے چند بزرگ مریدوں کے نام لیے اور عرض کی کہ میں ان کی خدمت میں رہتا ہوں۔ آپ نے آفریں فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ مشائخ کا یہ طریقہ ہے کہ جب کسی کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ فلاں کن لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا رکھتا ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس قبیل کا ہے۔ [41]

آدمی کی شخصیت و کردار کی تشکیل میں صحبت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں **المرء علی دین خلیله فلینظر احد کم من یخالل**[42] (آدمی اپنے دوست کا طور طریقہ اختیار کرتا ہے لہٰذا تم دیکھو کہ کس کی صحبت اٹھا رہے ہو)۔ حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں کہ نفس کی عادت ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے راحت پاتا ہے اور جس قسم کے لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے ان ہی کی خصلت و عادت اختیار کرتا ہے۔ اسی بنا پر تمام مشائخ سب سے پہلے صحبت کے حقوق کے خواہاں رہتے ہیں اور اپنے مریدوں کو بھی اسی کی ترغیب دیتے ہیں۔ [43]

وقت کی حفاظت:

سلطان جی نے امیر حسن سنجری کو نصیحت کی کہ تمہیں چاہیے کہ ہمیشہ اطاعت و عبادت میں مشغول رہو اور اوراد و وظائف کے پڑھنے میں محنت کرو اور چاہے مشائخ کی کتابوں کے مطالعہ میں رہو۔ (غرض یہ کہ) مشغول رہو اور بیکار نہ رہو۔ [44] سلطان جی نے امیر خسرو کو ایک خط میں لکھا: اپنے اعضاء و جوارح کو ناجائز چیزوں سے بچانا چاہیے۔ اپنے اوقات کی حفاظت کی کوشش کرنی چاہیے اور عمر عزیز کو، جو تمام مرادوں کا ماحصل ہے، غنیمت جاننا چاہیے اور اپنے اوقات کو فضول باتوں میں صرف نہ کرنا چاہیے۔ [45]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بالکل بے کار رہو۔ نہ دنیا کے کام میں لگے اور نہ ہی آخرت کے کام میں ہو۔ حضرت ابو سعید خرازی فرماتے ہیں کہ اپنے عزیز وقت کو عزیز ترین چیزوں کے سوا کسی سے مشغول نہ کرو اور بندہ کی عزیز ترین چیز ماضی اور مستقبل کے درمیان وقت اور حال ہے۔ اسی میں مشغول رہنا چاہیے۔ [46] شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ اگر نفس کو تم کسی کام میں مشغول نہیں کرو گے تو وہ تم کو کسی کام میں مشغول

Marfat.com

رکھے گا۔ پس اگر نوجوان مرید ہمیشہ کام میں مشغول رہے اور عبادت میں مصروف رہ کر نفس کشی کرتا رہے تو اس عمل سے نہ صرف یہ کہ نفس کے خطرات کم ہو جائیں گے بلکہ جو عبادت وہ کرتا رہا ہے اس کے ثمر ہائے شیریں بھی اس کو حاصل ہوں گے یعنی کثرت عبادت کا شوق پیدا ہوگا اور اس پر آسانیوں کے دروازے کشادہ ہو جائیں گے اور عمل میں اس کو لذت محسوس ہوگی۔ 47

تجرد و تاہل:

نکاح وتزویج تخلیق انسانیت کے لوازمات میں سے ہے۔ سورہ روم میں ہے ومن ایاته ان خلق لکم من انفسکم ازواجالتسکنوا الیها وجعل بینکم مودة ورحمته (اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری قسم سے جوڑے بنائے تاکہ ان کے پاس تم چین پکڑو اور اس نے تمہارے بیچ پیار اور محبت پیدا کی)۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی (نکاح میری سنت ہے پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں)۔

تجرد یعنی نکاح نہ کرنے کے سلسلہ میں مختلف روایات ہیں۔ یہ لوگوں کے حالات اور طباع کے اختلاف کی بنا پر ہے۔ عوام کیلئے تجرد کی اجازت نہیں ہے البتہ خواص کیلئے رخصت ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس شخص میں اتنی طاقت موجود ہو کہ عیالداری کا شغل اسے حق تعالیٰ سے غافل نہ کر سکے گا اور جسے معلوم ہو کہ اگر وہ نکاح نہ کرے گا تب بھی وہ برابر عبادت وذکر میں مشغول رہے گا اور حرام سے اپنے آپ کو بچائے گا تو ایسے شخص کیلئے بے شک نکاح نہ کرنا ہی افضل تر ہے۔ 48 حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں کہ مشائخ طریقت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جن کے دل آفت سے خالی ہوں اور ان کی طبیعت شہوت ومعاصی کے ارتکاب کے ارادے سے پاک ہو ان کا مجرد رہنا ہی افضل و بہتر ہے۔ 49 حضرت شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ درویش کیلئے تجرد کی زندگی مفید ہوتی ہے اس لیے کہ حالت تجرد میں اس کے خیالات یکسور ہتے ہیں اور اس کو جمعیت خاطر حاصل ہوتی ہے۔ 50

ایک دفعہ محمد گوالیاری نے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے پوچھا کہ کنوارا رہنا بہتر ہے یا شادی شدہ ہونا۔ حضرت نے فرمایا کہ عزیمت تو تجرید یعنی کنوارا رہنے میں ہے اور رخصت شادی شدہ ہونے میں۔ اگر کوئی شخص حق میں اس طرح مشغول ہو کہ اس کو ان باتوں کا کبھی خیال ہی نہ آتا ہو اور اس کو کچھ خبر نہ ہو کہ اس کا (یعنی شادی کا) کیا مطلب ہے تو پھر اس کی آنکھیں، زبان اور جسم

Marfat.com

کے اعضاء محفوظ ہوتے ہیں۔ اس کو مجرد رہنا چاہیے اور کسی سے یہ ممکن نہ ہو کہ اس طرح مشغول رہے اور اس کے دل میں ان باتوں کے وسوسے آتے رہتے ہیں تو اس کو شادی کر لینی چاہیے۔ اصل چیز اس میں نیت ہے جب اس کی نیت حق میں لگی ہو گی تو اس کے اعضاء پر بھی یہی اثر ہو گا اور اگر اس کے دل کا معاملہ ڈانوا ڈول ہو گا تو اس کے اعضاء پر بھی اس کا اثر ظاہر ہو گا۔[51]

سلطان جی نے فرمایا کہ صبر کے تین درجے ہیں الصبر عنهن یعنی مجرد رہے اور صبر کرے۔ دوسرے الصبر علیهن یعنی شادی کرے اور اہل وعیال سے جو سختیاں ظہور میں آئیں انہیں برداشت کرے اور تیسرے الصبر علی النار یعنی اہل وعیال کو ایذا دے یا ان کے حقوق ادا نہ کرے تو نار جہنم پر صبر کرے۔[52] سلطان جی نے فرمایا کہ درویش جب دعا کرتے ہیں تو کہتے ہیں بحرمت نیک زناں ونیک مرداں۔ پہلے وہ اپنی دعا میں نیک عورتوں کو یاد کرتے ہیں اس اعتبار سے کہ نیک عورتیں عزیز تر ہوتی ہیں۔ بعد ازاں فرمایا کہ شیر جب جنگل سے نکلتا ہے تو کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ وہ نر ہے یا مادہ۔ اسی طرح اگر کوئی بنی نوع انسان میں سے خواہ مرد ہو یا عورت نیکی اور پرہیزگاری میں شہرت رکھتا ہے تو اس میں فرق نہیں ہونا چاہیے کہ مرد ہے یا عورت۔[53] سلطان جی نے اپنے مریدین ومتعلقین کے مزاج اور افتاد طبع کے مطابق ان کی رہنمائی فرمائی۔ بعضوں کیلئے آپ نے تجرد کو افضل قرار دیا اور بعضوں کو شادی کرنے کی نصیحت کی۔ حضرت بابا صاحب کے مرید خواجہ کریم الدین نے بابا صاحب کے نواسے خواجہ محمد کی صاحبزادی سے سلطان جی کے اشارہ پر شادی کی۔[54]

سماع:

صوفیائے متقدمین کے نزدیک سماع کا مفہوم یہ ہے کہ مزامیر یا دیگر آلات موسیقی کے بغیر معرفت آمیز اور رقت انگیز اشعار سنے جائیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشعار سنے اور آپ نے کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔ غزوہ حنین میں آپ نے فرمایا:

انا البنی لا کذب　　انا عبدالمطلب

نیز آپ نے فرمایا:

هل انت الا اصبع رمیت　　وفی سبیل الله مالقیت

انصار جب خندق کھود رہے تھے تو یہ شعر پڑھتے جاتے تھے:

نحن الذین بایعوا محمدا　　علی الجهاد مابقینا ابدا

Marfat.com

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللھم لا عیش الاعیش الاخرۃ فارحم الانصار والمھاجرہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے سچا کلام جو اہل عرب نے کہا وہ لبید شاعر کا ہے جس نے کہا:

الا کل شئی ما خلا اللہ باطل وکل نعیم لا محالتہ زائل[55]

سلف اور اکابر نے الحان کے ساتھ شعر سنے ہیں۔ حضرت ابن جریج سماع کو جائز سمجھتے تھے۔ صوفیائے متقدمین نے سماع کو اس کے قیود اور آداب کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ یہ درست ہے کہ صالحین کی ایک جماعت نے سماع نہیں سنا لیکن ان حضرات نے ان مشائخ پر نکیر نہیں کی جو حسن نیت اور تمام آداب کے ساتھ سماع سنتے تھے۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ فقیر پر تین وقت اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے: کھانا کھاتے وقت کیونکہ وہ اسی وقت کھاتا ہے جب حاجت ہو۔ دوسرے کلام کرتے وقت کیونکہ وہ مجبوری کے وقت کلام کرتا ہے۔ تیسرے سماع کے وقت کیونکہ وہ صرف اس وقت سنتا ہے جب وہ وجد کی حالت میں ہو۔[56] آپ فرماتے ہیں کہ سماع کیلئے تین شرائط کا ہونا ضروری ہے اگر یہ نہ ہوں تو سماع اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ پوچھا گیا کہ وہ تین شرائط کیا ہیں تو آپ نے فرمایا: زمان، مکان اور ہم مشرب ساتھی۔[57] حضرت ابوعلی دقاق نے فرمایا کہ سماع اگر شریعت کے مطابق نہ ہو تو زنگ ہے اور اگر حق کی طرف سے نہ ہو تو وہ بے وقوفی ہے اور اگر عبرت کی وجہ سے نہ ہو تو فتنہ ہے۔[58] شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے جد محترم سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ مستمع کو چاہیے کہ وہ سماع دل سے سنے اور نفس اس کا مردہ ہو۔ اس شخص کیلئے جس کا دل مردہ ہے اور نفس زندہ ہے سماع جائز نہیں ہے۔[59] شیخ ابوسہل صعلوکی سے سماع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: **یستحب لاھل الحقائق ومباح لاھل العلم ویکرہ لا ھل الفسق والفجور**[60] (اہل حقیقت کیلئے سماع مستحب ہے اور اہل علم کیلئے مباح ہے اور فاسقوں کیلئے مکروہ ہے)۔

امام ابوبکر بن ابواسحاق فرماتے ہیں کہ سماع وقت کی تکان سے ذرا آرام کر لینا ہے اور صاحب حال لوگوں کیلئے ذرا سا سانس لے لینا ہے اور صاحب شغل لوگوں کیلئے اسرار کو حاضر کرنا ہے۔ شیخ ابوعبداللہ نباجی فرماتے ہیں: سماع وہ ہے جو فکر کیلئے مہمیز کا کام کرے اور جس سے انسان عبرت حاصل کرے۔ اس کے علاوہ جو سماع ہے وہ آزمائش اور فتنہ ہے۔[61]

شیخ ابونصر سراج فرماتے ہیں: طالب کیلئے اس وقت تک سماع درست نہیں جب تک کہ وہ

Marfat.com

اسماء وصفات الٰہیہ سے باخبر نہ ہوتا کہ وہ ایسی صورت میں اللہ سے اسی بات کو منسوب کرے جو بارگاہ خداوندی کے شایان ہو۔اس کا قلب حب دنیا یا تعریف پسندی سے ملوث نہ ہو۔اس کے دل میں نہ لوگوں سے طمع ہو اور نہ ہی مخلوق کی طرف جھکاؤ ہو۔وہ اپنے قلب کی نگہداشت کرتا ہو۔اپنی حدود کی حفاظت کرتا ہو اور اپنے وقت کا محافظ ہو۔اگر وہ ان مذکورہ شرائط کو پیش نظر رکھتے ہوئے سماع کو اختیار کرے تو بلاشبہ اس کا یہ طریق سماع تائبین، سیر الی اللہ کرنے والے اور اللہ کا خوف رکھنے والے صوفیاء کے سماع میں داخل ہوگا۔اگر کہیں بھی اس طرح کی شرائط کے مطابق سماع کرنے کا موقع نہ مل سکے تو اسے چاہیے کہ سماع کو ترک کردے۔[62] امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس کسی کے دل میں حق تعالیٰ کے عشق کی آگ بھری ہوئی ہو اس کیلئے سماع نہایت ضروری ہے کیونکہ اس سے وہ آگ تیز تر ہو جاتی ہے۔سماع تو درحقیقت عشق الٰہی کی آگ کو مزید روشن کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور ایک زبردست تاثیر کا حامل ہے۔[63] بعض مشائخ سے سماع کے بارے میں پوچھ گیا تو انہوں نے کہا کہ سماع اہل حق کیلئے مستحب ہے، عبادت گزاروں اور پرہیز گاروں کیلئے مباح ہے اور نفس پروروں اور خواہشات کی پیروی کرنے والوں کیلئے مکروہ ہے۔[64]

سلطان جی فرماتے ہیں کہ سماع کی چار قسمیں ہیں: حلال، حرام، مکروہ اور مباح۔اگر صاحب وجد وحال حق تعالیٰ کی طرف زیادہ راغب ہے تو اس کیلئے سماع مباح ہے۔اگر اس کا میلان مجاز کی طرف ہے تو اس کیلئے سماع مکروہ ہے۔اگر اس کا میلان بالکلیہ مجاز کی طرف ہے تو اس کیلئے سماع حرام ہے۔اگر اس کا میلان بالکلیہ حق کی طرف ہے تو اس کیلئے سماع حلال ہے۔صاحب سماع کو چاہیے کہ وہ اس کام میں حلال وحرام اور مکروہ ومباح کو پہچانے۔[65] ارشاد فرمایا کہ سماع کیلئے چند چیزیں چاہئیں تا کہ سماع مباح ہو: مسمع، مستمع، مسموع، آلہ سماع۔مسمع یعنی کہنے والا پورا مرد ہو۔لڑکا یا عورت نہ ہو۔مستمع سے مراد یہ ہے کہ جو سماع سنتا ہے اس کا دل یاد حق سے خالی نہ ہو۔مسموع یہ ہے کہ جو کچھ کہا جائے وہ فحش اور مسخرگی نہ ہو۔آلہ سماع سے مراد آلات مزامیر ہیں۔چنگ ورباب اور ان کے مثل آلات مجلس سماع میں نہیں ہونے چاہئیں۔اس قسم کا سماع حلال ہے۔سماع تو ایک موزوں آواز ہے وہ کیسے حرام ہو سکتی ہے نیز فرمایا کہ سماع مطلقاً حلال نہیں ہے اور نہ مطلقاً حرام ہے بلکہ ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ سماع کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ پہلے یہ بتاؤ سننے والا کون ہے۔سلطان جی نے فرمایا کہ سماع کیلئے چند چیزیں ضروری ہیں۔اول یہ کہ وقت عمدہ ہونا چاہیے کہ جس میں دل کو فراغت حاصل ہو اور دل متردد نہ ہو۔کسی قسم کا فکر وغم نہ ہو۔دوسرے یہ کہ جگہ عمدہ ہو جس کے دیکھنے سے روح کو تازگی حاصل ہو۔تیسرے یہ کہ سماع کے

Marfat.com

سننے والے ہم جنس ہوں یعنی سب کے سب سماع کا ذوق رکھتے ہوں۔[66] ایک موقع پر امیر حسن سنجری نے عرض کیا کہ مجھے سماع میں جو ذوق حاصل ہوتا ہے وہ کسی اور وقت حاصل نہیں ہوتا۔ سلطان جی نے فرمایا کہ اصحاب طریقت، اہل محبت اور مشتاقوں کو اسی وقت ذوق حاصل ہوتا ہے جب وہ آگ میں جھونکے جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بقا کہاں سے نصیب ہوتی اور بقا میں ذوق ہوتا ہے۔[67]

حکایات:

حضرت جنید بغدادی سے کسی نے پوچھا کہ حکایات کے ذکر اور بزرگوں کے تذکرہ سے مریدوں کو کیا نفع ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حکایات تو اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر کے مثل ہیں کہ ان سے مریدوں کے قلوب مطمئن اور ثابت قدم ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وکلا نقص علیک من انباء الرسل مانثبت به فوادک** (اور پیغمبروں کے قصوں میں سے یہ سب قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں)۔

سلطان جی نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ ایک درویش کی نگاہ ایک بادشاہ کی لڑکی پر پڑی۔ اس لڑکی کا دل بھی اس درویش کی طرف مائل ہو گیا چونکہ عشق درویشی اور بادشاہی کے فرق کو نہیں دیکھتا دونوں کے درمیان معاشقہ ہو گیا۔ اس شہزادی نے کسی آدمی کو اس درویش کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ تو ایک درویش ہے میرا اور تیرا ملاپ مشکل نظر آتا ہے لیکن ایک طریقہ ہے اگر تو وہ اختیار کر لے تو میں تجھ تک پہنچ سکتی ہوں۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ تو عبادت گزار بن کر کسی مسجد میں اپنا ٹھکانا بنا تاکہ شہر میں تیرا شہرہ ہو تو اس وقت میں اپنے باپ سے اجازت لے کر تجھے دیکھنے کیلئے آؤں۔ چنانچہ اس درویش نے اپنی معشوقہ کے مشورہ کے مطابق ایسا ہی کیا۔ وہ درویش ایک مسجد میں عبادت میں مشغول ہو گیا۔ جب اسے عبادت میں ذوق حاصل ہوا تو وہ واقعی دل سے عبادت میں مشغول ہو گیا۔ جب شہر میں اس درویش کی عبادت و ریاضت کی شہرت ہوئی تو شہزادی اپنے باپ سے اجازت لے کر درویش کی ملاقات کو آئی۔ درویش بھی وہی تھا اور لڑکی کا حسن و جمال بھی وہی لیکن لڑکی نے محسوس کیا کہ درویش میں اس کیلئے کوئی جذبہ دلفریبی باقی نہیں رہا۔ لڑکی نے درویش سے کہا کہ میں نے ہی تجھے یہ سبق پڑھایا تھا اب تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو میری طرف التفات بھی نہیں کرتا۔ ہر چند کہ وہ یہ بات درویش سے بار بار کہتی تھی لیکن درویش نے اس

Marfat.com

کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا بلکہ اس نے لڑکی سے کہا کہ میں جانتا ہی نہیں کہ تو کون ہے۔اس حکایت کو بیان کرنے کے بعد سلطان جی نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ جس نے عشق الٰہی کا مزہ چکھ لیا ہو وہ کب غیر سے محبت کر سکتا ہے۔[68]

سلطان جی نے قاضی حمید الدین ناگوری کی روایت کردہ حکایت بیان فرمائی کہ کوئی شخص کسی الزام میں پکڑا گیا۔اس کو ہزار بید لگائے گئے لیکن اس نے ذرا بھی آہ وزاری نہ کی اور اس پر چوٹ اور تکلیف کا اثر بھی نظر نہ آتا تھا۔سزا ملنے کے بعد جب اس سے پوچھا گیا کہ کیا تجھ کو اس مار سے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی۔اس نے جواب دیا کہ جب مجھے مار رہے تھے تو میرے محبوب نے مجھے دیکھا اور اس کی نظر کے سامنے مجھے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی۔حکایت بیان کرنے کے بعد سلطان جی نے فرمایا کہ جو مجازی معشوق کی نظر کے سامنے ہوتا ہے اس کو درد کی خبر نہیں ہوتی تو حقیقی معشوق کے سامنے تو اور زیادہ کیفیت ہوگی۔[69]

سلطان جی نے بیان فرمایا کہ کسی شہر میں کوئی مالدار برہمن رہا کرتا تھا۔اس شہر کے حکام نے تاوان لیا اور سارا مال واسباب ضبط کر کے اسے کنگال کر دیا۔اس کے بعد وہ برہمن مفلس و پریشان ہو گیا۔ایک روز وہ کہیں جا رہا تھا کہ راستہ میں اس کا ایک دوست ملا اور پوچھنے لگا کہ کہو کیا حال ہے۔برہمن نے جواب دیا کہ بہت اچھا ہوں اور خوش ہوں۔دوست نے کہا کہ تیری سب چیزیں تو چھن گئیں۔خوشی کہاں سے آئی۔اس نے جواب دیا کہ میرا جنیو تو میرے پاس ہے۔[70]

سلطان جی نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ لاہور کے گردونواح میں ایک گاؤں تھا۔اس گاؤں میں ایک درویش رہتا تھا اور کھیتی باڑی کر کے اپنی روزی حاصل کرتا تھا۔کوئی شخص اس سے خراج یا لگان نہیں لیتا تھا۔ایک دفعہ ایک درشت طبیعت کا انسان اس گاؤں کا کوتوال مقرر ہو کر آیا۔اس نے اس درویش سے اس کی کھیتی کے لگان کا مطالبہ شروع کیا اور کہا کہ تم نے ایک مدت سے اپنے کھیت کا لگان نہیں دیا ہے اور بغیر روک ٹوک کے غلہ لے جاتے رہے ہو۔کوئی کرامت دکھاؤ یا لگان ادا کرو۔درویش نے کہا کہ تم کیا کرامت چاہتے ہو۔اتفاق سے اس گاؤں کے نزدیک ایک دریا تھا۔اس حاکم نے درویش سے کہا کہ اگر تم میں کوئی کرامت ہے تو اس پانی پر سے گزر جاؤ۔درویش نے اللہ سے لو لگائی اور پانی پر سے اس طرح گزر گیا جیسے آدمی خشکی سے گزرتا ہے۔دوسرے کنارے پر پہنچنے کے بعد اس نے واپس آنے کیلئے کشتی منگوائی۔لوگوں نے درویش سے کہا کہ تم اس طرح واپس کیوں نہیں آ جاتے جس طرح گئے تھے۔درویش نے جواب دیا کہ نہیں

Marfat.com

ایسا کرنے میں میرا نفس موٹا ہوگا کہ میں بھی کچھ ہو گیا ہوں۔[71]

سلطان جی نے یہ قصہ سنایا کہ دمشق کی جامع مسجد میں اوقاف کی بہت سی جاگیریں تھیں۔اس مسجد کا متولی بڑا باحیثیت ہوتا تھا۔ایک درویش نے ان کے لالچ میں جامع مسجد کے اندر اطاعت عبادت کا آغاز کی کہ شاید شہرت ہو جائے اور لوگ اس کو متولی بنادیں۔ایک مدت وہ اطاعت میں مشغول رہا لیکن کسی نے اس کا نام تک نہ لیا یہاں تک کہ اس دکھانے کی اطاعت پر وہ پشیمان ہوا اور خدا تعالیٰ سے عہد کیا کہ صرف تیرے لیے ہی عبادت کروں گا اس عہد کی خاطر نہیں۔ یہ عہد کرنے کے بعد اس نے اطاعت میں کوئی کمی نہ کی۔اس کے کچھ دنوں کے بعد اس کو تولیت کی پیش کش ہوئی۔ وہ بولا نہیں میں نے اسے ترک کر دیا ہے۔الغرض اسی طرح وہ خدا کی عبادت میں مشغول رہا۔[72]

ایک مجلس میں بات چلی کہ بعض توبہ کرنے والوں سے توبہ کے بعد بھی لغزش ہو جاتی ہے۔ اگر سعادت مقدر ہوتی ہے تو پھر توبہ کی دولت مل جاتی ہے۔اس حال کی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک گانے والی قمر نام کی تھی۔حسن و جمال کمال کا رکھتی تھی۔آخر عمر میں توبہ کر لی اور جا کر حضرت شہاب الدین سہروردی کی مرید ہوگئی۔وہاں سے کعبہ کی زیارت کو گئی جب واپس ہوئی تو ہمدان پہنچی۔ ہمدان کے والی کو اس کے آنے کی خبر ملی تو ہرکارے کو اس کے پاس بھیجا اور کہلوا بھیجا کہ ہماری بزم میں آکر گانا گاؤ۔اس عورت نے جواب دیا کہ میں نے اس کام سے توبہ کر لی ہے اور کعبہ کی زیارت کر لی ہے۔اب یہ کام نہیں کروں گی۔ ہمدان کے والی نے ایک نہ سنی اور اس کے ساتھ سختی برتی۔وہ عورت ناچار شیخ یوسف ہمدانی کی خدمت میں گئی اور صورتحال بیان کی۔شیخ بولے اچھا اب تو جاؤ۔میں آج رات کو تمہارے کام کیلئے مشغول ہوں گا اور کل صبح جواب دے سکوں گا جب صبح ہوئی تو وہ عورت شیخ کی خدمت میں آئی۔شیخ نے فرمایا کہ تقدیر کے خزانے میں ترا ایک گناہ اور باقی ہے۔مجبوراً اس عورت کو اس حاکم کے سامنے لایا گیا۔ جب چنگ لایا گیا تو عورت نے گانا شروع کیا۔ چند شعر اس نے ایسے گائے کہ سب پر اثر ہوا۔ پہلے حاکم ہمدان نے توبہ کی اور اس کے بعد تمام حاضرین مجلس تائب ہوئے۔[73]

سلطان جی نے لاہور کی بربادی کے بارے میں ایک حکایت بیان فرمائی۔ایک زمانہ میں لاہور سے کچھ سوداگر گجرات کی طرف گئے۔اس زمانہ میں گجرات پر ہندوؤں کی حکومت تھی۔ جب وہاں کے ہندو سوداگروں کے پاس آئے اور ان کے لائے ہوئے سامان خریدنے لگے تو

Marfat.com

سوداگروں نے ہر سامان کی قیمت زیادہ بتائی مثلاً جس چیز کے دام دس درم تھے اس کے بیس بتائے۔اس طرح ہر چیز کے دام دوگنے کر دیئے اور بیچتے وقت جو دام کہہ رہے تھے اس سے آدھے داموں فروخت کیا۔اس علاقہ کے ہندوؤں میں اس طرح کا دستور نہیں تھا۔جب انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو ان میں سے ایک نے سوال کیا کہ آپ لوگ کس شہر کے ہیں۔وہ بولے ہم لاہور کے ہیں۔اس ہندو نے پوچھا کہ کیا آپ کے شہر میں سودا اسی طرح کیا جاتا ہے۔جواب دیا ہاں! اس کے بعد وہ ہندو کہنے لگا کہ کیا وہ شہر آباد ہے؟ بولے ہاں۔ہندو نے کہا تعجب ہے کہ جس شہر میں معاملہ اس طرح ہو وہ آباد کیسے ہے؟ الغرض جب وہ سوداگر واپس چلے تو ابھی راستہ ہی میں تھے کہ مغل آئے اور لاہور کو برباد کر دیا۔[74]

Marfat.com

باب:6

سلطان جی کی جامعیت

صوفیاء کرام اور اولیاء عظام کے گروہ میں جو بزرگ ظاہری و باطنی کمالات کے جامع ہوئے ہیں ان کا مرتبہ اعلیٰ و ارفع ہے۔ حضرت ابوعبداللہ بن خفیف فرماتے تھے کہ ہمارے شیوخ میں سے صرف پانچ کی اقتداء کرو اور باقی لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ یہ پانچ بزرگ حارث محاسبی، جنید بغدادی، ابومحمد رویم، ابوالعباس بن عطار اور عمر بن عثمان مکی ہیں۔ یہ لوگ علم وحقائق دونوں کے جامع ہیں۔[1] جب حضرت بابا صاحب نے سلطان جی کو نعمت خلافت سے نوازا تو ارشاد فرمایا کہ اللہ نے تمہیں علم، عشق اور عقل کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے۔ جس میں یہ تینوں چیزیں موجود ہوں وہ خلافت شیخ اور مشائخ کا مستحق ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان ہی تین چیزوں سے کام بحسن وخوبی پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔[2] حضرت بابا صاحب نے اپنی خداداد فراست و بصیرت سے سلطان جی کے جوہر اصلی اور ان کی استعداد کو تاڑ لیا تھا۔ بلاشبہ سلطان جی جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے۔ اس باب میں آپ کی جامعیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

وفور علم:

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ ایک عالم صوفی اس لیے کافی ہے کہ سنتا ہے اور جانتا ہے۔ اس طبقہ صوفیاء میں ایسا دل کام کا ہے جو فصیح ہو اور صرف زبان کا فصیح نہ ہو۔[3] شیخ حمیدالدین سوالی فرماتے ہیں کہ طریق سلوک کے مدارج و درجات میں پہلا درجہ علم کا ہے کیونکہ علم کے بغیر عمل کے مقررہ طریقوں سے بھٹک جانے کا ہر وقت شدید خطرہ ہے۔[4]

سلطان جی اپنی طالب علمی کے زمانہ ہی میں مولانا نظام الدین بحاث، مولانا نظام الدین منطقی اور مولانا نظام الدین محفل شکن کے القاب سے مشہور ہو چکے تھے۔ حضرت بابا صاحب نے سلطان جی کو تمہید ابوشکور سالمی کے پڑھانے کی اجازت دی اور اپنے خلافت نامہ میں تحریر فرمایا:

Marfat.com

اس فن (اصول حدیث) میں سب سے مشکل اور اچھی کتاب ابی شکور سالمی کی تمہید المتہد ی ہے جسے مجھ سے فرزند رشید، پاکوں کے امام، پسندیدہ عالم، عالموں کی زینت نظام الملت والدین محمد بن محمد نے جو جلیل القدر لوگوں اور متقیوں کیلئے باعث فخر ہیں...... سبقاً سبقاً پڑھا اور ابتداء سے لے کر انتہا تک تدبر و یقین کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا، غور سے اس کو سنا اور دل سے اس کو سمجھنے کی کوشش کی اور مجھے ان کو اس کتاب کے پڑھانے سے ان کی غیر معمولی صلاحیت اور آراستگی وشائستگی کا علم ہوا۔[5] حضرت بابا صاحب سے خلافت حاصل کرنے کے کئی سال بعد سلطان جی نے دہلی کے مشہور عالم اور محدث مولانا کمال الدین زاہد کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور مشارق الانوار کی ان سے سند لی۔ مولانا کمال الدین زاہد نے جو اجازت نامہ سلطان جی کو عطا فرمایا اس میں سلطان جی کی ذہانت وفطانت اور تبحر علمی پوری طرح آشکار ہے۔

> ''نثار صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بزرگ امام دانا، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور حق کی راہ پر چلنے والے نظام الدین محمد بن احمد بن علی بخاری کو یہ توفیق دی کہ باوجود علم وفضل کی کثرت اور بلاغت وقدرت کے کمال اور حلم کے مرتبے اور مشائخ کبار کے مقبول اور علمائے نیکوکار کے منظور ہونے کے، ان تمام باتوں کے باوجود اس نے یہ کتاب مشارق الانوار جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا نچوڑ ہے ان سطور کے لکھنے والے (مولانا کمال الدین زاہد) سے شروع سے لے کر آخر تک انتہائی محنت وکوشش سے پڑھی اور اس پر بحث کر کے تنقیح کی اور اس کے معانی اور بنیاد کی اچھی طرح چھان بین کی۔''[6]

حضرت بابا صاحب کی زندگی میں اجودھن اور ملتان والوں کے درمیان سمدھیانہ قائم ہوا۔ حضرت بابا صاحب کے صاحبزادے نے آ کر عرض کیا کہ ملتان والوں میں کافی پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ ہم لوگوں کے ساتھ بھی کچھ ذی علم لوگوں کو ہونا چاہیے۔ حضرت بابا صاحب نے فرمایا کہ تو اپنے باپ کو لے لے اور نظام الدین کو بلا لے۔ تیرا باپ صوفیوں کیلئے کرامت نفس کے لحاظ سے اور نظام الدین علماء کے ساتھ بحث ومباحثہ کیلئے کافی ہے۔[7] ایک دفعہ ملتان کے علماء کی سمجھ میں فقہ کا ایک مسئلہ نہیں آ رہا تھا۔ اس مجلس میں سلطان جی خاموش بیٹھے سن رہے تھے۔ بہت بحث ومباحثہ ہو چکا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ لوگ خاموش رہیں تو میں کچھ عرض کروں۔ اس کے بعد جو سوال آپ لوگ چاہیں مجھ سے کریں۔ یہ کہہ کر آپ نے ایک پرمغز اور مدلل تقریر کی جس سے اس

مسئلہ کا سارا اشکال دور ہو گیا۔ سب لوگ اس علمی مہارت پر دنگ رہ گئے اور ہر طرف سے تحسین وآفرین کی صدا بلند ہوئی کہ واہ کیا علم ہے۔[8]

سلطان جی کے معمولات میں تھا کہ رات کے وقت مطالعہ کیا کرتے۔ کتاب کا مطالعہ کرتے وقت اس کے مضامین سے متعلق نکتے یا تبصرہ کتاب کے حاشیہ پر لکھتے۔ امیر خورد کرمانی نے آپ کی تحریر کردہ کئی عبارتیں سیر الاولیاء میں نقل کی ہیں۔ جن سے آپ کی کثرت مطالعہ اور غور وفکر کی عادت کا اندازہ ہوتا ہے۔ سلطان جی کا اپنا کتب خانہ تھا۔ مولانا رکن الدین چغمر نے کئی معتبر کتابیں جیسے کشاف اور مفصل وغیرہ سلطان جی کیلئے کتابت کی تھیں۔[9] سراج الدین عثمان نے سلطان جی سے خلافت حاصل کرنے کے بعد جب دہلی سے لکھنوتی (بنگال) کا سفر کیا تو مطالعہ کیلئے سلطان جی کے کتب خانہ سے بعض معتبر کتابیں لے لیں۔ فوائد الفواد اور سیر الاولیاء میں متعدد کتابوں کا ذکر ہے جو آپ کے کتب خانہ میں تھیں اور جن کا آپ نے مطالعہ فرمایا تھا۔ ان میں احیاء العلوم (مصنفہ امام غزالی)، عوارف المعارف (مصنفہ شیخ شہاب الدین سہروردی)، قوت القلوب (مصنفہ شیخ ابوطالب مکی)، تفسیر کشاف (مصنفہ علامہ جار اللہ زمخشری)، مشارق الانوار (مرتبہ مولانا رضی الدین حسن صغانی)، مکتوبات عین القضاۃ ہمدانی، کشف المحجوب (مصنفہ شیخ علی ہجویری)، ہدایہ (مولفہ برہان الدین مرغینانی)، نوادر الاصول (مرتبہ مولانا علاء الدین اصولی) اور طبقات ناصری (مصنفہ قاضی منہاج سراج) شامل ہیں۔

مولانا شمس الدین یحیٰ اور مولانا صدر الدین نادلی دونوں خالہ زاد بھائی تھے اور بڑے ذہین وفطین تھے۔ بعد میں سلطان جی کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے لیکن ابتدائی زمانہ میں انہیں صوفیائے کرام سے اعتقاد نہ تھا۔ یہ دونوں تمام شہر میں علمی بحث ومباحثہ اور حاضر جوابی کیلئے مشہور تھے۔ جس مجلس میں یہ دونوں آجاتے تو کسی کی مجال نہ ہوتی کہ ان سے بھڑ جائے۔ یہ دونوں مولانا ظہیر الدین بھکری کے شاگرد تھے جو عہد علائی کے جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ اپنے زمانہ میں نحو لغت اور اصول فقہ کا ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا۔[10] یہ دونوں بھائی اپنی طالب علمی کے زمانے میں سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا پڑھتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم مولانا ظہیر الدین بھکری سے بزدوی پڑھتے ہیں۔ بزدوی میں جہاں تک ان کا سبق پہنچا تھا ایک ایسا مشکل مقام آ گیا تھا جو مولانا بھکری سے بھی حل نہیں ہوا تھا۔ سلطان جی نے اس مقام کے بارے میں ان دونوں سے دریافت فرمایا۔ دونوں حیرت میں پڑ گئے اور قدم بوس ہو کر کہنے لگے کہ یہی مشکل مقام ہے جو اس سبق میں رہ گیا ہے اور جس کے متعلق ہمارے استاد مولانا ظہیر

Marfat.com

الدین نے کہا ہے کہ وہ اس مقام کو تحقیق کر کے بتائیں گے۔ سلطان جی مسکرائے اور اس مشکل مقام کو بڑی خوبی سے حل کر دیا۔ جب دونوں رخصت ہونے لگے تو سلطان جی نے ایک تہبند مولانا شمس الدین یحییٰ کو دیا اور دستار مولانا صدر الدین ناولی کو دی۔ جب یہ دونوں واپس ہونے لگے تو آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے شیخ نظام الدین کی عظمت وکرامت کے متعلق شہرت سنی تھی آج ان کے کمال علم کو دیکھ بھی لیا۔ جب وہ مولانا ظہیر الدین کی خدمت میں پہنچے تو مولانا شمس الدین یحییٰ نے سلطان جی کی عطا کی ہوئی تہبند سر پر باندھ لی۔ مولانا ظہیر الدین نے ان سے پوچھا کہ آج تم نے خلاف عادت یہ تہبند سر پر باندھ رکھی ہے۔ مولانا شمس الدین نے جواب دیا کہ میں سلطان جی کی خدمت میں گیا تھا۔ میں نے ان کی عظمت وکرامت کا شہرہ سنا تھا۔ آج میں نے ان کے کمال علم کا بھی مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے سلطان جی کے علم وفضل اور ان کی مجلس کی کیفیت اس دلکش انداز میں بیان کی کہ مولانا ظہیر الدین کو بھی سلطان جی کی ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا اور انہوں نے آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔[11]

مولانا فخر الدین زرادی جو آگے چل کر سلطان جی کی بیعت سے سرفراز ہوئے اپنے زمانہ کے فاضل عالم تھے۔ طالب علمی کے زمانہ میں صوفیائے کرام کے معتقد نہ تھے۔ ایک دن شیخ نصیر الدین محمود ان کو اور ایک دوسرے ہم سبق کو سلطان جی کی خدمت میں لے کر آئے۔ سلطان جی نے ان سے پوچھا کہ تم کہاں پڑھتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم مولانا فخر الدین ہانسوی کے پاس پڑھتے ہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ کیا پڑھ رہے ہو۔ انہوں نے کہا ہدایہ۔ آپ نے پوچھا کہ سبق کہاں تک پہنچا ہے۔ مولانا زرادی کے ہم سبق نے اس کے بارے میں بتلایا اور جو سبق باقی رہ گیا تھا وہ بھی بیان کی اا اور اس شبہ کو دور کرنے کیلئے گزارش کی۔ سلطان جی نے عالمانہ تبحر کے ساتھ علماء کے طریقہ پر اس شبہ کا جواب دینا شروع کیا۔ سلطان جی تقریر کرتے جاتے تھے اور ان کی لطافت تقریر سے مولانا زرادی محو حیرت تھے۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے سرکتے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ شیخ نصیر الدین محمود کے پاس پہنچ گئے اور ان کے کان میں آہستہ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ابھی سلطان جی کا مرید ہو جاؤں۔ سلطان جی نے پوچھا کہ یہ کیا کہتے ہیں۔ نصیر الدین محمود نے عرض کیا کہ مرید ہونا چاہتے ہیں۔ سلطان جی نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ جب تم دوبارہ آؤ گے تو تمہیں مرید کیا جائے گا۔ پھر آپ نے ان کو کلاہ ارادت پہنا کر بیعت سے سرفراز فرمایا۔ مولانا فخر الدین نے کتابیں اور کاغذ سب دوستوں کو دے دیا اور دانشمندی کا پندار اور طلب جاہ ومنزلت کا غرور سر سے نکال دیا۔[12]

Marfat.com

سلطان جی کے مریدین وخلفاء میں جلیل القدر علماء وفاضلین شامل تھے۔مولانا شمس الدین یحیٰ، مولانا فخر الدین زرادی، قاضی محی الدین کاشانی، مولانا وجیہ الدین پائلی، مولانا فخر الدین مروزی، مولانا فصیح الدین، مولانا یوسف بداونی، مولانا جلال الدین اودھی، قاضی شرف الدین، مولانا علاء الدین اندرپتی اور مولانا حجتہ اللہ ملتانی اپنے عہد کے سرکردہ علماء میں سے تھے اور سلطان جی کے سامنے سر عقیدت خم کیے ہوئے تھے۔

روایت حدیث کے بارے میں احتیاط:

صوفیاء کرام پر عام طور سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ حدیث کی روایت میں خاطر خواہ احتیاط سے کام نہیں لیتے اور ضعیف بلکہ موضوع روایات کو اپنے کلام کے استشہاد میں پیش کرتے ہیں۔اس اعتراض میں کچھ صداقت بھی ہے۔ چنانچہ امام غزالی کی احیاء العلوم اور حافظ ابونعیم اصفہانی کی حلیتہ الاولیاء میں ضعیف اور بعض جگہ موضوع روایات جگہ پا گئی ہیں لیکن صوفیاء کرام کی ایک جماعت نے جنہیں حضرت سری سقطی نے محدث صوفی کہا ہے، حدیث کی روایت میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ سلطان جی نے علم حدیث کی تعلیم مولانا کمال الدین زاہد اور مولانا امین الدین احمد محدث تبریزی جیسے جلیل القدر محدثین سے حاصل کی تھی اس لیے وہ روایت حدیث کے آداب اور شرائط کے بارے میں بخوبی واقفیت رکھتے تھے۔

ایک مجلس میں مولا اسراج الدین حافظ بداؤنی نے سوال کیا کہ کیا یہ حدیث ہے۔من لیس له شیخ فشیخه ابلیس (جس کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے)۔سلطان جی نے فرمایا کہ یہ مشائخ کا قول ہے۔[13] مولانا سراج الدین نے پھر پوچھا کہ کیا یہ بھی حدیث رسول ہے من لم یریفلح لا یفلح ابدا (جو کسی فلاح پہنچانے والے کو نہیں دیکھتا وہ کبھی فلاح کو نہیں پہنچ سکتا)۔ سلطان جی نے فرمایا کہ یہ بھی مشائخ کا قول ہے۔[14] ایک مجلس میں امیر حسن نے عرض کی کہ یہ جو ایک آدمی پانی پیتا ہے اور دوسرے ہاتھ آگے بڑھائے رکھتے ہیں کیا یہ سنت ہے؟ سلطان جی نے تامل فرمایا۔حاضرین میں سے ایک شخص نے چند لفظ پڑھے اور بولا کہ یہ حدیث ہے کہ جو شخص کسی کے پانی پیتے وقت ہاتھ بڑھاتا ہے وہ ضرور بخشا جائے گا۔ سلطاجی نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ یہ حدیث ان کتابوں میں جو مشہور اور معتبر ہیں نہیں آئی ہے۔ ممکن ہے (یہ حدیث ہو)۔اگر حدیث سنیں تو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ یہ رسولؐ کی حدیث نہیں ہے بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جن کتابوں میں حدیث جمع کی گئی ہیں اور جنہوں نے اعتبار حاصل کرلیا ہے ان میں یہ حدیث نہیں آئی ہے۔[15]

Marfat.com

ایک مجلس میں سلطان جی نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے کہا تھا کہ سورج کے سامنے مت بیٹھو کہ اس سے چہرہ کی تازگی جاتی رہتی ہے۔ امیر حسن سنجری نے دریافت کیا کہ یہ حدیث کس طرح ہے۔ سلطان جی نے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث کسی کتاب میں نہیں دیکھی ہے البتہ مولانا علاء الدین اصولی سے سنی ہے (جو بداؤں میں آپ کے استاد تھے)۔[16] سلطان جی نے ایک مجلس میں اس حدیث کا ذکر کیا الصوم لی وانا اجزی به (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا بندے کو دوں گا)۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ یہ حدیث اس طرح سے سنی گئی ہے الصائم لی (روزہ میرے لیے ہے) سلطان جی نے تبسم فرمایا اور کہا کہ پھر تو انا اجزی له کہنا چاہیے۔ اس کے بعد ان صاحب کی اصلاح فرمائی کہ اجزی به میں جو ب ہے وہ ل کے معنی میں آئی ہے۔[17]

ایک مجلس میں سلطان جی نے یہ حدیث پڑھی اذا اکل احدکم طعاما فلا یمسح یدیه حتی یلعقها او یلعقها[18] (جب تم میں سے کوئی کھانا کھا چکے تو اس وقت تک ہاتھ نہ پونچھے جب تک کہ ان کو چاٹ نہ لے)۔ آپ نے فرمایا یلعقھا او یلعقھا بعض شرحین حدیث نے اسی طرح لکھا ہے البتہ یلعقھا غلط ہے اس خیال سے الحاق متعدی ہے لیکن یہی نہیں کہ یہ فعل صرف متعدی آیا ہے بلکہ لازم بھی آیا ہے جیسا کہ اولیک هم المفلحون. یا واشرقت الارض بنورربها. آپ نے فرمایا کہ یلعقها او یلعقها میں یہ شک راوی کا ہے۔ دونوں لفظوں کے معنی ایک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں سننا ضروری شرط ہے۔[19] اس ملفوظ میں سلطان جی نے روایت حدیث کی ایک اہم شرط یعنی سماع کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ طلبہ اور اہل علم حدیث سننے کیلئے دور دراز کا سفر کیا کرتے تھے اور روایت باللفظ کا التزام کیا کرتے تھے۔[20] امیر المومنین فی الحدیث شعبہ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب تک کسی حدیث کو دس مرتبہ نہیں سن لیا کرتے تھے انہیں چین نہیں آتا تھا۔ معن بن عیسیٰ کہتے تھے کہ میں نے امام مالک سے یہ حدیثیں تیس مرتبہ سنیں ہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے تھے کہ جب تک کسی حدیث کو تیس واسطوں سے ہم لوگ نہیں لکھتے اس وقت تک حدیث کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ مصر کے قاضی ابن لہیعہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حدیث اجتحر رسول الله فی المسجد (رسول اللہؐ نے چٹائی وغیرہ سے مسجد میں ایک جگہ گھیر لی تھی) میں اجتحر کو اجتجم پڑھا جس کے معنی یہ ہوئے کہ رسول اللہؐ نے مسجد میں پچھنا لگوایا۔ اس غلطی کی وجہ یہ تھی کہ ابن لہیعہ نے استاد سے سنے بغیر حدیث کو کتاب میں دیکھ کر روایت کرنا شروع کر دیا۔[21]

Marfat.com

پاس شریعت:

سید ابوعلی کاتب جب حضرت ابوعلی رودباری کا نام لیتے تو سیدنا کہتے۔ ان کے شاگردان پر رشک کیا کرتے تھے۔ شاگردوں نے ایک باران سے پوچھا کہ آپ ان کو سیدنا کیوں کہتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ شریعت سے طریقت کی دنیا میں آئے اور ہم حقیقت سے شریعت تک پہنچے (لہٰذا ان کا مقام ومرتبہ بلند ہے)۔[22] سلطان جی کے بارے میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ شریعت کے راستہ سے طریقت کی دنیا میں آئے۔ آپ کی تعلیمات وملفوظات اور ذاتی زندگی میں شریعت اسلامیہ کا حد درجہ احترام نظر آتا ہے۔

ایک مجلس میں ایک شخص نے بیان کیا کہ بعض آستانہ دار درویشوں نے ایک ایسے مجمع میں جہاں چنگ ورباب اور مزامیر تھے خوب رقص کیا۔ سلطان جی نے فرمایا کہ انہوں نے اچھا نہیں کیا۔ جو چیز غیر شرعی ہے ناپسندیدہ ہے۔ اس کے بعد ایک شخص نے کہا کہ جب وہ لوگ اس جگہ سے باہر آئے تو ان سے پوچھا گیا کہ یہ آپ حضرات نے کیا کیا؟ اس محفل میں مزامیر تھے سماع کیوں سنا اور رقص کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم سماع میں ایسے ڈوبے ہوئے تھے کہ پتہ ہی نہ چلا کہ وہاں مزامیر ہیں یا نہیں۔ سلطان جی نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ یہ جواب بھی کچھ نہیں ہے۔ یہ بات تو ہر گناہ کے بارے میں کہی جاسکتی ہے۔[23] ایک دفعہ ایک مجلس میں ایک شخص آیا اور ایک جماعت کا حال بیان کیا کہ ایک جگہ سلطان جی کے مریدوں نے سماع سنا اور وہاں مزامیر بھی تھے۔ آپ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میں نے منع کیا ہے کہ مزامیر اور حرام چیزیں نہیں ہونی چاہئیں۔ ان لوگوں نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا۔ پھر اس بارے میں بہت غلو فرمایا۔ اس حد تک ارشاد ہوا کہ اگر کوئی امام نماز پڑھا رہا ہو اور ایک جماعت اس کے پیچھے مقتدی ہو اور اس جماعت میں عورتیں بھی ہوں پس اگر امام سے غلطی ہو جائے تو مقتدی مردوں میں سے کوئی تسبیح سے ٹوکتا ہے اور کہتا ہے سبحان اللہ مگر کوئی عورت غلطی سے واقف ہوتی ہے تو وہ امام کو کس طرح آگاہ کرتی ہے؟ وہ سبحان اللہ نہیں کہتی کہ اس کی آواز سنی جائے پس وہ کیا کرتی ہے؟ ہاتھ پر ہاتھ مارتی ہے لیکن ہتھیلی پر ہتھیلی نہیں مارتی۔ الغرض جب نماز میں اس درجہ کھیل اور اس سے مشابہ چیزوں سے پرہیز آیا ہے تو سماع میں اور بھی ضروری ہے کہ یہ چیزیں نہ ہوں یعنی تالی بجانے میں جب اس قدر احتیاط آئی ہے تو مزامیر کی تو اور بھی مخالفت ہونی چاہیے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی مقام سے گرے تو شرع میں گرے۔ اگر کہیں شرع سے باہر گرا تو پھر کیا رہے

Marfat.com

گا۔[24]

ایک دفعہ ایک محفل سماع میں آپ شریک تھے کھانا لگایا گیا۔ سلطان جی نے کھانے سے پہلے ہاتھ نہیں دھوئے تھے۔ آپ اس تردد میں تھے کہ اگر میں اپنی جگہ سے ہاتھ دھونے کیلئے اٹھتا ہوں تو دوسروں کو زحمت ہوگی اور اگر ہاتھ نہ دھوؤں تو یہ ترک سنت ہوگا۔ اتنے میں ایک مرید اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنی دستار پانی میں بھگو کر آپ کے پاس لے آیا۔ آپ نے دستار سے اپنے ہاتھ پونچھے اور پھر کھانا شروع کیا۔

ذکاوت وفراست:

سلطان جی نے موہبت الٰہی سے بڑا اخاذ اور دوررس ذہن پایا تھا۔ انہیں خداداد بصیرت وفراست حاصل تھی۔ سلطان جی نے انسانی فطرت کا گہرا مشاہدہ کیا تھا۔ آپ میں وہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی جسے نفس گیرا کہا گیا ہے۔ سلطان جی نے ایک دفعہ ضیاء الدین برنی سے فرمایا: خدا تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنی حکمت بالغہ کی ایک خاصیت پیدا کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ کے لوگوں کا طریقہ اور رسم ورواج جدا ہوتے ہیں اور زمانہ کی افتاد لوگوں میں اس درجہ اثر کرتی ہے کہ زمانہ حال کے لوگوں کے مزاج اور طبیعت گزشتہ زمانہ کے اخلاق وطباع کے ساتھ بالکل مشابہت نہیں رکھتے۔ بہت کم آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کی طبیعتیں پہلے لوگوں کی طبیعتوں سے ملتی ہیں اور یہ بات تجربات سے خوب واضح ہوتی ہے۔[25] ایک مجلس میں اس بات کا ذکر نکلا کہ بعض لوگوں کا مزاج جلدی بدل جاتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ طبع لطیف رکھنے والے جلد برہم بھی ہوجاتے ہیں۔[26] قاضی محی الدین کاشانی جب سلطان جی کے پاس آتے تو ان کے علم وفضل کا احترام کرتے ہوئے سلطان جی کھڑے ہوکر ان کا استقبال کرتے تھے اور انہیں اپنے قریب بٹھاتے تھے۔ ایک دن قاضی صاحب آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ قاضی صاحب مجھے معاف فرمائیں۔ آج میرے زانو میں درد ہے اس لیے کھڑا نہیں ہوسکتا۔ قاضی صاحب نے ادب سے عرض کیا حضرت! یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ غلام شرمندہ ہوتا ہے۔ پھر سلطان جی نے فرمایا کہ میرے زانو میں درد ہے۔ نہ کھڑا ہوا جاتا ہے اور نہ ہی فرش پر بیٹھ سکتا ہوں۔ اس حال کو دیکھ کر خیال کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر عضو کسی نہ کسی کام اور فائدہ کیلئے بنایا ہے۔ ٹانگ چلنے اور کھڑے ہونے کیلئے ہے اور اگر نہ چل سکے تو اسے بیمار کہا جائے گا۔ اسی طرح دل کا منشائے تخلیق یہ ہے کہ اس میں اللہ کی محبت رہے اگر اللہ کی محبت رہے تو وہ قلب سلیم (صحت مند دل) کہلائے گا نہیں تو

Marfat.com

اسے بیمار کہا جائے گا۔ قرآن کا یہی فرمان ہے **یوم لاینفع مال ولا بنون الامن اتی اللہ بقلب سلیم** (قیامت کے دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد مگر یہ کہ کوئی اللہ تعالیٰ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے)۔ [27]

سلطان جی نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ جب روح طاقت پکڑتی ہے اور کمال کو پہنچتی ہے تو قلب کو جذب کرتی ہے اور قلب بھی جب قوی ہو جاتا ہے اور کمال کو پہنچتا ہے تو وہ قالب یعنی جسم کو جذب کرتا ہے۔ پس اس اتحاد کی رو سے عین ممکن ہے کہ قلب پر جو گزرے اس کا اثر قالب یعنی جسم پر ظاہر ہو۔ [28]

ایک دن ایک مولوی صاحب سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ آپ نے نور باطن سے معلوم کر لیا کہ وہ کس غرض سے آیا ہے۔ ہر چند کہ اس نے بیعت کیلئے التجا کی لیکن سلطان جی نے اس سے فرمایا کہ سچ سچ بتاؤ تم کس نیت سے میرے پاس آئے ہو۔ اس شخص نے کہا اصل بات یہ ہے کہ ناگور میں میری زمین ہے۔ اس موضع کا مقطع دار مجھے تنگ کرتا ہے۔ سلطان جی نے اس سے فرمایا اگر میں اس کو رقعہ لکھ دوں اور تمہارا کام ہو جائے تو بیعت کا ارادہ چھوڑ دو گے۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے اسی وقت مقطع دار کو خط لکھا جس سے اس کا کام ہو گیا۔ ایک دفعہ امیر حسن سنجری حاضر خدمت ہوئے۔ اس روز ان کو کسی قدر تشویش تھی اور یہ گمان تھا کہ کسی نے ان کی برائی سلطان جی سے کی ہے۔ جب وہ بیٹھے تو حضرت کی زبان سے یہ ارشاد سنا کہ اگر کوئی کسی کے سامنے کسی کی برائی بیان کرتا ہے تو اس سننے والے کو اتنی عقل و تمیز ہے اور اتنا (ضرور) جانتا ہے کہ یہ بات سچی ہے یا جھوٹی یا اس میں کوئی غرض ہے۔ امیر حسن نے جب یہ بات سنی تو بہت خوش ہوئے اور عرض کی کہ خدمتگاروں کا اطمینان اسی بات پر تو ہے کہ مخدوم کا باطن حاکم ہے۔ [29]

فصاحت و بلاغت:

سلطان جی نہایت عمدہ اور پاکیزہ ادبی ذوق رکھتے تھے۔ ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ جو بھی اچھا شعر سنا جائے تو اس سے لازماً ذوق حاصل ہوتا ہے اور ہر وہ مفہوم جو نثر میں سنا جائے اگر نظم میں سنیں تو ذوق بڑھ جاتا ہے۔ اچھے ترنم کی بھی یہی کیفیت ہے کہ جیسے اچھے شعر کے سننے سے ذوق حاصل ہوتا ہے اسی طرح اگر یہ شعر ترنم کے ساتھ سنا جائے تو ذوق میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ [30] سلطان جی نے ایک روز امیر خسرو سے کہا کہ صفاہانیوں کے طرز پر شعر کہا کرو جو عشق انگیز بھی ہوں

اور زلف وخال آمیز بھی۔ اس روز سے امیر خسرو نے اپنی شاعری میں زلف وخال بتاں کی آمیزش کرکے اور اپنے اشعار کو نئی نئی تشبیہات سے دلآویز بنا کر انتہائی کمال کو پہنچا دیا۔ سلطان جی نے دو شعر خسرو کے حق میں فرمائے:

خسرو کہ بنظم ونثر مثلش کم است
ملکیت ملک سخن آں خسرو راست
آن خسرو ماست ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

سلطان جی کے ملفوظات نہ صرف معرفت وبصیرت سے لبریز ہیں بلکہ ان میں فصاحت وبلاغت کی چاشنی بھی پائی جاتی ہے۔ سلطان جی نے ایک دفعہ فرمایا کلامنا اشارۃ فاذا صار عبارۃ صار جفا[31] (ہمارا کلام اشاروں میں ہے۔ جب وہ عبارت کے روپ میں آتا ہے تو خشک ہوجاتا ہے یعنی جو لطافت تقریر میں ہوتی ہے تحریر میں نہیں ہوتی)۔[32] ایک مجلس میں ارشاد ہوا کہ زلف سے استعارہ ہے قرب کی طرف جیسا کہ قرآن مجید میں ہے لیقر بونا الی اللہ زلفا (تا کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قریب کردیں)۔ رنگ سے جنت اور آنکھ سے نظر رحمت کا تصور کرنا چاہیے۔ کفر بمعنی ڈھانپنے کے ہے۔ چونکہ زلف خال کو ڈھانپتی ہے اسی لیے اسے کافر کہتے ہیں۔[33] ایک موقع پر سلطان جی نے فرمایا کہ جو بھی وجود ہے دو عدموں کے درمیان ہے اور جو وجود دو عدموں کے درمیان ہوا ہو اس کو بھی عدم ہی سمجھنا چاہیے۔ چنانچہ عورتوں کے ایام معروف میں اگر ایک روز خون نظر آتا ہے اور دوسرے روز پاکی رہتی ہے اور پھر تیسرے روز خون نظر آتا ہے تو اس پاکی کے بارے میں خون ہی کا حکم ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ وجود جو دو عدموں کے درمیان ہو اس غیر متواتر پاکی کی طرح ہے جو دو خونوں کے درمیان ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس زندگی کا کیا بھروسہ جس کے وجود پر عدم کا حکم لگ سکتا ہے۔ اس تھوڑے وقفہ کو بیکاری اور غفلت میں کیوں گزارا جائے۔[34]

شیخ رکن الدین ملتانی شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے اور شیخ صدرالدین عارف کے بیٹے تھے۔ ان میں اور سلطان جی میں برادرانہ تعلقات تھے۔ ایک دفعہ وہ سلطان جی کی ملاقات کیلئے آئے۔ کھانے کے بعد حضرت کے خادم اقبال نے جھمر تلی اور شانہ باف کے چند مہین کپڑے اور اشرفیوں کی ایک پوٹلی جو باریک کپڑے میں بندھی ہوئی تھی اور جس میں اشرفیوں کی

Marfat.com

سرخی جھلک رہی تھی شیخ رکن الدین کی خدمت میں پیش کی۔ سلطان جی کی نظر جب اشرفیوں کی پوٹلی پر پڑی تو فرمایا استر ذھبک وذھابک و مذھبک (اپنے سونے کو چھپاؤ، اپنے جانے کو چھپاؤ اور اپنے حال کو چھپاؤ)۔[35] سلطان جی کے اس جملہ میں بڑی فصاحت وبلاغت اور لطیف نکات پوشیدہ ہیں۔ ذھاب کے لغوی معنی تو روانگی کے ہیں لیکن اصطلاح میں یہ غیبت کے بعد کی منزل ہے۔ غیبت حضور حق اور مشاہدہ حق میں مشغول رہنے کو کہتے ہیں۔ اس حال میں قلب خلق کے مشاہدہ سے بے نیاز ہوتا ہے۔ غیبت سے آگے کی منزل ذہاب کی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ مشاہدہ حقیقت کر لینے کے بعد قلب اس کیفیت کے احساس سے بھی خالی ہو جائے۔[36]

تصوف وسلوک کی راہ میں معاملات کا چھپانا واجب ہے۔ سلطان جی میں چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑی بڑی باتیں پیدا کرنے کی خداداد صلاحیت موجود تھی۔ ایک دفعہ آپ دہلیز کی چھت پر تشریف فرما تھے۔ دروازے کے پاس ایک زینہ تھا۔ امیر حسن سنجری حاضر ہوئے تو سلطان جی نے ان سے کہا کہ وہیں زینہ کے پاس بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے۔ جب دروازے کے پٹ پر ہوا کا جھونکا لگتا تو وہ بند ہو جاتا۔ امیر حسن نے دروازے کو اپنے ایک ہاتھ سے مضبوط پکڑ لیا تا کہ کھلا رہے۔ کچھ دیر تک وہ دروزے کو اسی طرح پکڑے ہوئے بیٹھے رہے۔ سلطان جی نے امیر حسن کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ امیر حسن نے سر زمین پر رکھا اور کہا کہ میں نے یہ در پکڑ لیا ہے۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور کہا کہ تم نے یہ در پکڑا اور مضبوط پکڑا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ شیخ بہاء الدین زکریا بارہا فرماتے کہ ہر دری اور ہر سری نہ ہو۔ یک در گیر و محکم گیر (ایک در پکڑو اور مضبوط پکڑو)۔[37]

ایک دفعہ شیخ رکن الدین ملتانی سلطان جی سے ملاقات کیلئے تشریف لائے۔ کھانا لگایا گیا۔ انگوری سرکہ کا برتن دور رکھا ہوا تھا۔ شیخ رکن الدین نے ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ برتن میری طرف سرکا دو۔ سلطان جی نے فرمایا کہ یہ شہری سرکہ ہے۔ شیخ رکن الدین نے کہا کہ اسی وجہ سے ترش ہے۔ سلطان جی نے ارشاد فرمایا کہ اسی وجہ سے سب کو عزیز ہے۔[38]

سلطان جی کے اس فقرہ میں یہ نکتہ مضمر تھا کہ صوفیاء تلخ وترش چیزوں کو پسند کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کا ذائقہ نفس کو ناگوار ہوتا ہے اور نفس کی مخالفت راہ سلوک کی اولین شرط ہے۔

سلطان جی نے ایک موقع پر فرمایا کہ عشق لفظ عشقہ سے لیا گیا ہے۔ عشقہ ایک گھاس ہے جو باغوں میں اگتی ہے اور بیل کی صورت میں درخت پر پھیلتی ہے۔ پہلے وہ زمین میں اپنی جڑیں مضبوط کرتی ہے پھر اس کی شاخیں نکلتی ہیں اور درخت کو اس طرح لپیٹتی ہیں کہ تمام درخت کو گھیر لیتی

Marfat.com

ہیں اور اس طرح اس کو اپنے شکنجہ میں لے لیتی ہیں کہ درخت میں نمی باقی نہیں رہتی۔ وہ سوکھ جاتا ہے۔ عشق بھی آدمی کے ساتھ وہی کرتا ہے جو عمل عشقہ کی بیل درخت پر کرتی ہے۔[39]

ایک دفعہ مجلس میں کھانا لایا گیا۔ جب نمک رکھا گیا تو سلطان جی نے فرمایا کہ شروع نمک سے کرنا چاہیے لیکن یہ جو انگلی منہ کے لعاب سے تر کر کے نمک اٹھاتے ہیں یہ کہیں نہیں آیا اور اگر انگلی کو تر کیے بغیر نمک پر رکھتے ہیں تو نمک انگلی پر نہیں لگتا۔ اس لیے شہادت کی انگلی کو انگوٹھے سے ملا کر دو انگلیوں سے نمک اٹھاتے ہیں۔ امیر حسن سنجری نے اس ارشاد کے شکر میں کہا کہ الحمدللہ حق نمک تازہ ہو گیا۔ سلطان جی نے تبسم فرمایا اور کہا کہ تم نے اچھا کہا۔ قاضی محی الدین کاشانی نے امیر حسن کے فقرہ پر دوسرا فقرہ چست کیا اور کہا کہ ملیح گفت (انہوں نے نمکین بات کہی)۔ سلطان جی نے فرمایا او ملوح است دریں کار (ان باتوں میں وہ ماہر ہیں)۔[40] جو حضرات فارسی سے واقف ہیں وہ سلطان جی کے اس بلیغ فقرہ سے خوب لطف اندوز ہوں گے۔

خوش طبعی:

سلطان جی زاہد خشک نہ تھے۔ آپ کی حس مزاح اور خوش طبعی کے کئی واقعات تذکروں میں منقول ہیں۔ ایک دفعہ آپ کے سامنے کھانا لایا گیا جب کھانا ہو چکا تو ہاتھ دھونے کیلئے طشت اور آفتابہ لائے گئے۔ اس وقت سلطان جی مسکرائے اور ارشاد فرمایا کہ عرب میں طشت اور آفتابہ کو، جسے کھانے کے بعد لاتے ہیں، ابوالیاس (ناامیدی کا باپ) کہتے ہیں کیونکہ اس کے بعد کوئی کھانے کی چیز نہیں لائی جاتی۔ پھر لطیفہ کے طور پر فرمایا کہ ہندوستان میں پان گویا ابوالیاس ہے کیونکہ اس کے بعد کوئی کھانا لایا نہیں جاتا۔[41] ایک دفعہ سلطان جی کی مجلس میں ایک مرید آیا اور عرض کی کہ میرے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ سلطان جی نے پوچھا کہ کیا نام رکھا ہے۔ اس نے کہا خیر (یعنی نہیں رکھا ہے)۔ میں نام رکھے بغیر آ گیا تاکہ مخدوم سے عرض کروں کہ کیا نام رکھا جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ چونکہ تمہاری زبان سے خیر نکلا ہے۔ اس لیے اس کا نام خیر رکھ دو۔[42] ایک دفعہ مجلس میں کھانا لایا گیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے ازراہ خوش طبعی کہا کہ میں فلاں جگہ گیا ہوا تھا اور میرا پیٹ بھرا ہوا تھا لیکن جب تماج (ایک لذیذ عربی کھانا) سامنے رکھا گیا تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ سلطان جی نے تبسم فرمایا اور اس موقع کی مناسبت سے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ میں ایک دفعہ شیخ جمال الدین ہانسوی کے پاس گیا۔ اشراق کا وقت تھا اور سردی کا موسم۔ شیخ جمال الدین نے مجھے مخاطب کر کے یہ دو مصرعے پڑھے:

Marfat.com

باروغن گاؤ اندریں روز خنک نیکو باشد ہریسہ ونان تنک
(آج کی سردی میں گھی ہریسہ اور پراٹھے ہوتے تو خوب ہوتا)

سلطان جی نے شیخ جمال الدین سے کہا کہ غائب کا ذکر کرنا عیب ہے۔ شیخ جمال الدین نے فرمایا کہ میں نے اسے حاضر کرلیا ہے تب کہتا ہوں۔ پس اسی وقت یہ چیزیں لائی گئیں۔[43]

ایک مولوی صاحب جو سلطان جی کے مریدوں میں سے تھے خط معشوق لکھتے تھے جس کا پڑھنا نہایت دشوار ہوتا ہے۔ ایک روز وہ ایک تحریر لے کر حضرت کی خدمت میں آئے جس کے پڑھنے میں آپ کو دقت ہوئی۔ آپ نے ان سے پوچھا مولانا! یہ خط آپ کا ہے۔ مولوی صاحب نے نہایت معذرت سے عرض کیا ہاں اے مخدوم! یہ بندہ کا طبعی خط ہے۔ سلطان جی نے مسکرا کر فرمایا: سبحان اللہ آپ نے کیا دقت طبع پائی ہے۔[44] ایک دفعہ سلطان جی نے خواجہ ابوبکر مصلیٰ دار کو اپنا جبہ خاص عطا فرمایا۔ انہوں نے شکر گزاری کے طور پر کئی سیر گھی سلطان جی کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے اپنے خادم سے فرمایا کہ اس میں سے ایک سیر گھی لے لو۔ خواجہ ابوبکر نے عرض کیا کہ سب ہی قبول فرما لیجیے، یہ ہے ہی کیا۔ حضرت نے مزاحاً فرمایا کہ تب تو یہ جبہ تمہیں قیمتاً پڑ جائے گا۔

سلطان جی بحیثیت مربی اور سرپرست:

سلطان جی نے اگرچہ اپنی ذاتی زندگی کو شادی بیاہ کے بکھیڑوں سے آزاد رکھا لیکن اپنی بہن اور ان کی بچوں کی تعلیم وتربیت اور حضرت بابا صاحب کے نواسوں کی تعلیم وتربیت پر پوری توجہ دی۔ خانقاہ میں آپ کے متعلقین اور خدام کے بچے بھی تھے۔ سحری کے وقت جو کھانا بچتا تو سلطان جی فرماتے کہ رکھ دو صبح کو بچوں میں بانٹ دینا۔ سید حسین بن سید محمد کرمانی سلطان جی کے منہ بولے بیٹے کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے اور ان کے بھائی سید خاموش نے حضرت کی نگرانی میں تربیت پائی۔ خواجہ محمد، خواجہ موسیٰ اور خواجہ عزیز الدین مولانا بدر الدین اسحاق کے بیٹے اور حضرت بابا صاحب کے نواسے تھے۔ ان کی کم عمری ہی میں والدین کا انتقال ہو گیا تھا۔ سلطان جی نے ان کو اپنی سرپرستی میں لیا اور ان کی تعلیم وتربیت پر پوری توجہ فرمائی۔ آپ نے ہر بچہ کو قرآن کریم حفظ کرایا۔ حفظ کرانے کا کام مولانا علاء الدین اندرپتی کے سپرد تھا۔ خواجہ محمد سلطان جی کی امامت بھی کیا کرتے تھے۔ مولانا قاسم سلطان جی کے بھانجے تھے۔ ان کی تعلیم وتربیت سلطان جی نے فرمائی۔ انہوں نے حضرت کی نگرانی میں قرآن کریم حفظ کیا اور آپ سے ہدایہ، کشاف،

Marfat.com

بزدوی اور مشارق الانوار کا درس لیا۔ خواجہ رفیع الدین ہارون سلطان جی کے بھانجے کے بیٹے تھے۔ انہوں نے بچپن سے بڑھاپے تک حضرت کی خدمت میں تربیت پائی تھی۔ اگر وہ کھانے پر موجود نہ ہوتے تو سلطان جی دوسرے بزرگوں کے ہوتے ہوئے ان کا انتظار فرماتے۔ آپ ان سے ہنس ہنس کر باتیں کیا کرتے تھے۔ انہیں تیر و کمان، سیاحت اور کشتی کا بڑا شوق تھا۔ سلطان جی ان چیزوں میں ان کی رغبت دیکھ کر ازراہ شفقت ان ہنروں کے بارے میں دریافت فرماتے اور ان کی باریکیوں کو سمجھاتے تاکہ ان کا دل خوش ہو۔[45] خواجہ رفیع الدین کے چھوٹے بھائی خواجہ تقی الدین نوح کی تربیت بھی سلطان جی کے زیر سایہ ہوئی۔ سلطان جی ہر ایک کے حالات سے دلچسپی رکھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت بابا صاحب کے بیٹے خواجہ نظام الدین کے پوتے خواجہ عزیز الدین اپنے بھانجے کی شادی میں گئے۔ وہاں سے لوٹے تو سب سے پہلے سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے نہایت شفقت و مرحمت فرمائی اور پوچھا کہ شادی بخیر وخوبی انجام پا گئی۔[46]

توسع اور رواداری:

دیگر سلاسل کے بزرگوں کے ساتھ سلطان جی کے مخلصانہ اور برادرانہ روابط تھے۔ شیخ بہاء الدین زکریا کے مریدین آپ کی خانقاہ میں قیام کیا کرتے تھے۔ شیخ رکن الدین ملتانی سلطان جی سے ملاقات کیلئے اکثر غیاث پور آیا کرتے تھے۔ قلندر اور حیدری درویش خانقاہ میں آیا جایا کرتے تھے۔

خواجہ ضیاء الدین سنامی (متوفی 709 ہجری) سلطان جی کے ہم عصر تھے۔ وہ سماع کے منکر تھے اور سلطان جی سے سماع کے بارے میں ہمیشہ احتساب کرتے رہتے تھے اور آپ ان کے ساتھ معذرت کے ساتھ پیش آتے اور ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔ خواجہ ضیاء الدین سنامی جب مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو سلطان جی ان کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ مولانا نے اپنے خادموں کو اپنی دستار دی کہ اسے سلطان جی کے قدموں کے نیچے بچھایا جائے اور وہ اس کے اوپر چل کر آئیں۔ سلطان جی نے وہ دستار اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگائی۔ جب سلطان جی مولانا کے سامنے بیٹھے تو انہوں نے مارے شرمندگی کے آپ سے آنکھیں چار نہ کیں۔ سلطان جی کے باہر تشریف لانے کے بعد اندر سے رونے کی آواز آئی کہ مولانا سنامی انتقال فرما گئے۔ سلطان جی نہایت افسردہ ہو کر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا کہ شریعت کی

Marfat.com

حامی ایک ہی ذات تھی افسوس کہ آج وہ بھی نہ رہی۔ [47]

حضرت بابا صاحب کی خانقاہ میں ہندو جوگی اور سادھو بھی آیا کرتے تھے۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ بابا صاحب کی خدمت میں بمقام اجودھن حاضر تھا کہ ایک جوگی آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا طریقہ کیا ہے اور تمہارے یہاں کام کی بنیاد کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہمارے علم میں اس طرح بتایا گیا ہے کہ آدمی کے نفس میں دو عالم ہوتے ہیں ایک عالم علوی اور دوسرا عالم سفلی۔ پیشانی سے ناف تک عالم علوی ہے اور ناف سے پیروں تک عالم سفلی ہے۔ کام اس طرح بنتا ہے کہ عالم علوی میں تو پوری طرح صدق وصفا اور اچھے اخلاق اور حسن معاملہ ہوں اور عالم سفلی میں نگاہ داشت، پاکی اور پارسائی ہو۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی یہ بات اچھی لگی۔ [48] ایک دفعہ کسی شخص نے سلطان جی سے پوچھا کہ ایک ہندو ہے جو کلمہ پڑھتا ہے اور خدا کی وحدانیت کا قائل ہے اور رسولؐ اللہ کی رسالت کا بھی لیکن جب مسلمان لوگ آتے ہیں تو چپ رہتا ہے اور اپنے اسلام کا اظہار نہیں کرتا۔ اس کی عاقبت کیسی ہوگی۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ حق تعالیٰ اس کے بارے میں جو بھی فیصلہ فرمائے چاہے معاف فرمادے چاہے عذاب دے۔ اس بات کی مناسبت سے فرمایا کہ بعض ہندو صاحبان یہ جانتے ہیں کہ اسلام حق ہے مگر مسلمان نہیں ہوتے۔ [49]

ایک روز صبح کے وقت سلطان جی جماعت خانہ کی چھت پر ٹہل رہے تھے۔ دیکھا کہ جمنا میں ہندو لوگ پوجا پاٹ میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی زبان سے نکلا:

ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے۔ [50]

Marfat.com

باب:7

ممتاز خلفاء ومریدین

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے ساتویں صدی ہجری کے نصف اول میں رشد وہدایت کی جو بساط بچھائی اس کے دو پہلو قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ کی تعلیمات اور سیرت وکردار نے اس دور کے معاشرتی حالات اور عوام الناس کے ایک بڑے طبقہ کو متاثر کیا۔ دوسری طرف آپ نے اپنے اثر صحبت اور تعلیم وتربیت سے سرکردہ علماء ومشائخ کی ایک جماعت تیار کی۔ ان نفوس قدسیہ کی برکت سے سلسلہ چشتیہ کو سارے برصغیر ہندوستان میں چار چاند لگ گئے۔

سلطان جی کے آخری ایام میں آپ کے اعلیٰ مریدوں نے اتفاق رائے سے آپ کی خدمت میں 32 مریدین کے نام خلافت کیلئے پیش کیے جو علم، زہد وورع، عشق وذوق اور شغل باطنی میں مشہور تھے۔ یہ فہرست امیر خسرو نے اپنے قلم سے لکھی اور سلطان جی کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے اس فہرست پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا کہ تم بہت سے نام لکھ کر لائے ہو۔ جب لوگوں نے سلطان جی کی ناپسندیدگی کے آثار دیکھے تو اس فہرست پر نظر ثانی کر کے اس میں سے چند مخصوص نام چنے اور انہیں آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے سید حسین کو حکم دیا کہ ان کیلئے خلافت نامے لکھے جائیں۔ مولانا فخر الدین زرادی نے خلافت نامے لکھے۔ پھر آپ نے ان خلافت ناموں پر دستخط فرمائے۔ یہ خلافت نامے حضرت کے وصال سے تقریباً چار مہینے پہلے تحریر کیے گئے۔[1]

مولانا فخر الدین زرادی:

مولانا فخر الدین زرادی کی ولادت 651 ہجری میں سامانہ میں ہوئی۔ تحصیل علم کیلئے دہلی آئے اور مولانا فخر الدین ہانسوی[2] کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ طالب علمی کے زمانہ میں صوفیاء کے منکر تھے۔ ایک دن شیخ نصیر الدین محمود ان کو سلطان جی کی خدمت میں لے آئے۔

یہاں آ کر وہ سلطان جی کے علم و فضل اور تقریر دلپذیر سے متاثر ہوئے اور بیعت کا شرف حاصل کیا۔ مرید ہونے کے بعد آپ غیاث پور میں مقیم ہو گئے۔ پانچ وقت کی نمازیں جماعت خانہ میں سلطان جی کے ساتھ پڑھتے تھے جب تک سلطان جی حیات رہے مولانا فخر الدین زرادی نے اپنا سر ان کے آستانہ سے جدا نہیں کیا۔ حضرت کے وصال کے بعد آپ کا آرام وقرار رخصت ہوا۔ کچھ دن دریائے جمنا کے کنارے اور پھر حوض علائی پر گزارنے کے بعد آپ عازم سفر ہوئے۔ اجمیر پہنچ کر خواجہ معین الدین چشتی کے روضہ کی زیارت کی۔ حضرت بابا صاحب کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے۔ آپ پہاڑوں، جنگلوں اور غاروں میں عبادت کرتے تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ سلطان جی کے وصال کے بعد آپ نے بند بسنالہ میں جو پہاڑوں کے بیچ میں واقع ہے، ایک غیر آباد مسجد میں عبادت الٰہی میں مشغول ہوئے۔ یہ جگہ جنگلی جانوروں کا مسکن تھی۔ مولانا فخر الدین جب وہاں گئے تو آپ کے ساتھ دو تین آدمی تھے جو آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔ دو تین روز ان کے ساتھ رہنے کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ وہاں کوئی چیز نہیں ملتی تو انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور مولانا کو تنہا اس جنگل میں چھوڑ دیا۔[3]

مولانا فخر الدین سخت مجاہدے کیا کرتے تھے۔ سلطان جی کے وصال کے بعد صوم دوام رکھنے لگے تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود فرمایا کرتے تھے کہ وہ روحانی ترقیات جو ہم ایک ماہ یا دو ماہ میں حاصل کرتے تھے۔ مولانا فخر الدین ایک گھڑی میں ان روحانی ترقیات کو حاصل کر لیتے تھے۔

سلطان جی کی حیات میں مالکی مسلک کا ایک بغدادی عالم غیاث پور آیا۔ اس نے یہاں آنے سے پہلے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ بہشتی طبق ہاتھ میں لیے ہوئے جس پر ایک سبز کپڑا ڈھکا ہوا تھا، آسمان سے نیچے اتر رہا ہے۔ اس دانشمند نے فرشتہ سے پوچھا کہ اس طبق میں کیا ہے۔ فرشتے نے کہا کہ اس میں علم لدنی ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ میں اسے لے جاؤں اور مولانا فخر الدین زرادی کے سینہ میں ڈال دوں۔ اس دانشمند نے پوچھا کہ مولانا فخر الدین زرادی کون ہیں۔ فرشتے نے جواب دیا کہ وہ ایک عالم ہیں جو شیخ نظام الدین کے مریدوں میں سے ہیں اور علائق دنیوی سے مجرد ہیں۔ وہ دانشمند یہ خواب دیکھنے کے بعد غیاث پور سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا خواب ان سے بیان کیا۔ پھر آپ سے گزارش کی کہ میں چاہتا ہوں کہ مولانا فخر الدین زرادی کو دیکھوں۔ سلطان جی نے فرمایا کہ وہ اس وقت جماعت خانہ میں ہوں گے یا سیدوں کے گھر میں ہوں گے۔ وہ دانش مند جماعت خانہ میں آیا اور وہاں لوگوں سے پوچھا کہ یہاں مولانا فخر الدین زرادی کون ہیں۔ حاضرین نے مولانا کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے

Marfat.com

دیکھا کہ ایک نحیف الجثہ، بلند قد اور خوبصورت جوان ہے۔ وہ جماعت خانہ کے ایک گوشہ میں یاد الٰہی میں مشغول تھے۔ دانشمند ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اپنا خواب بیان کیا۔ مولانا فخر الدین مسکرائے اور فرمایا کہا اس بارگاہ کے کئی مرید فخر الدین زرادی ہیں۔ معلوم نہیں وہ کون سا فخر الدین زرادی ہے۔ اس دانشمند نے مجمع البحرین جو فقہ کی کتاب ہے اور تصریف مالکی مولانا کی خدمت میں پیش کی اور کہا کہ تصریف مالکی کے مصنف نے اس کے قواعد و مقدمات کو اس انداز میں لکھا ہے کہ اس کے مشکل مقامات کا حل دشوار ہے اور ابھی تک ان دونوں کتابوں کی شرح لکھی نہیں گئی ہے۔ مولانا فخر الدین زرادی نے تصریف مالکی کا نسخہ اس دانشمند کے ہاتھ سے لیا اور عشاء کی نماز کے بعد سونے سے قبل ایک گھنٹہ تک اس کا مطالعہ کرتے رہے اور مشکل مقامات کی تشریح اپنے قلم سے متن کے نیچے لکھ دی اور اس کتاب کے ہر مشکل مقام کو حل کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے وہ نسخہ اس دانشمند کو دیا۔ جب وہ مولانا زرادی کے تبحر علمی سے واقف ہوا تو اس نے کہا الحمدللہ میرا خواب سچا نکلا۔ ایسی علمی قوت صرف اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس کا سینہ علم لدنی سے آراستہ ہے۔ جب مولانا زرادی نے ان دونوں کتابوں کو بغیر کسی شرح کے پڑھانا شروع کیا اور ان کے غوامض ولطائف کو بیان کیا تب شہر کے اہل علم میں ان دونوں کتابوں کا چرچا عام ہوا۔[4]

سید محمد کرمانی کے والدین نے سلطان جی کے گھر کے قریب ایک مکان کرایہ پر لے کر اس میں مدرسہ قائم کیا تھا جس میں ذہین طلبہ کو درس دیا جاتا تھا۔ وہ خود بھی اس مدرسہ میں درس دیا کرتے تھے۔ مولانا فخر الدین زرادی چاشت کی نماز کے بعد مدرسہ میں تشریف لاتے اور ہدایہ کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک روز مولانا کمال الدین سامانی جو اپنے عہد کے مشہور علماء اور اساتذہ میں سے تھے، سلطان جی کی ملاقات کیلئے آئے۔ جب وہ ملاقات سے فارغ ہو کر واپس ہونے لگے تو اپنے دوست مولانا فخر الدین سے ملنے کیلئے مدرسہ میں آئے۔ اس وقت مولانا زرادی ہدایہ پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے مولانا کمال الدین سامانی کو دیکھا تو درس کا انداز بدل دیا اور صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی نے جن احادیث سے فقہ حنفی کے مسائل میں استنباط کیا ہے ان کو چھوڑ کر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث سے استشہاد شروع کیا۔ مولانا کمال الدین دوران تقریر داد تحسین دیتے رہے۔[5]

سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں سلطان جی کے حاسدین نے سماع کے بارے میں ہنگامہ کھڑا کیا تو اس نے ایک محضر منعقد کیا اور شہر کے تمام علماء و مشائخ کو اس محضر میں طلب کیا۔ سلطان جی کی بھی طلبی ہوئی۔ روانگی کے وقت مولانا فخر الدین زرادی بھی آپ کے ہمراہ ہو لیے۔

Marfat.com

محضر سماع میں مولانا فخر الدین زرادی نے علماء شہر کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ تم دو میں سے کوئی بھی پہلو اختیار کر و اگر تم سماع کو حرام کہو تو میں اس کو حلال ثابت کر سکتا ہوں اور اگر تم اسے حلال کہو تو میں اسے حرام ثابت کر سکتا ہوں۔[6] اس سے مولانا فخر الدین زرادی کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے اباحت سماع پر ایک رسالہ لکھا ہے۔[7]

سلطان محمد تغلق نے 727 ہجری میں دیوگیر کو دارالسلطنت بنانے کا اعلان کیا اور شہر دہلی کے لوگوں کو دیوگیر روانہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے مولانا فخر الدین زرادی، مولانا شمس الدین یحیٰ اور شیخ نصیر الدین محمود کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ مولانا زرادی کو بادشاہ سے ملاقات ناپسند تھی۔ بادل ناخواستہ جب ان کی ملاقات سلطان محمد تغلق سے ہوئی تو سلطان نے ان سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آل چنگیز کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں۔ کیا آپ اس کام میں میری مدد کریں گے۔ مولانا نے فرمایا ان شاء اللہ۔ بادشاہ نے کہا یہ کلمہ شک ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مستقبل کیلئے یہی کلمہ استعمال ہوتا ہے۔ مولانا کا یہ جواب سن کر بادشاہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگا۔ پھر اس نے مولانا سے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت کیجیے تاکہ میں اس پر عمل کروں۔ مولانا نے فرمایا کہ غصہ چھوڑ دو۔ بادشاہ نے پوچھا کیسا غصہ۔ آپ نے فرمایا کہ درندوں کا سا غصہ۔ اس جواب سے بادشاہ اور بھی غضبناک ہوا۔ اس کے چہرہ سے غصہ کے آثار ظاہر ہوئے لیکن اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ دستر خوان چنا جائے۔ جب کھانا لایا گیا تو مولانا اور بادشاہ ایک رکابی میں کھانے میں مشغول ہوئے۔ کھانے کے دوران مولانا زرادی کے چہرہ پر اس قدر ناگواری کے آثار تھے کہ بادشاہ نے بھی یہ محسوس کر لیا کہ مولانا کو میرے ساتھ کھانا پسند نہیں۔ بادشاہ ہڈیوں سے گوشت جدا کرتا تھا اور مولانا کے سامنے رکھتا جاتا تھا۔ مولانا بہ اکراہ اس میں تھوڑا تھوڑا کھاتے جاتے تھے جب کھانا ہو چکا تو بادشاہ کی طرف سے کپڑے اور روپے کی تھیلی ان کے سامنے پیش کی گئی۔ شیخ قطب الدین دبیر نے جو مولانا فخر الدین زرادی کے شاگردوں میں سے تھے آگے بڑھ کر وہ تھیلی اور کپڑے اپنے ہاتھ میں لے لیے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مولانا کپڑے اور تھیلی کو ہاتھ نہیں لگائیں گے اور بادشاہ اسے اپنی توہین سمجھے گا۔ اس واقعہ کے بعد جب بھی بادشاہ کی مجلس میں مولانا کا ذکر نکلتا تو وہ کف افسوس ملتے ہوئے کہتا کہ افسوس فخر الدین زرادی میری تلوار خون آشام سے بچ نکلے۔[8]

کچھ عرصہ کے بعد مولانا فخر الدین زرادی پر خانہ کعبہ کی زیارت کا اشتیاق غالب ہوا چنانچہ وہ تھانہ کے راستہ سے سفر حج کیلئے روانہ ہوئے۔ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد وہ بغداد گئے وہاں

Marfat.com

کے علماء ومشائخ نے آپ کا خیر مقدم کیا اور آپ کی تشریف آوری کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھا۔ وہاں علم حدیث کی مجلسیں آراستہ ہوئیں اور وہاں کے علماء حدیث پر آپ کی علمیت کی دھاک بیٹھ گئی۔ وہاں سے واپسی میں جہاز غرق ہو گیا اور مولانا نے درجہ شہادت پایا۔

مولانا شمس الدین یحییٰ:

آپ کی ولادت 1267ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مولانا ظہیر الدین بھکری اور مولانا فرید الدین شافعی سے حاصل کی۔ اپنی حاضر جوابی اور بحث ومباحثہ کیلئے مشہور تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود نے اوائل عمر میں آپ سے کچھ کتابیں پڑھی تھیں۔ انہوں نے آپ کی شان میں یہ شعر کہا تھا:

سالت العلم من احیاک حقا فقال العلم شمس الدین یحییٰ[9]

(میں نے علم سے پوچھا کہ تجھے کس نے زندہ کیا تو علم نے کہا کہ شمس الدین یحییٰ نے)۔

مولانا شمس الدین یحییٰ ابتدائی زمانہ میں صوفیائے کرام سے اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ ایک دن اپنے خالہ زاد بھائی مولانا صدر الدین نادلی کے ساتھ سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت کا رعب ان پر کچھ ایسا پڑا کہ دونوں قدموس ہوئے اور دوسری حاضری میں آپ بیعت وارادت سے مشرف ہوئے۔ آپ تجرید وتفرید میں بے نظیر اور دنیاوی تکلفات سے بہت دور تھے۔ اگر کوئی دنیادار ان کے پاس آتا تو ان کی طبیعت کو ناگوار گزرتا۔ اگر کوئی نذر و نیاز پیش کرتا تو اس کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھتے۔ شہر کے اکثر علماء آپ کے شاگرد تھے۔ سماع کے آپ نہایت شوقین تھے۔

سلطان جی نے جب مولانا شمس الدین یحییٰ کو خلافت نامہ عطا فرمایا تو اس میں لکھا: پس ولد عزیز، متقی، عالم برگزیدہ، رب العالمین کی طرف متوجہ، شمس الملت والدین محمد بن یحییٰ اللہ تعالیٰ اپنے انوار کا فیض اس کے وسیلہ سے اہل یقین اور پرہیزگار لوگوں کو پہنچائے۔ چونکہ شمس الدین بن یحییٰ صدق نیت سے ہمارا مرید ہوا ہے اور اس نے ہم سے خرقہ خلافت پہنا ہے اور اس نے ہماری صحبت سے کافی فائدہ اٹھایا ہے اس لیے ہم اسے اپنی طرف سے اجازت دیتے ہیں......ہم نے اس کو اپنا خلیفہ اور قائم مقام مقرر کیا ہے۔ وہ میرا ہاتھ ہے۔ دینی اور دنیوی امور میں اس کے حکم کو بجالانا دراصل میری تعظیم ہے۔[10] سلطان جی کے منظور نظر ہونے اور آپ کی خلافت سے سرفراز ہونے کے باوجود کوئی شخص مرید ہونے کے ارادے سے آپ کی خدمت میں آتا تو حتی الامکان اس کو مرید کرنے سے احتراز کرتے۔ اگر وہ شخص مرید ہونے پر اصرار کرتا اور آہ وزاری کرتا اور

Marfat.com

آپ اندازہ کرتے کہ وہ اپنے ارادہ میں پکا اور سچا ہے تو اس وقت آپ اس کو مرید کرتے۔ آپ فرماتے تھے کہ میرے خلافت نامے پر سلطان جی کے دستخط نہ ہوتے تو میں ہرگز اس کاغذ کو محفوظ نہ رکھتا۔[11]

سلطان محمد تغلق نے ایک روز مولانا شمس الدین یحییٰ کو طلب کیا اور چند دنوں تک ان کو ایک پرہیبت سرائے میں رکھا۔ پھر اپنے پاس بلایا اور کہا کہ تم جیسا دانشمند یہاں کیا کر رہا ہے۔ تم کشمیر جاؤ اور وہاں کے بت خانوں میں جا کر خدا کی مخلوق کو اسلام کی دعوت دو۔ پھر اس نے حکم جاری کیا کہ مولانا کو کشمیر روانہ کیا جائے۔ مولانا گھر آئے اور جو عزیز حاضر تھے ان سے فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ مجھ کو طلب فرما رہے ہیں۔ میں اپنے خواجہ کے پاس جاؤں گا۔ وہ مجھے کہاں بھیج سکتے ہیں۔ دوسرے روز مولانا کا مرض وفات شروع ہوا۔ آپ کے سینہ پر ایک دانہ غلہ کی صورت میں نمودار ہوا۔ مرض کی تکلیف بڑھتی گئی چنانچہ اس دانہ کو شگاف دیا گیا۔ سلطان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے آپ کو طلب کیا اور حکم دیا کہ تحقیق کی جائے، کہیں ایسا تو نہیں کہ مولانا بیماری کا حیلہ کر رہے ہوں۔ مولانا کو اس شدید بیماری میں سرائے لے جایا گیا پھر ان کو گھر واپس کر دیا گیا۔ چند دن بیمار رہ کر مولانا 747 ہجری میں رحمت حق سے جا ملے۔ مولانا علاء الدین نیلی کے چبوترے کے متصل آپ کو دفن کیا گیا۔[12]

شیخ نصیر الدین محمود:

شیخ نصیر الدین محمود کے دادا، جن کا نام عبداللطیف تھا، خراسان سے ترک سکونت کر کے لاہور آئے۔ جہاں 675 ہجری میں نصیر الدین محمود کی پیدائش ہوئی۔[13] نو سال کی عمر میں ان کے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا۔ ان کی والدہ نے ان کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ فرمائی۔ ابتدائی زمانہ میں مولانا عبدالکریم شروانی سے، جو اپنے زمانہ کے ممتاز علماء میں سے تھے، نصیر الدین محمود نے درس لیا۔ 43 سال کی عمر میں وہ اودھ سے دلی آئے اور سلطان جی کی ارادت سے مشرف ہوئے۔ وہ حضرت سے اجازت لے کر اپنی والدہ سے ملاقات کرنے اودھ جاتے۔ ان کی وفات کے بعد سلطان جی کے جماعت خانہ میں قیام رہنے لگا۔

شیخ نصیر الدین محمود ابتداء ہی سے سلطان جی کی نظر خاص سے سرفراز تھے۔ آپ نے بے شمار دینی اور دنیوی نعمتیں اپنے شیخ سے پائی تھیں۔ ایک دفعہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے ایک مرید خواجہ محمد گاذرونی سلطان جی کے جماعت خانہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب وہ تہجد کے وقت

Marfat.com

تجدید وضو کیلئے گئے تو اپنا جبہ جماعت خانہ میں چھوڑ گئے۔ جب وہ وضو کر کے لوٹے تو انہوں نے اپنا جبہ وہاں نہ پایا۔ کوئی شخص اس جبہ کو لے کر جا چکا تھا۔ انہوں نے جماعت خانہ کے خادم سے دریافت کیا اور ابھی پوچھ گچھ کر ہی رہے تھے کہ شیخ نصیر الدین نے، جو جماعت خانہ کے ایک گوشہ میں مشغول عبادت تھے، ان کی آواز سنی۔ سارا ماجرا معلوم ہونے پر انہوں نے اپنا جبہ خواجہ محمد گاذرونی کو دے دیا۔ کسی نے یہ بات سلطان جی کی خدمت میں پہنچائی۔ آپ نے نصیر الدین محمود کو طلب فرمایا اور ان کے عمل کو پسند فرمایا۔ پھر آپ نے اپنا جبہ خاص انہیں عطا فرمایا اور ان کے حق میں دعائیں دیں۔[14]

شیخ نصیر الدین محمود نے ابتدائی زمانہ میں سخت مجاہدات کیے۔ ایک دفعہ انہوں نے دس روز تک کچھ نہ کھایا۔ جب یہ خبر سلطان جی تک پہنچی تو آپ نے انہیں طلب فرمایا اور اقبال خادم کو حکم دیا کہ ایک روٹی لاؤ۔ اقبال ایک روٹی حلوے کے ساتھ لے کر آئے۔ سلطان جی نے نصیر الدین محمود سے فرمایا کہ یہ پوری روٹی کھاؤ۔ ایک دن نصیر الدین محمود نے سلطان جی کی خدمت میں امیر خسرو کے توسط سے عرض کیا کہ میں اودھ میں رہتا ہوں اور خلق کی مزاحمت کی وجہ سے مشغول نہیں رہ سکتا۔ اگر سلطان جی کی اجازت ہو تو پہاڑوں اور جنگلوں میں جا کر خدا تعالیٰ کی عبادت مطمئن ہو کر کروں۔ امیر خسرو نے ان کی گزارش سلطان جی کی خدمت میں پہنچائی۔ سلطان جی نے فرمایا ان سے کہو کہ تمہیں لوگوں کے درمیان ہی رہنا چاہیے اور لوگوں کی جفا اور ناگوار باتیں برداشت کرنی چاہئیں اور ان کی تلافی فیاضی، ایثار اور داد و دہش سے کرنی چاہیے۔[15]

شیخ نصیر الدین محمود نے سلطان جی کے تمام خلفاء میں سب سے زیادہ باطنی استفادہ کیا اور مرتبہ کمال کو پہنچنے کے بعد آپ کی نیابت سے سرفراز ہوئے۔ جو خوشبو سلطان جی کی مجلس سے آیا کرتی تھی وہی خوشبو آپ کی مجلس میں موجود ہوتی۔ سلطان محمد تغلق نے شیخ نصیر الدین محمود کو بہت تکلیفیں پہنچائیں۔ وہ ان کو اپنے ہمراہ سفر میں پیدل چلاتا۔ اس نے آپ کو اپنا خانساماں مقرر کیا۔ شیخ نصیر الدین محمود نے ان تمام تکالیف کو پامردی اور صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کیا اور اپنے شیخ کی وصیت کا پاس رکھا۔[16] سلطان جی کے وصال کے 32 سال بعد 18 رمضان المبارک 757 ہجری کو وفات پائی۔ دہلی میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

شیخ نصیر الدین محمود کے ملفوظات حمید قلندر نے خیر المجالس کے نام سے مرتب کیے۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ آدمی کا نفس بمنزلہ ایک درخت کے ہے جو خواہشات نفسانی کی مدد سے آدمی کی ذات میں جڑ پکڑتا ہے اور مضبوط ہوتا ہے۔ اگر آدمی بتدریج اور عزم و حوصلہ سے، اور عبادت،

Marfat.com

تقویٰ اور عشق کے زور سے ہر روز اس درخت کو ہلائے تو اس کی جڑ کمزور ہو جائے گی اور یہ درخت اکھڑنے کے قابل ہو جائے گا اور حق تعالیٰ کی بندگی اور پیر کی محبت کی وجہ سے یہ درخت اکھڑ جائے گا۔[17] آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان محفوظ رکھنے کی فکر کرو اور کرامتوں کے درپے نہ ہو۔ فرمایا کہ اس کام یعنی راہ سلوک میں اصل چیز نفس کی حفاظت کرنا ہے اور صوفی کو مراقبہ کی حالت میں ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس پر گہری نظر اور نگرانی رکھے تاکہ اس کے باطن کو دلجمعی اور یکسوئی نصیب ہو۔ اگر صوفی نے نفس کو چھوڑ دیا اور اس سے غافل ہو گیا تو باطن حیران و پریشان ہو جائے گا۔[18] ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ میں کس لائق ہوں کہ پیری مریدی کروں۔ آج کل تو یہ کام بچوں کا کھیل سمجھا جانے لگا ہے۔ پھر شیخ سنائی کا یہ شعر پڑھا:

مسلمانان مسلمانان مسلمانی مسلمانی   از آئین بے دیناں پشیمانی پشیمانی

مولانا حسام الدین ملتانی:

مولانا حسام الدین ملتانی سلطان جی کے اعلیٰ مریدین میں سے تھے۔ علم وفضل میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ ہدایہ، قوت القلوب اور احیاء العلوم اکثر مطالعہ میں رہتی تھیں۔ سلطان جی آپ کے متعلق فرماتے تھے کہ شہر دہلی ان کی نگہبانی میں ہے۔ ایک دن آپ راستہ سے جا رہے تھے۔ مصلیٰ آپ کے کاندھے سے گر گیا لیکن آپ کو شغل باطنی کی وجہ سے بالکل خبر نہ ہوئی۔ ایک شخص نے پیچھے سے آواز دے کر کہا کہ اے شیخ! آپ کا مصلیٰ گر گیا ہے۔ اس نے کئی مرتبہ شیخ شیخ کہہ کر آپ کو آواز دی لیکن چونکہ آپ اپنے آپ کو شیخ نہیں سمجھتے تھے اس لیے اس کی آواز پر آپ نے توجہ نہیں فرمائی۔ اس شخص نے مصلیٰ اٹھایا اور مولانا کے پیچھے ڈور کر وہ مصلیٰ آپ کو دے دیا۔ پھر اس شخص نے کہا میں نے کئی آوازیں آپ کو دیں کہ شیخ اپنا مصلیٰ لے لیجیے لیکن آپ نے نہیں سنا۔ مولانا نے فرمایا کہ اے عزیز! میں شیخ نہیں ہوں۔ میں اپنے آپ کو اس مرتبہ کے قابل نہیں سمجھتا۔[19]

مولانا کے گھر کا کوئی دروازہ نہ تھا۔ صرف ایک ٹوٹی پھوٹی کٹیا تھی جس میں رہتے تھے۔ جب سلطان جی نے انہیں خلافت سے مشرف کیا تو سلطان جی کے رعب کی وجہ سے وہ پسینہ پسینہ ہو گئے۔ جب انہیں خلافت نامہ اور خلعت خاص عطا کی گئی تو انہوں نے عرض کی کہ مجھے وصیت فرمائیے کہ کیا کروں۔ سلطان جی نے آستین سے ہاتھ نکال کر شہادت کی انگلی سے مولانا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ترک دنیا، ترک دنیا، ترک دنیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مریدوں کی تعداد

Marfat.com

بڑھانے کی کوشش نہ کرنا۔ مولانا نے عرض کی کہ اگر حکم ہو تو میں شہر میں نہ رہوں۔ کسی دریا کے کنارے سکونت اختیار کرلوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں۔ شہر میں رہو اور عام لوگوں کی طرح رہو۔[20] ایک دفعہ مولانا حسام الدین نے سلطان جی سے عرض کی کہ لوگ کرامت طلب کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کرامت استقامت ہے خدا کے دروازے پر۔ تمہیں اپنے کام میں مستقیم ہونا چاہیے۔ کرامت کے طلبگار کب تک رہو گے۔[21]

آپ زائر الحرمین تھے۔ جب آپ خانہ کعبہ کی زیارت سے واپس ہوئے اور شہر میں پہنچے تو جمعہ کا دن تھا۔ آپ کیلوکھڑی کی مسجد میں آئے اور یہیں سلطان جی کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی۔ سلطان جی نے فرمایا کہ جب کوئی شخص خانہ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہو تو اسے چاہیے کہ حضرت رسالت مآبؐ کی زیارت کیلئے علیحدہ نیت کرے اور وہاں حاضری دے تاکہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت خاص کا مستحق ہو سکے اور روضہ نبویؐ کی زیارت کو طفیلی زیارت نہ بنائے۔ جب مولانا نے سلطان جی کی زبان مبارک سے یہ بات سنی تو آپ نے سمجھ لیا کہ سلطان جی نے یہ ارشاد الہام ربانی پر فرمایا ہے۔ آپ نے اسی وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی نیت اپنے دل میں پختہ کی اور خاص طور پر اس مقصد کے حصول کیلئے دوسری دفعہ سفر کیا۔[22]

جب سلطان محمد تغلق نے لوگوں کو شہر دہلی سے دیوگیر جانے کا حکم دیا تو مولانا حسام الدین گجرات چلے گئے اور وہیں آپ کا وصال ہوا۔

قاضی محی الدین کاشانی:

آپ قاضی قطب الدین کاشانی کے نواسے تھے جو شہر بھر کے استاد تھے۔ آپ سلطان جی کے اعلیٰ مریدوں میں شامل تھے اور علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ سلطان جی ان کی بڑی عزت فرمایا کرتے تھے۔ جس وقت وہ سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوتے تو سلطان جی ان کیلئے کھڑے ہو جاتے۔ یہ عزت و احترام بہت کم لوگوں کو حاصل تھا۔ ان کے تشریف لانے پر سلطان جی کی مجلس طویل ہو جاتی تھی۔ قاضی صاحب اپنی علمی مشکلات سلطان جی کے سامنے پیش کرتے تھے اور ان سے حل کرواتے تھے۔ اس کے علاوہ اہل طریقت کے تذکرے، رموز عشق، لطائف اور دوسرے سوال و جواب کثرت سے ہوتے۔ بعض وہ مرید جن کو سلطان جی کی مجلس میں دیر تک بیٹھنے کا موقع نہ ملتا تھا وہ قاضی صاحب کا انتظار کرتے رہتے تھے کہ ان کے طفیل حضرت کی مجلس میں دیر تک بیٹھنے کا موقع مل جائے گا۔ سلطان جی نے انہیں خلافت

Marfat.com

سے سرفراز فرمایا تھا۔

سلطان جی سے مرید ہونے کے بعد قاضی محی الدین کاشانی دنیوی علائق سے دستبردار ہو گئے تھے اورانہوں نے اپنے وظیفہ کا وہ پروانہ جوحکومت کی طرف سے ملا تھا، سلطان جی کے سامنے لاکر پارہ پارہ کر دیا تھا اور ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول ہو گئے تھے۔ جب ان پر فقر و فاقہ کی شدت ہوئی تو ان کے اہل وعیال ان کو پریشان کرنے لگے۔ ان کے ایک معتقد نے بغیر ان کے علم واطلاع کے ان کے مناقب وفضائل سلطان علاء الدین سے بیان کیے۔ سلطان نے حکم دیا کہ اودھ کی قضات جو ان کی موروثی تھی انہیں انعامات اور بہت سے دیہات کے ساتھ واپس کی جائے۔ جب قاضی صاحب کو یہ خبر ملی تو وہ سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کر کے عرض کیا کہ اب آپ کا جو حکم ہو۔ سلطان جی قاضی صاحب سے یہ بات سن کر ناراض ہو گئے اور فرمایا کہ تمہارے دل میں ضرور اس قسم کا کوئی خیال گزرا ہوگا۔ وہ خلافت نامہ جو آپ نے قاضی صاحب کو دیا تھا واپس لے لیا۔ ایک سال آپ ان سے ناراض رہے پھر آپ کی ناراضگی دور ہوئی اور ان کو آپ نے تجدید بیعت سے سرفراز فرمایا۔ قاضی صاحب نے سلطان جی کی حیات میں وفات پائی۔ [23]

مولانا علاء الدین نیلی:

اودھ کے بڑے علماء میں آپ کا شمار تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اودھ کے شمس العلماء مولانا فرید الدین سے پائی۔ حافظ قرآن تھے اور اپنی شیریں بیانی کیلئے مشہور تھے۔ اکابر علماء ان کی تقریر کے عاشق تھے۔ تصوف کے غوامض اور رموز بیان کرنے میں بے مثل تھے۔ اگرچہ وہ سلطان جی کی طرف سے بیعت کرنے کے مجاز تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے کسی کو مرید نہیں کیا۔ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ اگر سلطان جی حیات ہوتے تو میں یہ خلافت نامہ سلطان جی کی خدمت میں لے جاتا اور ان سے عرض کرتا کہ اگرچہ یہ خلافت نامہ مخدوم نے ازراہ شفقت و بندہ نوازی مجھے عنایت فرمایا ہے لیکن میں خود کو اس کا اہل نہیں سمجھتا اور نہ ہی اس عہدہ کے فرائض کے بوجھ کو برداشت کر سکتا ہوں۔ [24]

مولانا علاء الدین نیلی کے پاس کثرت سے کتابیں تھیں لیکن فوائد الفواد کے علاوہ کسی اور کتاب سے انہیں اتنی رغبت نہ تھی۔ وہ کچھ روز بیمار رہ کر 762 ہجری میں رحمتِ حق سے جا ملے۔ انہیں سلطان جی کے مقبرہ میں واقع اندرونی چبوترہ میں دفن کیا گیا۔ [25]

Marfat.com

مولانا برہان الدین غریب:

مولانا برہان الدین غریب کا سلسلہ نسب حضرت امام اعظم تک پہنچتا ہے۔ 654 ہجری میں آپ کی ولادت ہانسی میں ہوئی۔ آپ حضرت جمال الدین ہانسوی کے بھانجے اور حضرت منتجب الدین زرزری زربخش کے چھوٹے بھائی تھے۔ حضرت منتجب الدین نے مولانا برہان الدین غریب سے بہت پہلے دولت آباد میں مسند رشد وہدایت بچھائی اور وہیں 709 ہجری میں وصال فرمایا۔[26] مولانا غریب کو بچپن ہی سے عبادت وریاضت کا ذوق تھا۔ 29 برس کی عمر میں آپ مولانا وجیہ الدین یوسف کی رفاقت میں سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ کچھ دنوں کے بعد سلطان جی نے مولانا غریب کو خانقاہ کے باورچی خانہ کا نگراں متقرر کر دیا۔ آپ اپنے شیخ سے غایت درجہ عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ چنانچہ تاحیات غیاث پور کی طرف آپ نے پشت نہیں کی اور نہ ہی اس طرف منہ کر کے تھوکا۔ سلطان جی بھی مولانا غریب پر محبت وشفقت کی نظر رکھتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے سلطان جی سے عرض کیا کہ حضرت بابا صاحب نے آپ پر بہت سی نظریں عنایت وکرم کی ڈالی تھیں آپ ایک نظر مجھ پر بھی ڈالیں۔ سلطان جی نے فرمایا کہ ہاں تم پر بھی نظریں ہوں گی۔ ایک موقع پر سلطان جی کی مجلس میں حضرت بایزید بسطامی کی بزرگی کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم بھی ایک بایزید رکھتے ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں۔ آپ نے فرمایا جماعت خانہ میں۔ خواجہ اقبال نے وہاں جا کر دیکھا تو مولانا غریب بیٹھے ہوئے تھے۔[27]

ایک روز سلطان جی نے ارشاد فرمایا کہ کلاہ دو قسم کی ہوتی ہے ایک کلاہ ارادت اور دوسری کلاہ اصلی۔ دوسری کلاہ ہر ایک کو عطا نہیں ہوتی۔ مولانا غریب نے سلطان جی سے عرض کیا کہ وہ کلاہ مجھے عنایت ہوئی یا نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ جب وقت آئے گا تمہیں مل جائے گی۔ ایک دفعہ مولانا غریب بیمار ہوئے اور سلطان جی ان کی عیادت کو آئے۔ آپ کھانا اپنے ساتھ لائے تھے۔ فرمایا کہ دسترخوان بچھاؤ۔ کھانے کے بعد آستین مبارک سے کلاہ مبارک نکال کر آپ نے مولانا غریب کو عنایت فرمائی اور فرمایا کہ لو یہ وہی اصلی کلاہ ہے۔[28] مولانا غریب سلاطین وحکام سے ہمیشہ بے تعلق رہے۔ ایک دفعہ جمعہ کے دن سلطان محمد تغلق آپ سے ملاقات کی غرض سے روانہ ہوا۔ آپ کو اطلاع ہوئی تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ اس سے ملاقات نہ ہو۔ نہ معلوم بادشاہ کے دل میں کیا بات آئی کہ ملاقات کیے بغیر دروازہ ہی سے پلٹ گیا۔[29]

ایک دفعہ سلطان جی مولانا غریب سے ناراض ہو گئے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ مولانا غریب درازی عمر کی وجہ سے اور کثرت عبادت و ریاضت کے باعث بہت کمزور ہو گئے تھے۔ اس لیے اپنے کمبل کو دوتہ کر کے اسے بچھاتے اور اس کے اوپر بیٹھا کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے سلطان جی سے مولانا غریب کی چغلی کھائی اور کہا کہ مولانا غریب مشائخ کی طرح بیٹھنے لگے ہیں۔ سلطان جی یہ سن کر مولانا غریب سے ناراض ہو گئے اور جب مولانا غریب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے بات نہ کی۔ آپ رنجیدہ ہو کر جماعت خانہ میں آئے تو خواجہ اقبال نے وہاں آ کر سلطان جی کا حکم سنایا کہ آپ یہاں نہ بیٹھیں۔ مولانا غریب نہایت مضطرب و آزردہ خاطر ہوئے اور اپنے گھر میں ماتم کناں بیٹھ گئے۔ کچھ دنوں کے بعد امیر خسرو نے سلطان جی سے ان کیلئے معافی کی درخواست کی۔ سلطان جی مسکرائے اور فرمایا وہ کہاں ہے اسے بلاؤ۔ اس کے بعد مولانا غریب اور امیر خسرو دونوں اپنی گردنوں میں عمامے ڈالے ہوئے حاضر ہوئے۔ سلطان جی نے مولانا غریب کی معذرت قبول فرمائی اور تجدید بیعت سے مشرف فرمایا۔[30]

سلطان محمد تغلق نے جب دارالخلافہ کی دہلی سے دیوگیر منتقلی کا حکم صادر کیا تو مولانا برہان الدین غریب نے مولانا فخر الدین زرادی، امیر حسن سنجری اور سید یوسف حسینی کے ساتھ دکن کی طرف کوچ کیا۔ کم و بیش تیرہ برس آپ نے دکن میں قیام فرمایا اور ہزارہا افراد کو اپنے فیوض باطنی سے مستفید فرمایا۔ وصال سے پہلے آپ نے اپنے شیخ کی تسبیح منگوائی۔ اسے سینہ پر رکھا اور کہا: مسلمان ہوں، امت رسول ہوں۔ اپنے شیخ کا مرید ہوں۔ اگرچہ نیک نہیں رہا اور نیکی کے ساتھ زندگی نہیں گزاری لیکن اپنا انصاف بھی خود کو دیتا ہوں۔ اس کے بعد سلطان جی کی تسبیح کے سامنے تجدید بیعت فرمائی۔[31] 12 صفر 738 ہجری کو آپ نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔ مزار شریف خلد آباد ضلع اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں ہے اور مرجع خاص و عام ہے۔

مولانا برہان الدین غریب کے ممتاز خلفاء میں مولانا زین الدین داؤد شیرازی، مولانا فرید الدین ادیب، مولانا فخر الدین شمس الملک، خواجہ مبارک غوری، کاکا شاد بخت، حماد کاشانی اور مجد الدین کاشانی شامل ہیں۔

حمید قلندر نے مولانا غریب کے ملفوظات جمع کیے تھے جو بدقسمتی سے محفوظ نہیں رہ سکے۔[32] ان کے ملفوظات کا ایک مجموعہ حماد بن عماد کاشانی نے احسن الاقوال کے نام سے مرتب کیا تھا۔ ملفوظات کا ایک اور مجموعہ نفائس الانفاس کے نام سے حماد کاشانی نے مرتب کیا۔

Marfat.com

شیخ قطب الدین منور:

شیخ قطب الدین منور شیخ جمال الدین ہانسوی کے پوتے اور خواجہ برہان الدین کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت 682 ہجری میں ہانسی میں ہوئی۔ آپ نے اپنے آبائی گوشہ میں اپنے آبادا جداد کی طرح زندگی گزاری اور کسی طرح کا تعلق دنیا اور اہل دنیا سے نہ رکھا۔ غیب سے جو کچھ بھی آپ کو مل جاتا اسی پر قناعت کرتے۔ تکلف و تصنع سے آپ کو طبعاً نفرت تھی۔ آپ کبھی امراء کے دروازے پر نہیں گئے اور پوری زندگی توکل اور صبر و قناعت میں بسر کی۔ سلطان جی نے ان کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ جب شیخ قطب الدین منور رخصت ہونے لگے تو سلطان جی نے ان سے فرمایا کہ میں جب حضرت بابا صاحب کی خلافت سے سرفراز ہو کر آپ کے حکم کے مطابق ہانسی آیا اور شیخ جمال الدین سے شرف ملاقات حاصل کیا تو انہوں نے مجھ پر بے حد شفقت فرمائی پھر انہوں نے عوارف المعارف کا نسخہ نکالا اور کہا کہ میں نے یہ نسخہ بہت سی نعمتوں کے ساتھ حضرت بابا صاحب سے پایا ہے۔ آج یہ نسخہ ان تمام نعمتوں کے ساتھ میں تمہیں دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ میرے فرزندوں میں سے کوئی فرزند تمہارے پاس آئے تو تم ان نعمتوں سے اسے محروم نہ رکھو گے۔ یہ کہہ کر حضرت نے عوارف المعارف کا وہ نسخہ شیخ قطب الدین منور کو دیا اور فرمایا کہ ان تمام نعمتوں کے ساتھ یہ میں تمہیں دیتا ہوں۔ [33]

شیخ قطب الدین منور سلاطین و حکام سے ہمیشہ بے تعلق رہے اور شاہی دربار سے کسی قسم کا علاقہ نہیں رکھا۔ آپ کے بعض حاسدوں نے سلطان محمد تغلق کے کان بھرے۔ اس نے ایک بہانہ سے آپ کو اپنے جال میں پھانسنا چاہا۔ اس نے دو گاؤں کا فرمان شیخ قطب الدین کے نام لکھ کر قاضی کمال الدین صدر جہاں کو دیا اور کہا کہ وہ شیخ قطب الدین کی خدمت میں جائیں اور حیلہ حوالہ سے شیخ کو ان کے قبول کرنے پر راضی کریں۔ قاضی کمال الدین حضرت کے پاس پہنچے اور سلطان کا وہ فرمان آپ کے سامنے رکھا اور سلطان کی طرف سے اخلاص و محبت کا اظہار کیا۔ شیخ قطب الدین نے قاضی سے کہا کہ تم صدر جہاں اور مسلمانوں کے واعظ ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے پیروں کے طریقہ کی مخالفت کرے تو تمہیں چاہیے کہ اسے اس طرز عمل سے روکو اور نصیحت کرو۔ قاضی حضرت کا یہ جواب سن کر شرمندہ ہوا اور معذرت کر کے آپ کے پاس سے اٹھ گیا۔ [34]

ایک دفعہ سلطان محمد تغلق ہانسی کی طرف گیا اور بنسی میں جو ہانسی سے چار کوس کے فاصلہ پر واقع ہے قیام کیا۔ اس نے نظام الدین ندرباری کو جو بہت ظالم افسر تھا ہانسی حصار بھیجا تا کہ وہ قلعہ

Marfat.com

کی شکست وریخت کا حال معلوم کر کے بادشاہ کو بتلائے۔ جب وہ ہانسی پہنچا تو شیخ قطب الدین منور کے گھر کے قریب سے گزرا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ گھر کس کا ہے۔ لوگوں نے بتلایا کہ شیخ قطب الدین منور کا ہے جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ ہیں۔ اس نے واپس ہو کر سلطان کے سامنے قلعہ کا احوال پیش کیا اور یہ بھی کہا کہ یہاں شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مریدوں میں سے ایک مرید ہے جو بادشاہ کی ملاقات کیلئے نہیں آیا۔ یہ سن کر بادشاہ کے سر میں شاہی پندار پیدا ہوا اور اس نے حسن سر برہنہ کو حکم دیا کہ وہ شیخ قطب الدین کو اس کے دربار میں حاضر کرے۔ حسن سر برہنہ حضرت کے پاس پہنچا اور کہا کہ بادشاہ نے آپ کو طلب کیا ہے۔ شیخ نے کہا کہ کیا اس معاملہ میں ہمیں اختیار ہے۔ حسن سر برہنہ نے کہا نہیں۔ میرے لیے حکم ہے کہ میں آپ کو بادشاہ کی خدمت میں لے کر جاؤں۔ پھر آپ نے اپنے گھر والوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ فرما کر مصلیٰ اپنے کندھے پر ڈالا اور عصا ہاتھ میں لے کر روانہ ہو گئے۔ آپ کو ہانسی سے بنسی تک جو چار کوس کے فاصلے پر ہے پا پیادہ لایا گیا۔ بادشاہ اپنے ساتھ حضرت کو دہلی لے گیا۔ دہلی پہنچنے کے بعد بادشاہ نے شیخ کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ جب آپ دربار میں پہنچے تو آپ کے صاحبزادے شیخ نورالدین آپ کے پیچھے پیچھے آئے۔ شیخ نورالدین اس وقت کم عمر تھے اور شاہی دربار کا رعب ودبدبہ دیکھ کر ذرا مرعوب ہو گئے۔ شیخ قطب الدین پر جب نور باطن سے ان کا حال منکشف ہوا تو آپ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: بابا نورالدین! العظمتہ للہ (عظمت اور کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے)۔ شیخ زادہ نورالدین بیان کرتے ہیں کہ آپ کی یہ بات سنتے ہی میں نے اپنے اندر ایک غیر مرئی قوت محسوس کی اور دربار شاہی کا رعب میرے دل سے بالکلیہ زائل ہو گیا اور دربار کے امراء مجھے بکریوں کی طرح نظر آنے لگے۔ جب شیخ قطب الدین بادشاہ کے سامنے پہنچے تو وہ فوراً آپ کی تعظیم کیلئے اٹھا اور مصافحہ کیلئے ہاتھ آگے بڑھایا۔ شیخ نے مصافحہ کرتے وقت بادشاہ کے ہاتھ کو زور سے پکڑا۔ سلطان نے ان سے کہا کہ میں آپ کے شہر میں پہنچا لیکن آپ نے اپنی ملاقات سے مشرف نہ فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے آپ کو بادشاہوں کی ملاقات کے لائق نہیں پاتا۔ میں ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا بادشاہ اور تمام مسلمانوں کیلئے دعا گوئی میں مشغول ہوں اس لیے مجھے معذور سمجھئے۔ یہ سن کر سلطان کا دل نرم پڑا۔ اس نے کہا کہ شیخ کا جو مقصد ہے پورا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا مقصود اور مطلوب ذات خداوند تعالیٰ اور اپنے آباؤ اجداد کا گنج اور اس کے بعد اپنے شیخ کی خدمت ہے۔ بعد میں سلطان

Marfat.com

محمد تغلق کہتا تھا کہ جتنے مشائخ سے میں نے مصافحہ کیا ہے، مصافحہ کے وقت ان مشائخ کے ہاتھ کانپتے تھے مگر شیخ قطب الدین کے ہاتھ میں مصافحہ کے وقت بالکل لرزش نہ تھی۔ بادشاہ نے فیروز شاہ اور خواجہ ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکے دے کر شیخ کی خدمت میں بھجوایا۔ جب یہ دونوں شیخ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے فرمایا نعوذ باللہ! یہ درویش ایک لاکھ تنکے قبول کرے۔ جب یہ دونوں سلطان کے پاس لوٹ کر آئے اور عرض کیا کہ شیخ اس رقم کو قبول نہیں کرتے۔ سلطان نے حکم دیا کہ اچھا پچاس ہزار تنکے انہیں دے آؤ۔ یہ دونوں لوٹ کر پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پھر بھی آپ نے قبول نہ فرمائے۔ سلطان نے کہا اگر شیخ نے یہ بھی قبول نہیں کیا تو دنیا مجھے کیا کہے گی۔ پھر بات دو ہزار تنکے تک پہنچی۔ شیخ نے مسکرا کر فرمایا سبحان اللہ! جس درویش کو دو سیر کھچڑی اور تھوڑا سا گھی کافی ہو وہ ان ہزاروں تنکوں کو لے کر کیا کرے گا۔ چنانچہ آپ نے مخلصین کی الحاح وزاری پر بڑی مشکل سے دو ہزار تنکے قبول فرمائے اور اس میں سے کچھ سلطان جی کے روضہ پر، کچھ حضرت قطب صاحب کے روضہ پر اور کچھ شیخ نصیر الدین محمود کی خدمت میں پیش کیے اور باقی لوگوں میں بانٹ دیئے۔ اس کے بعد آپ ہانسی روانہ ہو گئے۔[35]

مولانا وجیہ الدین پائلی:

آپ کی ولادت 638 ہجری میں ہوئی۔ علم و فضل، زہد و تقویٰ اور ترک و تجرید میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ابتدائی تعلیم مولانا ابوالقاسم تنوخی اور مولانا حمید الدین ضریر سے حاصل کی۔ آپ پائل کے رہنے والے تھے جو پنجاب میں سرہند سے پانچ فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آپ کے شاگردوں میں قاضی کمال الدین صدر جہاں اور علامہ سراج الدین عمر تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں پانی پت جا رہا تھا تو سفر کے دوران مجھے ایک صوفی ملے۔ میرے دل میں اس صوفی کے متعلق سوء اعتقادی پیدا ہوئی۔ اس کو بذریعہ کشف معلوم ہو گیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ مولانا آپ کو کچھ مشکل در پیش ہو تو بتائیں۔ مجھے کچھ علمی مشکلات کا حل مطلوب تھا چنانچہ میں نے اس صوفی کو ایک ایک کر کے تمام اشکالات بتلائے۔ اس نے ہر اشکال کا مدلل اور تشفی بخش جواب دیا۔ اس کے بعد اس صوفی نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کس کے مرید ہو۔ میں نے کہا کہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا۔ اس نے کہا کہ شیخ نظام الدین ہمارے قطب ہیں۔[36]

مولانا وجیہ الدین نے 729 ہجری میں وفات پائی۔ دہلی میں حوض شمسی پر مزار ہے۔

مولانا فخر الدین مروزی:

آپ کی ولادت 646 ہجری میں ہوئی۔ قرآن کریم کے حافظ اور زہد وتقویٰ سے آراستہ تھے۔ سلطان جی کے اولین مریدوں اور مصاحبوں میں سے تھے۔ آخر عمر میں حضرت کے پاس غیاث پور میں مقیم ہو گئے تھے۔ قرآن مجید کی کتابت کیا کرتے تھے اور لوگوں کے اختلاف سے دور رہا کرتے تھے۔ مردان غیب سے ان کی ملاقات تھی۔ جب وہ قرآن مجید کی کتابت مکمل کر لیتے تو لوگوں سے پوچھتے تھے کہ اس قرآن کا کیا ہدیہ ہوگا۔ لوگ کہتے چھ کانی۔ فرماتے کہ میں اس کا ہدیہ چار جتیل لوں گا اس سے زیادہ نہیں لوں گا۔ اگر کوئی کوئی شخص چار جتیل سے زیادہ دیتا تو نہ لیتے۔[37]
736 ہجری میں وفات پائی اور چبوترہ یاراں پر مدفون ہوئے۔

سراج الدین عثمان:

ابتدائے جوانی میں لکھنوتی (بنگال) سے آکر سلطان جی کے مرید ہوئے اور آپ کی نگرانی میں تربیت پائی۔ ہر سال کے اختتام پر اپنی والدہ کی زیارت کیلئے پابندی سے لکھنوتی جاتے تھے اور لوٹ کر سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہو جاتے تھے۔ انہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ تجرد میں گزارا۔ سلطان جی نے ان کو آئینہ ہند کا خطاب دیا تھا۔[38] جب سلطان جی اپنے اعلیٰ مریدوں کو خلافت عطا فرمانے لگے تو سراج الدین عثمان کی باری آئی۔ سلطان جی نے فرمایا کہ اس کام میں سب سے پہلے علم شرط ہے۔ یہ علم میں اس درجہ حصہ نہیں رکھتے جو اس کیلئے شرط ہے۔ جب سلطان جی کی یہ بات مولانا فخر الدین زرادی نے سنی تو انہوں نے فرمایا کہ میں ان کو چھ ماہ میں عالم بنا دوں گا۔ سراج الدین عثمان نے مولانا رکن الدین اندرپتی سے بھی تعلیم حاصل کی۔ جب وہ علم کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوئے تو سلطان جی کی خلافت سے سرفراز ہوئے۔ انہوں نے لکھنوتی روانہ ہونے سے پہلے سلطان جی کی خدمت میں رہ کر مزید تعلیم حاصل کی اور روانگی کے وقت سلطان جی کے کتب خانہ سے بعض معتبر کتابیں اپنے ساتھ لیتے گئے۔ لکھنوتی پہنچ کر انہوں نے رشد وہدایت کا بازار گرم کیا اور خلق خدا کو فیض پہنچایا۔ 758 ہجری میں وفات پائی۔ ان کے سب سے مشہور خلیفہ علاء الدین بن اسعد بنگالی ہوئے۔

امیر حسن سنجری:

امیر حسن سنجری قادر الکلام شاعر تھے۔ان کے اشعار میں شیخ سعدی کے کلام کی سی چاشنی ہے۔ان کے دیوان میں 809 غزلیں شامل ہیں۔ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ ازبسکہ غزلہائے وجدانی درغایت روانی گفتہ است کہ سعدی ہندوستان خطاب شدہ است (انہوں نے بہت سی وجدانی غزلیں کہی ہیں جن میں بہت زیادہ روانی ہے۔اس لیے ان کا خطاب سعدی ہندستان ہو گیا تھا)۔امیر خسرو نے بھی ان کی تعریف کی ہے:

خسروا شعر تو اسرار حدیث است مگر　　　از سخنہائے تو ام بوی حسن می آید

امیر حسن سنجری کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے سلطان جی کے ملفوظات فوائد الفواد کے نام سے جمع کیے۔ان ملفوظات نے بڑے قبولیت پائی۔امیر خسرو ان کی تعریف کرتے ہوئے بارہا فرماتے کہ کاش میری تمام کتابیں امیر حسن کی ہوتیں اور سلطان جی کے وہ ملفوظات جو انہوں نے جمع کیے ہیں میرے ہوتے تا کہ میں ان پر دنیا اور آخرت میں فخر کر سکتا۔امیر حسن نے تمام عمر مجرد گزاری۔آخر عمر میں دیو گیر گئے اور وہیں 736 میں وفات پائی۔

امیر خسرو:

امیر خسرو بظاہر شاہی دربار سے وابستہ تھے لیکن باطن میں درویشوں کے اوصاف سے متصف تھے۔انہیں سلطان جی سے بے انتہا محبت اور عقیدت تھی۔سلطان جی ان پر شفقت و محبت کی نظر رکھتے تھے۔امیر خسرو کا یہ معمول تھا کہ نماز عشاء کے بعد سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ہر قسم کی گفتگو سے آپ کا دل بہلاتے۔ایک دفعہ حضرت نے ان سے فرمایا کہ میں تمام دنیا سے تنگ آ جاتا ہوں یہاں تک کہ خود سے بھی مگر تم سے تنگ نہیں آتا۔اگر سلطان جی کے مریدوں میں سے کوئی آپ کی خدمت میں درخواست پیش کرنا چاہتا تو وہ امیر خسرو کو وسیلہ بناتا۔

امیر خسرو جو کتاب لکھتے پہلے اسے سلطان جی کی خدمت میں پیش کرتے۔سلطان جی اس کو ہاتھ میں لے کر فاتحہ پڑھتے۔ایک روز امیر خسرو نے سلطان جی کی مدح میں ایک قصیدہ کہا اور ان کی خدمت میں پیش کیا۔سلطان جی نے فرمایا کہ کیا چاہتے ہو۔انہوں نے عرض کیا کہ میں شیریں سخنی کا طالب ہوں۔سلطان جی نے فرمایا کہ وہ شکر کا طسلہ اٹھا کر لاؤ جو پلنگ کے نیچے رکھا ہوا

Marfat.com

ہے۔اس میں سے کچھ تم کھالو اور باقی لوگوں میں تقسیم کردو۔ چنانچہ امیر خسرو نے ایسا ہی کیا۔ آگے چل کر ان کی شیریں بیانی مشرق سے مغرب تک مشہور ہوگئی لیکن امیر خسرو اپنی اس درخواست پر ساری عمر پشیمان رہے کہ میں نے اس موقع پر اس سے بہتر چیز کیلئے سلطان جی سے کیوں نہ درخواست کی۔

جس وقت سلطان جی کا وصال ہوا امیر خسرو آپ کے پاس موجود نہ تھے۔آپ سلطان محمد تغلق کے ساتھ لکھنوتی گئے ہوئے تھے۔سفر سے لوٹنے کے بعد گریہ وزاری میں مشغول ہوئے۔ روتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ شیخ کے بعد اب میں زندہ نہ رہوں گا۔چنانچہ آپ کے وصال کے چھ ماہ بعد امیر خسرو نے انتقال کیا۔

باب:8

نظامی تعلیمات کی عصری معنویت

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی تعلیمات وملفوظات اعلیٰ ترین روحانی واخلاقی اقدار کے آئینہ دار ہیں۔ان کی تعلیمات بنیادی طور پر کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں۔اس لیے وہ انسانی فطرت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہیں۔ان کی معنویت ہر زمانہ اور ہر خطہ زمین کے لوگوں کیلئے یکساں ہے۔ اس باب میں ہم سلطان جی کی تعلیمات کی عصری معنویت کا قدرے تفصیل کے ساتھ جائزہ لیں گے۔معنویت کے چار پہلو، جو باہم مربوط ہیں، قابل ذکر ہیں: (1) آفاقی اور بین الاقوامی (2) قومی وملکی (3) ملی (4) نفسیاتی وطبی۔

آفاقی اور بین الاقوامی پہلو:

اس میں شک نہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی جو ترقیات ہمارے زمانہ میں ہوئی ہیں کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے ان کی مثال انسانی تاریخ میں ناپید ہے۔ذرائع نقل وحمل میں جو ترقیات ہوئی ہیں ان سے زمین کی طنابیں کھنچ گئی ہیں۔جدید مشینوں اور برقی آلات نے زندگی کی سختیوں سے راحت دلائی ہے اوعیش وآرام کے وسائل بہم پہنچائے ہیں۔رسل ورسائل اور ذرائع ابلاغ کی حیرت انگیز سہولتوں کی وجہ سے آج ہم ایک پل میں کرۂ ارض کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک رابطہ قائم کر سکتے ہیں اور پتہ چلا سکتے ہیں کہ فلاں ملک میں کیا ہو رہا ہے۔طبی ترقیات اور علاج ومعالجہ کی سہولتوں کی وجہ سے بہت سارے عوارض اور وبائی امراض کا انسداد ہوا ہے۔ معیار صحت بڑھا ہے اور بچوں کی شرح اموات میں خاصی کمی آئی ہے۔اس لحاظ سے شرح زندگی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ترقی یافتہ ممالک میں عیش وآرام کے سارے لوازمات اور وسائل وافر مقدار میں مہیا ہیں۔ظاہری اعتبار سے ہمارا عہد اور بالخصوص ترقی یافتہ مغربی ممالک مادی خوشحالی اور دنیوی راحت ومسرت کے بام عروج پر نظر آرہے ہیں لیکن نظر غائر سے دیکھا جائے تو اس

Marfat.com

سراب کے پیچھے ایک کربناک حقیت چھپی ہوئی ہے۔

مغربی معاشرہ خلفشار وانتشار کا شکار ہو چکا ہے۔ اخلاقی اور روحانی اقدار کی جڑیں جو معاشرہ کو توانا اور ہرا بھرا بناتی ہیں اب خشک ہوتی جارہی ہیں۔ گزشتہ پچاس برسوں میں مغربی ممالک صرف ایک مقصد کے حصول کیلئے کوشاں رہے ہیں اور وہ یہ کہ اس دنیا کو جنت اراضی بنایا جائے جس میں انسان کے ہر دکھ کا مداوا، ہر سکھ کے وسائل اور ہر نعمت کی گونا گوں صورتیں مہیا ہوں۔ اس مقصد کی برآری کیلئے تمام اخلاقی وروحانی قدروں کو بالائے طاق رکھ دیا گیا۔ تمام مذہبی اور سماجی قیود اور بندشوں کو غیر ضروری سمجھا گیا لیکن انسان اپنی فطرت اور قدرت کے قانون سے کب تک بغاوت کرسکتا ہے۔ انتہا پسندی اور افراط وتفریط کا راستہ انسان کو دیر یا سویر بربادی کی دلدل کی طرف لے جاتا ہے۔ آج مغربی معاشرہ مادیت، خدافراموشی اور اخلاقی بے راہ روی کے ہولناک نتائج سے دوچار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بصیرت افروز ارشاد ہے حبک الشئی یعمی ویصم (کسی چیز کے ساتھ بہت زیادہ لگاؤ آدمی کو اندھا اور بہرہ بنا دیتا ہے)۔ مغربی ممالک میں دنیوی مسرت اور تلذذ کیلئے دیوانہ وار کشاکش میں توازن کے زریں اصول کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ شہوانی جذبات کی برافروختگی اور جنسی بے راہ روی نے شادی بیاہ اور عائلی نظام کو منتشر کردیا ہے۔ آج بیشتر مغربی ممالک میں ہر تیسری شادی کا انجام علیحدگی اور طلاق ہوتا ہے۔ اس المیہ کے منفی اثرات سب سے زیادہ بچوں کی تعلیم وتربیت اور اخلاق پر پڑتے ہیں۔ نوجوانوں میں مجرمانہ رجحانات اور آوارگی کی بڑھتی ہوئی عادت حکومت، والدین اور ماہرین تعلیم کیلئے ازحد تشویش کا باعث ہیں۔ جنسی آزادی اور اباحیت نے ایک طرف ایڈز جیسے جان لیوا اور لاعلاج مرض کو جنم دیا ہے تو دوسری طرف لاتعداد بن بیاہی ماؤں کی شکل میں ایک سنگین مسئلہ کی صورت اختیار کرلی ہے۔ مغربی معاشرہ میں فرد اور انفرادیت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی گئی یہاں تک کہ اس کے ڈانڈے خودغرضی اور خود پرستی سے جاملے۔ عہد وسطیٰ میں کلیسا اور برادری افراد کو ایک دوسرے سے جوڑے رکھتے تھے۔ گزشتہ نصف صدی میں ان کا دائرہ اثر سمٹ کر رہ گیا ہے۔ عیسائیت میں پختہ ایمان رکھنے والوں اور کلیسا میں عبادت کرنے والوں کی تعداد گھٹتی جارہی ہے۔ جرمنی، فرانس اور انگلستان میں متعدد گرجے اور خانقاہیں دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ہاتھوں فروخت ہو چکی ہیں۔ شخصی مسائل اور بحرانی حالات سے نبرد آزما ہونے میں سماجی رشتوں اور اجتماعی عوامل کو بڑا دخل ہوتا ہے لیکن موجودہ حالات میں ان کی اہمیت برائے نام رہ گئی ہے۔ ان تمام اسباب کے نتیجہ میں ایک عام بے چینی، اضطراب، بے گانگی اور تنہائی کی فضا پروان چڑھی

Marfat.com

ہے۔ بکثرت افراد زندگی کی کشاکش سے یا تو عاجز آ چکے ہیں یا یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ یہ بھاگ دوڑ بے مقصد ہے۔ لاکھوں افراد اس اذیت ناک احساس کا شکار ہیں کہ ان کی زندگی معنویت اور اہمیت سے عاری ہے۔ اس احساس نے نفسیاتی عوارض کو بڑھاوا دیا ہے۔ متعدد افراد اس کربناک حقیقت کو بھلانے کیلئے اور اپنا غم غلط کرنے کیلئے راہ فرار اختیار کرتے ہیں اور شراب اور نشہ آور دواؤں کا سہارا لیتے ہیں لیکن یہ سہارا وقتی اور ناپائیدار ثابت ہوتا ہے۔

آج سے چند سال پہلے روس دنیا کی دو بڑی طاقتوں میں سے ایک تھا اور اپنے نظریاتی ودفاعی نظام کی برتری کے زعم میں سارے اقوام عالم کو اپنے زیرنگیں لانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اپنی مادی طاقت کے گھمنڈ میں انہوں نے مذہب سے اعراض کیا اور خدا تعالیٰ کے اصولوں کا مذاق اڑایا لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ چند ہی سالوں میں ان کی بساط الٹ گئی۔ 1993ء میں ہم نے خود اپنی آنکھوں سے کھاتے پیتے لوگوں کو ماسکو کی سڑکوں پر اپنی گھریلو چیز فروخت کرتے اور بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔ تلک الایام نداولها بین الناس[1] (ہم حکومت اور دولت کو لوگوں میں گردش دیتے رہتے ہیں)۔

عصر حاضر اور بالخصوص مغربی ممالک کی دکھی انسانیت کا مداوا اسلام کے فطری اصولوں اور اس کی انسانیت نوازی میں ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بیشتر مغربی ممالک بالخصوص جرمنی، فرانس، انگلستان اور امریکہ میں لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ ایک ممتاز نومسلم ادیب اور محقق پروفیسر ارونگ لکھتے ہیں کہ اسلامی نظریہ حیات کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ گزشتہ چودہ صدیوں میں اس نے کرہ ارض پر بسنے والی مختلف اقوام وملل کو متاثر کیا ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے۔[2] آج اسلام نہ صرف افریقہ وایشیاء میں تیزی سے پھیل رہا ہے بلکہ امریکہ اور یورپ بھی اس کی ضیاپاشیوں سے منور ہو رہے ہیں۔ جرمنی کے ایک نومسلم اہل قلم عمر شروڈ ٹر نے تخمینہ لگایا ہے کہ 1934ء اور 1984ء کے دوران یعنی نصف صدی کے عرصہ میں دنیا کی آبادی میں 136 فیصد اضافہ ہوا۔ اس عرصہ میں عیسائیوں کی تعداد میں 47 فیصد اضافہ ہوا۔ تمام مذاہب عالم کے مقابلے میں اسلام کے پیروکار آگے رہے۔ گزشتہ نصف صدی میں مسلمانوں کی تعداد 235 فیصد کے حساب سے بڑھی۔ عالمی عیسائی انسائیکلوپیڈیا کے مرتب ڈیوڈ بیرٹ نے تخمینہ لگایا ہے کہ مجموعی اعتبار سے عیسائیوں کی تعداد گھٹتی جا رہی ہے۔ اس صدی کے اوائل میں دنیا کی آبادی میں عیسائیوں کا تناسب 69 فیصد تھا۔ جو آج گھٹ کر 45 فیصد رہ گیا ہے۔ 2051ء تک ان کا تناسب 38 فیصد رہ جائے گا۔ اس کے برخلاف مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس

Marfat.com

اضافہ کا سب سے بڑا اور اہم سبب یہ ہے کہ مختلف مذاہب وملل کے لوگ تیزی سے اسلام کے دائرہ میں شامل ہو رہے ہیں۔ اس صدی کے اخیر تک یا اکیسویں صدی کے اوائل میں مسلمانوں کی تعداد عیسائیوں کی تعداد سے بڑھ جائے گی۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ عیسائیت اور اسلام کے مابین چھ صدیوں کا عرصہ حائل ہے۔

ہمارے زمانہ کی دکھی انسانیت کیلئے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی انسانیت نواز تعلیمات میں بڑی معنویت اور کشش موجود ہے۔ اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مغربی ممالک کے متعدد علمی اداروں اور یونیورسٹیوں میں تصوف کے بارے میں گہری دلچسپی پیدا ہوئی ہے۔ 1995ء میں راقم السطور کی ملاقات دہلی میں صوفیوں کے ایک ایسے گروہ سے ہوئی جس کے بیشتر افراد یورپی نسل کے تھے اور جو سلسلہ جراحیہ میں بیعت ہیں۔

قومی وملکی پہلو:

ہمارے ملک کا عصری منظرنامہ شاید اس سے پہلے اتنا مایوس کن کبھی نہیں تھا۔ بدعنوانی، رشوت ستانی اور اقربا پروی گویا ملک کا قومی کردار بن چکی ہے۔ سیاست اور معاشرے سے اخلاقی اور دینی قدریں بے دخل کی جا چکی ہیں۔ گزشتہ دو تین دہائیوں میں معاشی اور اقتصادی ترقی ضرور ہوئی ہے لیکن اس ترقی کا فائدہ زیادہ تر مالدار طبقہ، سیاستدانوں اور بڑے تاجروں کو ہوا ہے۔ ملک کی نصف سے زیادہ آبادی غربت کی سطح سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہے اور ناخواندگی، بیماری اور محرومی کا شکار ہے۔ سماج میں نفسانفسی اور مادیت پرستی بڑھتی جارہی ہے۔ مٹھی بھر برہمن اور دیگر اعلیٰ ذاتوں کے لوگ سیاست، تجارت، تعلیم اور معاشی وسائل پر اپنی اجارہ داری قائم کیے ہوئے ہیں۔ سماج کے نچلے طبقے ظلم اور استحصال کا شکار ہیں۔ ذات پات کا نظام ملک کے رگ وپے میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ ناانصافی اور ظلم وزیادتی اقلیتوں کا مقدر بن چکی ہے۔ دوسری طرف ہندوتوا نظریہ کی یورش ملک کے وفاقی نظام اور اس کے کثیر الجہتی کردار کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ ملک پر برہمنی نظریہ حیات اور تسلط لادنے کی سازش دن بدن جڑ پکڑتی جارہی ہے۔ رواداری اور باہمی امن وآشتی کا ماحول خطرے میں نظر آرہا ہے۔ ملک کی مشترکہ تہذیب کو جس کی آبیاری ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں نے اپنے خون سے کی ہے، ملیامیٹ کرنے کی سازش رچی جارہی ہے۔ جان بوجھ کر بے گانگی اور نفرت کے ماحول کو بڑھاوا دیا جارہا ہے۔

ملک کے اس عصری پس منظر میں سلطان جی کی تعلیمات کی معنویت اور بھی اجاگر ہوگئی

Marfat.com

ہے۔ سلطان جی کی غریب پروری، انسانیت نوازی، رواداری اور توسع اور محبت وشفقت کے پیغام کی ملک کو پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔ سلطان جی نے خلوص وشفقت کے ساتھ لوگوں کے دکھ درد سمجھے اور ان کے درد کا مداوا کرنے کی کوشش فرمائی۔ حضرت کی شفقت اور غریب پروری نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوؤں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو بھی اپنے احاطہ میں لیے ہوئے تھی۔ انہوں نے ہر خاص وعام کو امن وآشتی کا درس دیا اور اپنے کردار وعمل سے لوگوں کے دل جیتے۔ انہوں نے کھلے دل سے دوسروں کے عقائد اور ان کے رسم ورواج کو سمجھنے کی کوشش کی۔ حضرت کی رواداری اور توسع آج بھی ہندوستان کیلئے مشعل راہ ہے۔ ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کی تشکیل میں صوفیائے کرام کا جو قابل قدر حصہ ہے وہ ہمارا قومی ورثہ ہے۔ انہوں نے مشترکہ تہذیب کی آبیاری زبانی جمع خرچ اور نعرہ بازی سے نہیں بلکہ اپنے خلوص عمل، انسانیت نوازی اور شفقت ومرحمت سے کی۔ اس کا جیا جاگتا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ آج بھی صوفیائے کرام کے مزارات پر بڑی تعداد میں ہندو اور سکھ حاضری دیتے ہیں۔

ملی پہلو:

ہمارے وطن کی طرح ہمارا ملی منظر نامہ بھی ویسی ہی پراگندگی، انتشار اور خستگی کا شکار ہے۔ ضمیر فروشی، ملت فروشی اور ابن الوقتی مسلمان لیڈروں کا شیوہ بن چکی ہے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ نہ صرف عوام الناس سے کٹا ہوا ہے بلکہ اسلامی اصولوں اور تعلیمات سے بڑی حد تک بے گانہ ہے۔ مغربی علوم اور مغربی تہذیب سے مرعوبیت اس کی شناخت بن چکی ہے۔ طبقہ علماء میں اخلاص عمل، علمی وقار اور علمیت اب برائے نام رہ گئے ہیں۔ دینی مدارس کا حال دگرگوں ہے۔ بیشتر علماء لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں اور عصر حاضر کے تقاضوں سے بے بہرہ ہیں۔ طبقہ علماء کی گروہ بندیاں اور آپس کے اختلافات جگ ہنسائی کا باعث بن چکے ہیں۔ خانقاہوں میں سناٹا ہے اور وہاں پیری مریدی رسم ورواج بن کر رہ گئی ہے۔ عوام کی حالت ابتر ہے۔ وہ جہالت، اوہام پرستی اور تنگ نظری میں گرفتار ہیں۔

سلطان جی کی تعلیمات کی معنویت کے ملی پہلو کا جائزہ لینے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند دکھتی رگوں پر انگلی رکھی جائے جس سے ہم عموماً پہلو تہی کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم پہلے حدیث وآثار پیش کریں گے پھر متقدمین صوفیاء ومشائخ کے اقوال نقل کریں گے اور ان کی روشنی میں موجودہ حالات کا جائزہ لیں گے۔

Marfat.com

علماء اور زوال ملت:

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من الناس ولکن یقبض العلم بقبض العلماء فاذا الم یبق عالما اتخذ الناس روسا جھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔[3] (اللہ تعالیٰ علم کو اچانک نہیں اٹھالے گا بلکہ اس طرح اٹھائے گا کہ علماء کے اٹھ جانے کے بعد ان کی جگہ لینے والا نہیں رہے گا۔ چنانچہ لوگ جاہلوں کو امام بنالیں گے۔ ان سے فتویٰ پوچھیں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے)۔ حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے امت پر گمراہ کرنے والے اماموں کا اندیشہ ہے۔[4] حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قریب ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جب صرف اسلام کا نام رہ جائے گا اور قرآن کے صرف حروف رہ جائیں گے۔ مسلمانوں کی مسجدیں آباد ہوں گی اور حقیقت میں ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ ان میں سے فتنہ نکلے گا اور ان ہی میں لوٹ آئے گا۔[5] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانہ میں دنیا میں ایسے لوگ ہوں گے جو دین کے ذریعہ دنیا طلب کریں گے۔ لوگوں کو دکھانے اور نزاکت ظاہر کرنے کیلئے بھیڑ کے چمڑے پہنیں گے۔ ان کی زبانیں شہد سے زیادہ شیریں ہوں گی لیکن ان کے دل بھیڑیئے جیسے ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا وہ میرے (ڈھیل دینے کے) سبب دھوکہ میں ہیں یا میرے سامنے جرات کا اظہار کرتے ہیں۔ میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ ایسے لوگوں پر ایسا فتنہ بھیجوں گا جو ان کے ہوشیار اور علم والوں کو بھی متحیر کردے گا۔[6] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ بہت جلد ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اہل علم باقی نہ رہیں گے اور مذہبی قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلی جائے گی جو اپنی جہالت کی وجہ سے ہر معاملہ میں قیاس آرائی سے کام لیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تین چیزیں زمانہ کو ڈھادیں گی: عالم کی بربادی، منافق کا قرآن لے کر بحث کرنا اور گمراہ کرنے والے امام۔[7]

مذکورہ احادیث وآثار میں جن امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: (1) آخری زمانہ میں علماء اٹھتے جائیں گے اور جب ان کی جگہ پر کرنے والا کوئی نہ ہوگا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے۔ (2) طبقہ علماء میں گمراہ لوگ بھی ہوں گے جو فتنہ کا باعث ہوں گے۔ (3) طبقہ علماء میں سے

Marfat.com

کچھ لوگ علم کو دنیا طلبی کیلئے فروخت کریں گے۔ ان کے ظاہر و باطن میں فرق ہوگا۔ وہ گندم نما جو فروش ہوں گے۔ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندیشہ اور آپ کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ دوسری صدی ہجری سے لے کر آج تک طبقہ علماء میں دو گروہ ہوئے ہیں۔ ایک طرف علمائے حق تھے جو مرور ایام کے ساتھ بتدریج گھٹتے گئے۔ دوسری طرف علماء سو یا دنیادار علماء تھے جن کی تعداد بڑھتی گئی۔ تابعین کے زمانہ سے لے کر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے زمانہ تک علماء حق نے دنیادار اور ضمیر فروش علماء پر نکیر کی۔ حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا کہ پہلے زمانہ میں ایک عالم میں علم کی وجہ سے دنیا سے بے رغبتی بڑھتی تھی اور آج (یعنی تیسری صدی ہجری میں) علم کی وجہ سے دنیا کی محبت اور اس کی طلب میں اضافہ ہوتا ہے۔ پہلے آدمی علم سیکھنے کیلئے اپنا مال صرف کرتا تھا اور آج علم کے ذریعہ وہ اپنی دنیا کماتا ہے۔ پچھلے زمانہ میں اہل علم کے ظاہری و باطنی کمالات میں اضافہ ہوتا تھا اور آج بیشتر اہل علم میں ظاہر و باطن کا فساد نظر آتا ہے۔[8] امام غزالی احیاء العلوم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں: راہ کے راہبر تو علماء ہیں۔ پیغمبروں کے جانشین اور وارث ہیں لیکن زمانہ ان سے خالی ہو چکا ہے۔ اب تو صرف لکیروں کے پیٹنے والے فقیر ہی رہ گئے ہیں۔ جن میں سے اکثروں پر شیطان سوار ہے اور ان کی سرکشی نے سیدھی راہ سے انہیں بھٹکا دیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اسی موجودہ زندگی کی محبت میں سرشار ہے۔ دین کا علم مٹ گیا اور ہدایت کے میناروں کی روشنی بجھ گئی ہے۔ سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی نے اپنے زمانہ میں علماء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''اے وہ شخص جو علم کا دعویٰ کرتا ہے اور دنیاداروں سے دنیا کا طالب بنتا ہے اور ان کے سامنے عاجزی کرتا ہے۔ حق تعالیٰ نے تجھ کو علم دے کر گمراہ بنا دیا کہ تیرے علم کی برکت جاتی رہی۔ اس کا مغز جاتا رہا اور پوست رہ گیا۔ اے وہ شخص جو عبادت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا قلب مخلوق کی پرستش کرتا رہا اور ان ہی سے ڈرتا اور ان ہی سے توقع رکھتا ہے۔ تیری عبادت تو ظاہراً اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اور باطن میں مخلوق کیلئے۔ تیری ساری طلب اور تیری ساری فکر وہی درہم و دینار اور مال و اسباب ہے جو ان کے ہاتھوں میں ہے۔ تو ان کی تعریف و توصیف سننے کا آرزومند رہتا ہے اور ان کی مذمت اور بے رخی سے ڈرتا ہے۔ تو خائف ہے ان کے ہاتھ روک لینے سے اور امیدوار ہے ان کی بخشش کا۔ تو اکثر ان کے دروازوں پر پڑا

Marfat.com

رہتا ہے اور چاپلوسی کرتا ہے، نرم اور میٹھی باتیں بناتا رہتا ہے۔ تجھ پر افسوس ہے کہ تو مشرک ہے، منافق ہے، ریاکار ہے، بددین ہے اور زندیق ہے، تجھ پر افسوس ہے ملمع کاری کی بھڑک کس پر پیش کر رہا ہے؟ کیا اس ذات پر جو آنکھوں کی خیانت اور سینوں کے راز سے آگاہ ہے۔''[9]

اگر ہم اپنے زمانہ کے علماء وواعظین کے حالات وکوائف کا جائزہ لیں تو درج ذیل امور سامنے آتے ہیں:

(1) علم اور علماء کے اٹھائے جانے کے بارے میں حدیث وآثار میں جو پیشین گوئی وارد ہوئی ہے وہ روز روشن کی طرح ہمارے سامنے عیاں ہے۔ جو علماء علم وفضل کے حامل تھے اور جن کی ذات لوگوں کیلئے رشد وہدایت کا مینار تھی وہ یکے بعد دیگرے اٹھتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ پر کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ برصغیر ہندوستان نے گزشتہ زمانہ میں بڑے بڑے اہل کمال لوگ پیدا کیے۔ تفسیر، حدیث، لغت، سیرت، تاریخ، تصوف غرض علوم اسلامیہ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں ہندوستانی علماء وفاضلین نے اپنی مہارت ولیاقت کے انمٹ نقوش نہ چھوڑے ہوں۔ افسوس کہ زمانہ ان سے خالی ہوا جاتا ہے۔

(2) یہ ایک عجیب بات ہے کہ گزشتہ زمانہ میں جب کتابت وطباعت کی سہولتیں مہیا نہ تھیں اور کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں علمی ذوق لوگوں میں موجود تھا۔ آج جبکہ نشر واشاعت کی سہولتیں اور رسل ورسائل کے ذرائع بآسانی مہیا ہیں۔ علمی ذوق اسی تناسب سے گھٹ رہا ہے۔ میرے مشفق بزرگ حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی نوراللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ نشر واشاعت کی ترقی کے اس دور میں لوگوں کی علمی استعداد اور ذوق بجائے بڑھنے کے بتدریج گھٹتا جا رہا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ انسانی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ جو چیز آسانی سے اور بغیر کدوکاوش کے حاصل ہو جاتی ہے اس کی اہمیت کا کماحقہ احساس لوگوں میں نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف جو چیز جدوجہد اور تگ ودو کے بعد حاصل ہوتی ہے اس کی اہمیت کا احساس ہمیشہ دل میں قائم رہتا ہے۔ گزشتہ زمانہ میں نقل وحمل کے ذرائع مسدود اور محدود ہونے کے باوجود علم حاصل کرنے کیلئے لوگ دور دراز کا سفر کیا کرتے تھے۔ اساتذہ کی خدمت میں مہینوں رہ کر اور ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد علم کی دولت ہاتھ آتی تھی۔ کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں اور ان کی نقلیں حاصل کرنے کیلئے بڑی تگ ودو کرنی پڑتی تھی۔ علمی استعداد اور ذوق کی آبیاری

Marfat.com

میں کوشش وکاوش کا بہت بڑا حصہ ہے۔ آج کتابیں آسانی سے دستیاب ہوتی ہیں۔ مدارس بکثرت قائم ہوگئے ہیں لیکن اس تناسب سے علمی ذوق وتحقیق کا بازار سرد پڑتا جارہا ہے۔

(3) ہمارے زمانہ کے علماء وواعظین کی ایک بڑی جماعت اپنے تہذیبی ورثہ اور اپنی دینی واخلاقی ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال چکی ہے۔ سب سے بڑی آفت جو طبقہ علماء پر آن پڑی ہے وہ یہ ہے کہ بیشتر علماء وواعظین نے اپنے علم اور اپنے دینی مرتبہ کو دولت، عزت اور شہرت کے حصول کیلئے داؤ پر لگا دیا ہے۔ واعظین کی ایک بڑی جماعت نے وعظ وتقریر کو پیشہ بنالیا ہے۔ کلام میں لفاظی اور تکرار ان کی عادت بن چکی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے مبغوض ترین وہ بلیغ آدمی ہے جو اپنی زبان کے ساتھ کلام کی جگالی اس طرح کرتا ہے اور منہ میں کلام ادلتا بدلتا ہے جیسے کہ گائے گھاس کو منہ میں ادلتی بدلتی ہے۔[10] شیخ ابوطالب مکی فرماتے ہیں کہ اگر کلام پر رنگ آمیزی کر کے اسے علم سے مشابہ بنا دیا جائے تو یہ زخرف القول (ملمع والی فریب کی باتیں) ہوگا جس کو ایک جاہل سامع علم سمجھتا ہے۔[11] امام غزالی فرماتے ہیں: ایک گروہ ان علماء کا ہے جن کی ساری توجہ علم ووعظ پر مرکوز رہتی ہے اور اس میں لے دے کر ان کی کل کائنات یہ ہوتی ہے کہ ہر بات میں سجع کا اظہار، ہر جملہ میں نکتہ سنجی، ہر عبادت میں فضول اور مہمل اور بے معنی سخن طرازیاں کیا کرتے ہیں۔ کچھ ایسی عبارتیں یاد کر لیتے ہیں کہ لوگ سنیں اور سر دھنیں کیونکہ ان کا مقصد ہی اس فن خطابت سے ہوتا ہے کہ لوگ نعرے لگائیں اور داد تحسین دیں اور واہ واہ کے ڈونگرے برسائیں۔ اس گروہ میں اہل غرور کی کوئی کمی نہیں ہوتی۔[12] امام غزالی احیاء العلوم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں: میں نے دیکھا کہ غرض نے تمام عالم کو چھپا لیا ہے اور سعادت مندی کی راہیں بند ہوگئی ہیں۔ علماء جو دلیل راہ تھے زمانہ ان سے خالی ہوا جاتا ہے۔ جو رہ گئے وہ نام کے عالم ہیں جن کو ذاتی اغراض نے اپنا گرویدہ بنالیا ہے اور جنہوں نے تمام عالم کو یقین دلایا ہے کہ علم صرف تین چیزوں کا نام ہے: مناظرہ (جو فخر ومباہات کا ذریعہ ہے)، وعظ وتقریر (جس میں عوام کی دلفریبی کیلئے رنگین اور مسجع فقرے استعمال کیے جاتے ہیں) اور فتویٰ نویسی (جو مقدمات کے فیصل کرنے کا ذریعہ ہے)۔ باقی آخرت کا علم تو عالم سے ناپید ہوگیا ہے اور لوگ اس کو بھلا چکے ہیں۔ غور فرمائیں کہ یہ بات امام غزالی نے آج سے نو سو برس پہلے کہی تھی۔ آج کیا حال ہے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جن لوگوں نے ہمارے زمانہ کے علماء وواعظین کو قریب سے دیکھا ہے اور ان کی مجلس وعظ میں شرکت کی ہے انہیں اس آفت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

علماء واعظین جنہوں نے وعظ وتقریر کو پیشہ بنالیا ہے اور جو اسے مادی منفعت اور عزت

Marfat.com

وشہرت کیلئے استعمال کرتے ہیں ان کی خواہش ہوتی ہے کہ مجمع بڑے سے بڑا ہوتا کہ ان کو اپنی لفاظی اور سخن طرازی کے مظاہرہ کا موقع ملے۔ اس معاملہ میں اسلاف کا طریقہ بالکل مختلف تھا۔ عقبہ بن مسلم فرماتے ہیں کہ حدیث بیان کرنے کا مزہ ایک دو تین اور چار افراد کے ساتھ ہے اور جب لوگ اس سے زیادہ بڑھ جائیں تو خاموش رہو یا اٹھ جاؤ۔[13] حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ جب تک تیس ابدالوں نے مجھے وعظ ونصیحت کرنے کا حکم نہیں دیا اور یہ نہیں کہا کہ تو اس بات کا اہل ہے کہ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دے اس وقت تک میں نے لوگوں کو وعظ ونصیحت نہیں کی۔[14] اس کے بعد بھی حضرت جنید نے اپنے پیر ومرشد حضرت سری سقطی سے کہا کہ اگر ان کے وعظ میں چالیس سے زیادہ آدمی ہوئے تو وہ وعظ بند کر دیں گے۔

(4) ہمارے زمانہ کے علماء، مفتیان اور واعظین نے فروعی مسائل کو بحث ومناظرہ کا موضوع بنا لیا ہے اور اصولی اور بنیادی امور کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ دوسری صدی ہجری میں امام مالک نے اپنے زمانہ کے علماء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ جن معاملات میں سلف صالحین رخصت پر عمل کرتے تھے آج کل لوگوں نے شدت اختیار کر رکھی ہے۔ سلف صالحین نے جن امور میں شدت اختیار کی تھی ان میں آج رخصت نکالی جا رہی ہے۔ سلف کا طریقہ تھا کہ کاروبار کے معاملہ میں، حلال روزی تلاش کرنے اور دنیا میں زیادہ مصروفیت سے بچنے اور لایعنی کلام سے بچنے میں شدت کرتے۔ اسی طرح باطل امور، غیبت، چغلی اور ان باتوں کے سننے میں سختی سے پرہیز کرتے، بدظنی اور مبالغہ سے دور رہتے۔ اس لیے کہ مبالغہ میں کمی یا بیشی ہو جاتی ہے مگر آج کل لوگوں نے جھوٹ، کھیل، اہل باطل کی مجلسوں میں شرکت کرنے، خواہش اور تعصب کی راہوں پر چلنے اور دنیا کی حرص کرنے میں سہولت اختیار کر لی۔ حالانکہ سلف صالحین ان امور میں سختی سے پرہیز کرتے۔[15]

(5) آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت مسلمہ کے آپسی اختلاف وافتراق کے بارے میں جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ آج ہمارے سامنے ظاہر ہے۔ اس اختلاف وافتراق کی سب سے بڑی ذمہ داری طبقہ علماء پر عائد ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے مختلف گروہ افراط وتفریط، انتہا پسندی، شخصیت پرستی، ظاہر بینی اور فروعی اختلافات کا شکار ہیں۔ بعض لوگ ظاہری عبادات واعمال پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں اور عبادت کی روح یعنی اخلاص اور خشوع کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سلطان جی کا یہ ارشاد کہ عمل چاہے تھوڑا ہو مگر اس میں اخلاص ہونا چاہیے خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ بعض لوگ نشر واشاعت اور تبلیغ پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں اور تزکیہ نفس اور

اصلاح باطن کو کما حقہ اہمیت نہیں دیتے۔ایک گروہ بنیادی اور اصولی باتوں کو چھوڑ کر فروعی مسائل میں بحث ونزاع کا بازار گرم کیے ہوئے ہے اور تکفیر بازی کی سعی مذموم میں لگا ہوا ہے۔ایک گروہ خود تمام مسلکوں اور جماعتوں سے فائق تر اور اقرب الی الصواب سمجھتا ہے اور آئمہ اربعہ کی سماعی جمیلہ کا استخفاف کرتا ہے۔بعض علماء نے سیاست کی خار دار وادیوں میں قدم رکھنے کی کوشش کی ہے اور وزراء وحکام سے تقرب کے ذریعہ دنیوی دولت وشہرت حاصل کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

ہمارے زمانہ کے طبقہ علماء وواعظین کیلئے سلطان جی کی تعلیمات وارشادات میں بڑی معنویت موجود ہے۔سلطان جی فرماتے ہیں کہ نصیحت زبان قال سے نہیں بلکہ زبان حال سے موثر ہوتی ہے۔ہمارے واعظین کو ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچنا چاہیے کہ ان کے وعظ وتقریر کیوں بے اثر ہو کر رہ گئے ہیں۔سلطان جی نے علم کی آفتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ علم کو دنیوی دولت اور عزت کے حصول کیلئے نہیں بلکہ اصلاح باطن اور اخروی سعادت کیلئے حاصل کرنا چاہیے۔چشتی مشائخ کا یہ رویہ کہ سلاطین وحکام سے ربط ضبط نہ رکھا جائے اور اپنے اصولوں کا سودا نہ کیا جائے علماء ومشائخ کو آج بھی دعوت فکر دیتا ہے۔ہمارے زمانہ میں جن علماء نے وزراء وحکام سے تقرب حاصل کرنے کی کوشش کی اور اسے دنیوی منفعت کا ذریعہ بنایا ان کے دامن میں سوائے رسوائی کے اور کچھ نہیں آیا۔

گندم نما جو فروش صوفی:

ہم نے اس کتاب کے مقدمہ میں عرض کیا ہے کہ مرور ایام کے ساتھ صوفیاء کی جماعت میں کچھ بد باطن اور بناوٹی لوگ بھی شامل ہو گئے جنہوں نے بظاہر صوفیاء کا سا حلیہ بنایا اور ان کے رسوم اختیار کیے مگر تصوف کی اصل تعلیمات سے کوسوں دور رہے۔متقدمین مشائخ میں سے امام غزالی، سیدنا امام محی الدین عبدالقادر جیلانی، حضرت داتا گنج بخش اور شیخ شہاب الدین سہروردی اور متاخرین میں شاہ رفیع الدین دہلوی نے ایسے بناوٹی صوفیوں کی قلعی کھولی۔ہم پہلے ان بزرگوں کے ارشادات نقل کریں گے اور پھر ان کی روشنی میں ہمارے زمانہ کے مشائخ وصوفیہ اور ان کے خانقاہی نظام کا جائزہ پیش کریں گے۔اس کے بعد طبقہ مشائخ کیلئے سلطان جی کی تعلیمات کی معنویت کو اجاگر کریں گے۔

امام غزالی لکھتے ہیں:

Marfat.com

''ایک طبقہ صوفیاء کا ہے۔ غرور و پندار کی جو کثرت اور فراوانی اس طبقہ میں ہوتی ہے اتنی کسی اور میں نہیں ہوتی کیونکہ راستہ جس قدر تنگ اور باریک ہو اور مقصد جس قدر عزیز و عظیم ہو اسی قدر شک وشبہ اور دھوکا بڑھ جاتا ہے۔ راہ تصوف کی اولین منزل میں ہی مشتاق منزل کا تین درجوں پر قادر ہونا لازمی ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کا نفس اس کا غلام اور اسیر ہونا چاہیے جس میں خواہش اور غصہ کی جڑ ہی اکھیڑ دی گئی ہو...... اسی طرح ایک صوفی کا سینہ جو نفس کا قلعہ ہوتا ہے سلطان شریعت کے ہاتھوں فتح ہو جانا چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ یہ جہاں اور وہ جہاں دونوں اس کے سامنے گم ہو جانے چاہئیں جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عالم محسوسات اور عالم خیالات سے آگے گزر گیا ہو...... تیسرے یہ کہ صوفی ہمہ تن جلال الٰہی اور جمال خداوندی کے درمیان گھرا ہوا ہو۔ یہ ہے راہ تصوف کی ایک ابتدائی جھلک۔ اب اس سے قیاس کر لیجیے اور نگاہ دوڑائیے تو صاف نظر آ جائے گا کہ ان (نام نہاد صوفیوں) کا پندار اور غرور انہیں کہاں سے کہاں لیے پھرتا ہے۔ بیچارے محض مصلیٰ اور گدڑی میں کھو کر رہ گئے ہیں اور بے معنی کلمات اور سخن سنجی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ کر سکے اور ان ہی پر اکتفا کر لیا۔ صوفیوں کا لباس، وضع قطع اور ظاہری سیرت اختیار کرنے میں تو کامیاب ہو گئے اور ان کی طرح مصلیٰ پر بھی بیٹھ گئے اور سر ہلا ہلا کر گویا وجد و حال کی کیفیت بھی طاری کر لی (لیکن تصوف کی اصل روح سے دور رہے) بلکہ ان کا سر ہلانا اور جھومنا بھی دراصل ان وسوسوں اور باطل خیالات کے سبب ہوتا ہے جو ہر وقت ان کے قلب و ذہن پر چھائے رہتے ہیں اور وہ ہیں کہ اسی پر نازاں دکھائی دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تصوف تو یہی ہے اور راہ سلوک اگر ہے تو اسی کا نام ہے۔''[16]

شاہ رفیع الدین دہلوی نے اپنے رسالہ بیعت میں بیعت کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں:

(1) بیعت معیشت: اس قسم کی بیعت کا مقصد دنیوی مال و دولت کا حصول اور دنیوی اغراض کی برآری ہوتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس قسم کی پیری مریدی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

(2) بیعت وسیلت: بعض لوگ اس نیت سے بیعت کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام اور اولیاء کو جن

Marfat.com

بشارتوں سے سرفراز کیا گیا ہے ان سے استفادہ کا ان کو موقع مل سکے۔

(3) بیعت شریعت: ایک عام مسلمان آدمی جس کی زندگی غفلت اور نافرمانیوں میں گزری ہو وہ زندگی کے کسی مرحلہ پر توبہ کرتا ہے۔ اس وقت اس کا جی چاہتا ہے کہ اس کی زندگی کا باقی ماندہ حصہ پرہیزگاری اور عبادت میں گزرے۔ اس نیت سے وہ کسی کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے۔

(4) بیعت طریقت: بلند ارادے اور ہمت والے بعض لوگ اولیاء اللہ کی بزرگی اور عظمت کے قصے سنتے ہیں۔ ان کے دل میں یہ شوق پیدا ہوتا ہے کہ ان کمالات کو حاصل کیا جائے لہٰذا وہ کسی کامل شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ شیخ کی طرف سے جن مجاہدات کا حکم دیا جاتا ہے ان پر عمل کرتے ہیں اور اس طرح مرتبہ کمال کو پہنچتے ہیں۔

(5) بیعت حقیقت: بعض افراد ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی روحوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت و عشق کا خمیر ہوتا ہے۔ وہ اس بات کے مشتاق ہوتے ہیں کہ اللہ کے اور ان کے درمیان جو حجابات ہیں سب ہٹ جائیں اور حق تعالیٰ کا دوام حضور ان کو حاصل ہو۔ اپنے وجود کے ساتھ قیام کا خیال ان کے اندر سے نکل جاتا ہے۔ تہ دل سے چاہتے ہیں کہ خدا ہی کے وجود کے ساتھ ان کی بقا وابستہ ہو جائے۔ ایسے لوگوں کی تربیت کیلئے اللہ تعالیٰ اس راہ کے ارباب کمال میں سے کسی صاحب کمال کو مقرر فرما دیتے ہیں۔[17]

ہم اپنے زمانہ کے صوفیاء و مشائخ اور خانقاہی نظام پر ایک نظر ڈالیں تو ہمیں یہ افسوسناک صورتحال دکھائی دے گی۔

1- راہ سلوک میں پہلی شرط علم ہے۔ ہمارے زمانہ کے صوفیاء و مشائخ میں بالعموم علوم ظاہری و باطنی کا فقدان ہے۔ خانقاہوں میں بے بنیاد روایتوں، قصوں اور حکایتوں کا چرچا ہے۔

2- بیشتر خانقاہوں میں صرف رسوم رہ گئی ہیں، تصوف کی اصل روح ختم ہو چکی ہے۔ صوفیاء و مشائخ اپنی روحانی و اخلاقی میراث سے ناواقف نظر آتے ہیں۔ گزشتہ زمانہ میں خانقاہیں اقدار عالیہ کی نگہداشت، اصلاح باطن اور تعمیر سیرت اور کردار کا فعال مرکز ہوا کرتی تھیں۔ آج سجادہ نشین اور مجاور محض لکیر کے فقیر بنے ہوئے بیٹھے ہیں اور اپنے اسلاف کے مقابر کو محض روزی روٹی کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔

3- شریعت اور طریقت دونوں لازم و ملزوم ہیں لیکن فی زمانہ طریقت کی آڑ میں خلاف شرع حرکتوں کا ارتکاب جاری ہے۔ حضرت جنید بغدادی ایک شخص سے معرفت کے بارے میں تذکرہ فرما رہے تھے۔ اس شخص نے کہا کہ اہل تقویٰ اور عارف باللہ تو زہد و تقویٰ کو ترک کر کے اللہ تک پہنچ

Marfat.com

جاتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت جنید نے فرمایا کہ یہ ایک بڑی بلا ہے۔[18] شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ اگر ہم یہ دیکھیں کہ کوئی شخص شرعی حدود میں سستی کر رہا ہے، فرض نماز کو چھوڑے ہوئے ہے اور دوسرے فرائض کی ادائیگی سے بھی غفلت برت رہا ہے، تلاوت اور نماز روزہ کی حلاوت کو بھی وہ خاطر میں نہیں لاتا اور حرام ومکروہات میں مبتلا ہے تو ہم ایسے شخص کو رد کریں گے اور قبول نہیں کریں گے اور نہ ہمارے نزدیک اس کا یہ دعویٰ قابل قبول ہوگا کہ اس کا باطن نیک اور درست ہے۔

4- پیری مریدی آج صرف ایک رسم بن کر رہ گئی ہے۔ بیشتر صورتوں میں پیری مریدی اس قسم کی بیعت کے زمرہ میں شامل ہے جسے شاہ رفیع الدین نے بیعت معیشت کا نام دیا ہے۔ اس معاملہ میں دنیوی اغراض ومصالح دخیل ہو گئے ہیں۔ خلافت دینے میں علم، زہد وتقویٰ اور اخلاص وللّٰہیت جیسی ضروری شرائط نظر انداز کر دی جاتی ہیں۔

5- چشتی مشائخ نے سماع کی اجازت شرائط وقیود کے ساتھ دی ہے۔ سلطان جی نے مزامیر اور دیگر آلات موسیقی کے ساتھ سماع سننے کو حرام اور ناجائز قرار دیا۔ آج خانقاہوں اور درگاہوں میں دھڑلے کے ساتھ آلات سماع کے ساتھ قوالی ہوتی ہے جس میں مشائخ اور سجادہ نشین بھی شریک ہوتے ہیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ اب (یعنی چھٹی صدی ہجری میں) دلی رغبت کے حصول کیلئے سماع کے اجتماع منعقد نہیں ہوتے جیسا کہ مخلص درویشوں کا طریقہ تھا۔ اب تو محض نفسانی خواہشات کی تحریک اور سیر تماشے کیلئے ایسے اجتماعات ہوتے ہیں جس کے نتیجہ میں مریدوں کی روحانی ترقی منقطع ہو گئی ہے اور اب اس طریقے سے سوائے تضیع اوقات کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پس ایسا اجتماع اور ایسی محفل سماع ارباب صدق وصفا کی نظر میں ناجائز ومردود ہے۔

سلطان جی کی تعلیمات وملفوظات اور ان کی سیرت وکردار ایک آئینہ کی طرح ہیں جس میں ہمارے زمانہ کے مشائخ وصوفیاء کو اپنے خدوخال نظر آسکتے ہیں۔

جدید تعلیم یافتہ طبقہ:

ہندوستانی مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ تین قسم کی آفتوں کا شکار ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنے دینی وتہذیبی ورثہ سے محض سرسری واقفیت رکھتا ہے اور دین ومذہب سے اس کا لگاؤ محض واجبی سا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ مغربی علوم اور مغربی تہذیب سے حد درجہ مرعوب ہے اور احساس کمتری کا شکار

Marfat.com

ہے۔ تیسرا یہ کہ وہ عجب اور خود بینی میں مبتلا ہے اور اس بنا پر وہ عوام الناس کے ساتھ ربط ضبط نہیں رکھتا بلکہ ان سے کٹا ہوا ہے۔ سلطان جی کی تعلیمات اور ان کی سیرت و کردار میں جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور مسلمان لیڈروں کیلئے قابل قدر نمونہ اور سبق موجود ہے۔ چشتی بزرگوں نے غریب اور مفلوک الحال لوگوں کی بستیوں میں اپنی خانقاہیں قائم کیں۔ ان کی بولی ٹھولی میں ان سے گفتگو کی۔ ان کے سکھ دکھ میں ساتھ رہے اور ان کی روزمرہ کی زندگی کا قریب سے مشاہدہ کیا۔ اس طرح انہوں نے زمانہ کی نبض پر اپنی انگلی رکھی۔ شیخ نصیر الدین محمود کا واقعہ ہم پچھلے صفحات میں نقل کر آئے ہیں۔ انہوں نے اپنے پیر و مرشد خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے اجازت چاہی کہ وہ تنہائی میں رہ کر یکسوئی سے حق تعالیٰ کی عبادت کریں تو سلطان جی نے ان سے فرمایا کہ تمہیں خلق میں رہنا ہوگا اور ان کی جفا و قفا برداشت کرنی ہوگی اور اس کے بدلہ میں جود و عطا سے کام لینا ہوگا۔ عوامی خدمت کا کام ایثار چاہتا ہے۔ صبر و استقامت اور پامردی اس کیلئے شرط اول ہے۔ مختصر یہ کہ تعلیم یافتہ طبقہ کیلئے سلطان جی کی تعلیمات میں بڑی معنویت موجود ہے۔

نفسیاتی وطبی پہلو:

انسانی فطرت کی ساخت اس نوعیت کی ہے کہ اسے الگ الگ خانوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اسے کلی اور ہمہ جہتی انداز ہی میں سمجھا جا سکتا ہے۔ انسانی فطرت کے نفسیاتی اور طبی پہلو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور پیوستہ ہیں۔ صوفیاء کرام نے انسانی نفسیات اور شخصیت و کردار کی اصلاح کیلئے دو اخلاقی اصول وضع کیے ہیں۔ سلطان جی نے تخلیہ اور تحلیہ کے الفاظ سے ان کی تعبیر کی ہے۔ انسانی فطرت میں متناقض قسم کی صفات اور خصائص پائے جاتے ہیں۔ تخلیہ یہ ہی کہ نفس انسانی کو برے اخلاق مثلاً کینہ، حسد، غیبت، تکبر، بدگوئی اور بغض سے پاک کیا جائے اور ان رذائل اخلاق کی اصلاح کی جائے۔ تحلیہ یہ ہے کہ نفس انسانی کو اخلاق ذمیمہ سے پاک و صاف کرنے کے بعد اسے اخلاق حسنہ سے سنوارا جائے۔ بے نفسی، عفو و درگزر، صبر و رضا، سخاوت اور انکسار و تواضع جیسے اخلاق انسان کی سیرت و شخصیت کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔

اخلاق ذمیمہ سے انسان کی شخصیت اور مزاج پر منفی اور ضرر رساں اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ شخصیت کی نشو و نما اور پختگی متاثر ہوتی ہے۔ آپسی تعلقات پر منفی اثرات پڑتے ہیں اور عائلی زندگی کا سکون برباد ہو جاتا ہے۔ مزید برآں اخلاق ذمیمہ کئی نفسیاتی اور اعصابی عوارض کا سرچشمہ ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً غصہ ور آدمی کے خون کا دباؤ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے خون کی نالیاں سکڑ

Marfat.com

جاتی ہیں۔ نبض کی رفتار بڑھ جاتی ہیں اور ایسے کیمیائی عوامل میں تیزی آ جاتی ہے جو صحت کیلئے مضر ہیں۔ ان سب کے نتیجہ میں دل کا دورہ پڑنے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ متعدد عوارض کا تعلق زندگی کی کشاکش اور جذباتی دباؤ سے ہے۔ قلبی عوارض، ذیابیطس اور متعدد اعصابی امراض کا تعلق نہ صرف حیاتیاتی نظام سے ہے بلکہ مزاج، عادت اور رہن سہن کے طریقہ سے ہے۔ جدید طبی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ جس آدمی کی شخصیت اور مزاج میں غصہ، کینہ، حسد اور دوسروں کے ساتھ مسابقت کا جذبہ غالب ہوتا ہے اس میں امراض قلب میں مبتلا ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف طمانیت، قناعت، ضبط وتحمل، خوش خلقی اور انکساری جیسے اخلاق حسنہ نہ صرف انسان کی شخصیت کو دلکش بناتے ہیں بلکہ اسے متعدد اعصابی عوارض سے بھی محفوظ رکھتے ہیں۔

سلطان جی کی تعلیمات میں نہ صرف اخلاقی اور معاشرتی فوائد مضمر ہیں بلکہ وہ طبی وصحی معنویت بھی لیے ہوئے ہیں۔ تمام صوفیاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ کم کھانا بے شمار جسمانی، اخلاقی اور روحانی فوائد رکھتا ہے۔ جدید طبی تحقیقات نے کم کھانے کی افادیت پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ زیادہ اور مرغن کھانے کھانا فربہی کا باعث ہوتا ہے جو مختلف بیماریوں کو جنم دیتا ہے۔ جدید تحقیقات سے اس بات کی بھی توثیق ہوتی ہے کہ دعا، ذکر اور مراقبہ جسمانی ونفسیاتی صحت کی بحالی میں مثبت کردار ادا کرتے ہیں۔ متوازن طرز زندگی کیلئے اسلام نے جو اصول وضع کیے ہیں ان کی طبی افادیت پر دنیا کے مختلف علمی وسائنسی اداروں میں تحقیقات ہو رہی ہیں اور اب تک جو نتائج سامنے آئے ہیں ان سے اسلامی نظریہ حیات کی حقانیت روشن تر ہو کر سامنے آئی ہے۔

ضمیمہ

سلطان جی کی سیرت کے بنیادی ماخذ

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے کئی مریدوں نے آپ کے ملفوظات جمع کیے تھے۔ افسوس کہ یہ کتابیں حوادث زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ خواجہ محمد بن مولانا بدرالدین اسحاق نے ملفوظات کا ایک مجموعہ انوار المجالس کے نام سے ترتیب دیا تھا۔ حضرت بابا صاحب کے نواسہ شیخ عزیز الدین نے تحفتہ الابرار و کرامتہ الاخیار کے نام سے حضرت کے ملفوظات جمع کیے تھے۔ عبدالعزیز بن خواجہ ابوبکر نے مجموع الفوائد کے نام سے ایک مجموعہ ترتیب دیا تھا۔ ان کے علاوہ شمس الدین دھاری نے بھی ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

فوائد الفواد:

امیر حسن سنجری نے سلطان جی کے ملفوظات جمع کیے اور اس کا نام فوائد الفواد رکھا۔ فوائد الفواد میں شعبان 707 ہجری سے لے کر شعبان 722 ہجری تک 188 مجالس کے ملفوظات جمع ہیں۔ یہ پندرہ برس کے عرصہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ استناد کا جو درجہ اور قبول عام کی جو سند فوائد الفواد کو حاصل ہوئی وہ کسی اور مجموعہ ملفوظات کو نہیں ہوئی۔ سلطان جی نے خود اس کتاب کو ملاحظہ فرمایا اور بعض مقامات پر تصحیح کی۔ امیر خسرو اس کتاب پر رشک کیا کرتے اور کہا کرتے: اے کاش تشریف قبول نسخہ فوائد الفواد بمن منسوب گشتی و تمام تصانیف من بخواجہ حسن بودی۔[1]

فوائد الفواد کا سب سے قدیم قلمی نسخہ جو 1161 ہجری کا لکھا ہوا ہے کتب خانہ سالار جنگ میوزیم میں ہے۔ دیگر قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد، نیشنل میوزیم نئی دہلی، کتب خانہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو اور مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں پائے جاتے ہیں۔ فوائد الفواد کا فارسی متن 1865ء میں دہلی سے اور 1908ء میں مطبع نول کشور لکھنو سے شائع ہوا۔ اس کے متعدد اردو تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔[2] ممتاز امریکی محقق بروس لارنس نے فوائد الفواد کا انگریزی

Marfat.com

ترجمہ کیا ہے جو شائع ہو چکا ہے۔ پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی مرحوم کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

فوائد الفواد کا ایک مستند متن لطیف ملک نے مرتب کیا ہے۔ یہ متن فوائد الفواد کے تین قدیم مطبوعہ نسخوں کے موازنہ ومقابلہ کے بعد مرتب کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ متن بھی پوری طرح صحیح اور مکمل نہیں ہے لیکن تمام مطبوعہ متون سے بہتر ہے۔[3]

سیر الاولیاء:

سیر الاولیاء سید محمد بن مبارک علوی کرمانی متوفی 770 ہجری کی تالیف ہے۔ مشائخ چشت اور بالخصوص خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے حالات پر یہ سب سے مستند کتاب ہے۔ اس کتاب کا قدیم ترین نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانہ میں ہے اور 1040 ہجری کا نوشتہ ہے۔[4] دوسرے قلمی نسخے انڈیا آفس لندن (1093 ہجری)، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد (1277 ہجری)، برٹش میوزیم (1850ء) اور مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں موجود ہیں۔

1150 ہجری میں سیر الاولیاء کا ایک مخطوطہ سید عبداللہ بن سید خیر اللہ کو ملا جو سلطان جی کے خاندان سے تھے۔ اس مخطوطہ کی کتابت سید محمد حسن بن سید فضل اللہ نے کی تھی لیکن یہ نسخہ ان کے کتب خانہ سے گم ہو گیا۔ ایک مدت کے بعد سید عبداللہ کو بازار سے ایک اور مخطوطہ ملا۔ انہوں نے اس نسخہ کو شیخ نور محمد سے صاف کرایا جو خوش نویس بھی تھے اور فارسی نظم ونثر پر گہری نظر رکھتے تھے۔ سید عبداللہ کی ملاقات سلطان جی کے ایک معتقد حبیب اللہ سے ہوئی۔ ان دونوں نے یہ طے کیا کہ فوائد الفواد کے مختلف نسخے جمع کیے جائیں اور ان کا مقابلہ وتصحیح کرنے کے بعد کتاب کا ایک مستند متن تیار کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے مختلف شہروں سے فوائد الفواد کے نو نسخے جمع کیے۔ 27 سال کے بعد 1217 ہجری میں شیخ بدر الاسلام فخری نظامی نے حضرت کلیم اللہ جہاں آبادی کے پوتے میاں جان محمد کی فرمائش پر اس نسخہ کی نقل تیار کی۔ یہ نقل دہلی کے منشی چرنجی لال کو دستیاب ہوئی۔ اس پر مولانا فخر الدین نظامی کے دستخط تھے۔ منشی چرنجی لال نے نہایت اہتمام سے اسے 1885ء میں طبع کرایا۔ یہ سیر الاولیاء کا پہلا مطبوعہ نسخہ ہے۔ اس کی عکسی نقل مرکز تحقیقات فارسی، ایران وپاکستان لاہور کی جانب سے 1978ء میں شائع ہوئی۔[5] سیر الاولیاء کا اردو ترجمہ مولانا اعجاز الحق قدوسی نے کیا جو مرکزی اردو بورڈ لاہور کے زیر اہتمام 1980ء میں شائع ہوا۔

خیر المجالس:

خیر المجالس سلطان جی کے مرید وخلیفہ شیخ نصیر الدین محمود کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے حمید قلندر نے مرتب کیا۔ اس کتاب میں سلطان جی کی سیرت وتعلیمات سے متعلق قابل قدر مواد موجود ہے۔ اس کا مکمل نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں ہے۔ اس کتاب کا ذکر سید محمد گیسودراز نے جوامع الکلم میں، جمالی نے سیر العارفین میں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں اور عبدالرحمٰن چشتی نے مراۃ الاسرار میں کیا ہے۔ خیر المجالس کا مستند فارسی متن پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ترتیب دیا جو علی گڑھ سے شائع ہوا ہے۔[6] خیر المجالس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

سیر العارفین:

سیر العارفین شیخ جمال دہلوی (متوفی 942ھ) کی تصنیف ہے۔ فارسی متن 1311 ہجری میں مکتبہ رضوی دہلی سے شائع ہوا۔ 1901ء میں اس کا اردو ترجمہ غلام احمد سنبھلی نے کیا جو مراد آباد سے شائع ہوا۔ ڈاکٹر محمد ایوب قادری مرحوم نے اس کا اردو ترجمہ مفید حواشی اور مبسوط مقدمہ کے ساتھ کیا جو مرکزی اردو بورڈ لاہور کی طرف سے 1976ء میں شائع ہوا۔

مراۃ الاسرار:

مراۃ الاسرار عبدالرحمٰن چشتی (متوفی 1094 ہجری) کی تصنیف ہے۔ یہ مشائخ چشت کا مستند تذکرہ ہے۔ اس کا قلمی نسخہ مسلم احمد نظامی صاحب کے پاس ہے۔ کتاب کا اردو ترجمہ لاہور سے شائع ہو چکا ہے لیکن فارسی متن ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔

جوامع الکلم:

جوامع الکلم سید محمد گیسودراز (متوفی 825 ہجری) کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اسے سید محمد اکبر حسینی نے ترتیب دیا۔ 1356ھ میں کانپور سے شائع ہوا۔ اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ سلطان جی کی سیرت مبارکہ سے متعلق بعض واقعات جو اس کتاب میں منقول ہیں دوسرے ماخذ میں نہیں ملتے۔

Marfat.com

اخبار الاخیار:

اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی 1052ھ) کی تصنیف ہے۔ مستند معلومات سے پر ہے۔

درد نظامی:

علی بن محمود جاندار کی تالیف ہے اور سیرت نظامی کے قدیم ماخذ میں سے ہے۔ اس کے زیادہ تر مندرجات فوائد الفواد اور سیر الالیاء سے ماخوذ ہیں۔ اس کا قلمی نسخہ کتاب خانہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں ہے۔ اردو ترجمہ پیرزادہ محمد یاسین نظامی نے کیا ہے۔ فارسی متن غیر مطبوعہ ہے۔

مندرجہ بالا بنیادی ماخذ کے علاوہ ان کتابوں میں بھی سلطان جی کی سیرت وکمالات سے متعلق معلومات ملتی ہیں۔

1- نفائس الانفاس (ملفوظات برہان الدین غریب مرتبہ حماد کاشانی) قلمی نسخہ دار العلوم ندوۃ لکھنو۔ جناب مسلم احمد صاحب نظامی نے راقم السطور کی درخواست پر اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ راقم کے مبسوط مقدمہ کے ساتھ انشاء اللہ مستقل قریب میں شائع ہوگا۔

2- احسن الاقوال (ملفوظات مولانا برہان الدین غریب مرتبہ حماد بن عماد کاشانی) اردو ترجمہ اورنگ آباد سے شائع ہو چکا ہے۔

3- قوام العقائد (مرتبہ محمد جمال قوام نبیرہ شمس العارفین) اردو ترجمہ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے کیا ہے جو شائع ہو چکا ہے۔ امیر خسرو نے سلطان جی کے ملفوظات کا مجموعہ افضل الفوائد کے نام سے مرتب کیا تھا۔ اس کے استناد کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے۔[7]

Marfat.com

حوالہ جات

مقدمہ

1- ابونصر سراج طوسی: کتاب اللمع فی التصوف (اردو ترجمہ) صفحہ 44
2- صحیح مسلم (کتاب الایمان)
3- صحیح بخاری (کتاب الرقائق)
4- صحیح بخاری (کتاب الانبیاء)
5- امام ابوالقاسم قشیری: رسالہ قشیریہ (اردو ترجمہ) صفحہ 121-122، کشف المحجوب 72,57
6- شیخ شہاب الدین سہرودی (عوارف المعارف) (اردو ترجمہ) صفحہ 205
7- امام ابوبکر کلاباذی: التعرف (اردو ترجمہ) صفحہ 37-39، ابونصر سراج: کتاب اللمع صفحہ 53-60، شیخ شہاب الدین سہروردی: عوارف المعارف صفحہ 200-203، سید علی ہجویری: کشف المحجوب اردو ترجمہ) صفحہ 23-126
8- امام ابوالقاسم قشیری: رسالہ قشیریہ صفحہ 194
9- امام ابوبکر کلاباذی: التعرف صفحہ 44
10- امام ابوالقاسم قشیری: الرسائل القشیریہ صفحہ 52
11- امام ابوبکر کلاباذی: التعرف صفحہ 43
12- شیخ شہاب الدین سہروردی: عوارف المعارف صفحہ 188
13- امام محمد بن محمد غزالی: المنقذ من الضلال (اردو ترجمہ) صفحہ 72-73
14- امام ابوبکر کلاباذی: کتاب اللمع صفحہ 39
15- امام ابوالقاسم قشیری: رسالہ قشیریہ صفحہ 129-130
16- ابوعبدالرحمٰن السلمی: طبقات الصوفیہ صفحہ 145-146، امام ابوالقاسم قشیری: رسالہ قشیریہ صفحہ 156

17- رسالہ قشیریہ صفحہ 105-106

18- رسالہ قشیریہ صفحہ 831

19- ابوطالب مکی: قوت القلوب جلد اول (اردو ترجمہ) صفحہ 623، ابوعبدالرحمٰن السلمی: طبقات الصوفیہ صفحہ 70، خواجہ فریدالدین عطار: تذکرۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) صفحہ 135-136، عبدالرحمٰن جامی: نفحات الانس صفحہ 188

20- رسالہ قشیریہ صفحہ 150

21- رسالہ قشیریہ صفحہ 169

22- رسالہ قشیریہ صفحہ 172

23- رسالہ قشیریہ صفحہ 174

24- امام ابوالقاسم قشیری: رسالہ قشیریہ صفحہ 196

25- رسالہ قشیریہ صفحہ 196

26- عوارف المعارف صفحہ 19، رسالہ قشیریہ صفحہ 553

27- ابوعبدالرحمٰن السلمی: طبقات الصوفیہ 203

28- طبقات الصوفیہ صفحہ 207، سید علی ہجویری: کشف المحجوب صفحہ 206

29- رسالہ قشیریہ صفحہ 159

30- رسالہ قشیریہ صفحہ 160

31- طبقات الصوفیہ صفحہ 244

32- عبدالرحمٰن جامی: نفحات الانس (اردو ترجمہ) صفحہ 211

33- سید علی ہجویری: کشف المحجوب صفحہ 208

34- نفحات الانس صفحہ 215

35- نفحات الانس صفحہ 517

36- ابوعبدالرحمٰن سلمی: طبقات الصوفیہ صفحہ 52

37- امام ابوالقاسم قشیری: رسالہ قشیریہ صفحہ 31

38- طبقات الصوفیہ صفحہ 262

39- ابونصر سراج: کتاب اللمع صفحہ 24-25

40- امام ابوبکر کلاباذی: التعرف صفحہ، رسالہ قشیریہ صفحہ 235

Marfat.com

41- صحیح بخاری (کتاب الرقائق)

42- ابنِ ماجہ (ابواب الفتن)، دارمی (کتاب الرقائق)

43- امام محمد بن محمد غزالی: احیاء علوم الدین (الجزء الثانی) صفحہ 241

44- التعرف (اردو ترجمہ) صفحہ 24

45- اردو ترجمہ دائرہ معارف اسلامیہ جلد 17، صفحہ 224-227

46- ابو عبدالرحمٰن اسلمی: طبقات الصوفیہ صفحہ 282، سید علی ہجویری: کشف المحجوب (فارسی) صفحہ 42

47- امام ابوبکر کلابازی: التعرف صفحہ 35

48- امام ابوالقاسم قشیری: رسالہ قشیری صفحہ 106-107

49- شیخ شہاب الدین سہروردی: عوارف المعارف صفحہ 219

50- محمد زکریا سہارنپوری: شریعت وطریقت کا تلازم صفحہ 150

51- شرف الدین نووی: ریاض الصالحین

52- ترمذی (ابواب القلم)

53- مولانا مناظر احسن گیلانی: اسلامی معاشیات صفحہ 38-40

54- شاہ ولی اللہ دہلوی: ازالتہ الخفاء عن خلافتہ الخلفاء (فارسی متن مع اردو ترجمہ) صفحہ 225-260 جلد سوم

55- امام ابوطالب مکی: قوت القلوب جلد اول صفحہ 334

56- مولانا مناظر احسن گیلانی: مقالات احسانی صفحہ 199، (بحوالہ شاہ ولی اللہ دہلوی: تفہیمات الٰہیہ جلد اول صفحہ 86)

57- حمید قلندر: خیر المجالس (فارسی) صفحہ 70

باب 1

1- اعجاز الحق قدوسی: تذکرہ صوفیائے سندھ صفحہ 36

2- امیر خورد: سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) صفحہ 118,117

3- عبدالرحمٰن چشتی مراۃ الاسرار (اردو ترجمہ) جلد اول صفحہ 346-365

4- الہدیہ بن شیخ عبدالرحیم: سیر الاقطاب (اردو ترجمہ) صفحہ 85

5- سیر الاقطاب صفحہ 85-86

6- سیر الاولیاء صفحہ 125-127

7- مراۃ الاسرار صفحہ 547 جلد اول

8- مراۃ الاسرار صفحہ 36 جلد دوم، حامد بن فضل اللہ جمالی: سیر العارفین (اردو ترجمہ) صفحہ 6

9- سیر العارفین صفحہ 1-2

10- سیر الاولیاء صفحہ 127-131، شیخ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار (اردو ترجمہ) صفحہ 56

11- سیر الاولیاء صفحہ 139-140

12- سیر العارفین صفحہ 29-30، مراۃ الاسرار، صفحہ 129-130

13- امیر حسن سنجری: فوائد الفواد صفحہ 185، سیر الاولیاء صفحہ 135، سیر العارفین صفحہ 25-26، مراۃ الاسرار جلد دوم صفحہ 126-127

14- سیر الاولیاء صفحہ 141-142، سیر العارفین صفحہ 39-41

15- خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت صفحہ 209

16- مراۃ الاسرار صفحہ 118، جلد دوم

17- جمالی: سیر العارفین صفحہ 15-16

18- سیر الاولیاء صفحہ 281، فوائد الفواد (اردو ترجمہ) صفحہ 877، سیر العارفین صفحہ 15

19- سیر الاولیاء صفحہ 282

20- مراۃ الاسرار جلد دوم صفحہ 120

21- سرور الصدور کا قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہے

22- سیر الاولیاء صفحہ 287

23- سیر الاولیاء صفحہ 290

24- سیر الاولیاء صفحہ 281

25- سیر الاقطاب صفحہ 151

26- فوائد الفواد صفحہ 265

27- سیر الاولیاء صفحہ 150

28- سیر الاولیاء

29- سیر الاولیاء صفحہ 165

30- حمید قلندر: خیر المجالس (اردو ترجمہ) صفحہ 82، سیر العارفین صفحہ 25، اخبار الاخیار صفحہ 117

31- فوائدالفواد صفحہ 435
32- فوائدالفواد صفحہ 357
33- سیرالعارفین صفحہ 63
34- فوائدالفواد صفحہ 527، سیرالاولیاء صفحہ 176، سیرالعارفین صفحہ 64
35- فوائدالفواد صفحہ 681، سیرالاولیاء صفحہ 175
36- فوائدالفواد صفحہ 869، سیرالاولیاء صفحہ 188
37- سیرالاولیاء صفحہ 168
38- سیرالاولیاء صفحہ 170
39- سیرالاولیاء صفحہ 171
40- فوائدالفواد صفحہ 953
41- فوائدالفواد صفحہ 639
42- امام ابوالقاسم قشیریؒ: رسالہ قشیریہ (اردو ترجمہ) صفحہ 200، شیخ علی ہجویری: کشف المحجوب (اردو ترجمہ) صفحہ 256-257
43- عبداللہ بن مبارک: کتاب الزہد والرقائق صفحہ 40-41
44- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 42
45- رسالہ قشیریہ صفحہ 126، صفحہ 313
46- رسالہ قشیریہ صفحہ 137
47- عبدالرحمٰن السلمی: طبقات الصوفیہ صفحہ 214
48- رسالہ قشیریہ صفحہ 293
49- اخبارالاخیار صفحہ 57
50- سیرالاولیاء صفحہ 170
51- سیرالاولیاء صفحہ 164
52- فریدالدین عطار: تذکرۃ الاولیاء صفحہ 107
53- حضرت عمر ایک دفعہ ایک قوم کے پاس سے گزرے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو تو انہوں نے کہا کہ المتکلون یعنی توکل والے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ متاکلون ہو یعنی کھانے والے۔ متوکل صرف وہ شخص ہے جو زمین کے پیٹ میں دانہ ڈالدے اور اپنے

Marfat.com

پروردگار پر توکل کرے (ازالتہ الخفاء جلد دوم صفحہ 308)
54- فوائد الفواد صفحہ 617، سیر الاولیاء صفحہ 295، سیر العارفین 134، اخبار الاخیار صفحہ 136
55- سیر الاولیاء صفحہ 174-175
56- فوائد الفواد صفحہ 416، سیر الاولیاء صفحہ 150، سیر العارفین صفحہ 139-141
57- سیر العارفین صفحہ 135-136، خیر المجالس (فارسی) صفحہ 75
58- سیر الاولیاء صفحہ 311
59- فوائد الفواد
60- سیر الاولیاء صفحہ 314
61- سیر الاولیاء صفحہ 363
62- سیر الاولیاء صفحہ 311
63- سیر الاولیاء صفحہ 316-317
64- شاہ ولی اللہ دہلوی: الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ صفحہ 94
65- حماد کاشانی: احسن الاقوال (اردو ترجمہ) صفحہ 55

باب 2

1- اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد 7 صفحہ 698-724
2- فوائد الفواد صفحہ 971، سیر الاولیاء صفحہ 176
3- سیر الاولیاء صفحہ 223
4- خلیق احمد نظامی: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات صفحہ 182
5- ضیاء الدین برنی: تاریخ فیروز شاہی (اردو ترجمہ) صفحہ 218
6- خیر المجالس (فارسی) صفحہ 240
7- سیر الاولیاء صفحہ 434-435
8- تاریخ فیروز شاہی صفحہ 249-250
9- ابن عبدالبر: جامع بیان العلم وفضلہ (باب الرحلتہ فی طلب العلم) صفحہ 121-125، سنن دارمی (باب الرحلتہ فی طلب العلم)
10- ابوطالب مکی: قوت القلوب جلد دوم صفحہ 707، امام غزالی: کیمیائے سعادت (اردو ترجمہ)

Marfat.com

صفحہ 457

Merkentile Law in Pak

11- فوائدالفواد صفحہ 587

12- سیرالاولیاء صفحہ 196

13- عبدالرحمٰن جامی: نفحات الانس (اردو ترجمہ) صفحہ 753، مراۃ الاسرار جلد دوم صفحہ 219

14- فوائدالفواد صفحہ 709

15- سیرالاولیاء صفحہ 766

16- اخبارالاخیار صفحہ 105-106

17- خیرالمجالس (فارسی) صفحہ 190، اخبارالاخیار صفحہ 171

18- سیرالاولیاء صفحہ 198

19- خیرالمجالس صفحہ 191، اخبارالاخیار صفحہ 168

20- خیرالمجالس صفحہ 191، اخبارالاخیار صفحہ 167-168، سیرالعارفین صفحہ 111

21- فوائدالفواد صفحہ 743-745

22- فوائدالفواد صفحہ 899

23- فوائدالفواد صفحہ 883-885

24- فوائدالفواد صفحہ 887

25- فوائدالفواد صفحہ 415، اخبارالاخیار صفحہ 172، سیرالعارفین صفحہ 81

26- سیرالاولیاء صفحہ 206

27- فوائدالفواد صفحہ 277، اخبارالاخیار صفحہ 136

بعض سلف سے مروی ہے کہ علماء کا حشر انبیاء کے زمرہ میں ہوگا اور قاضیوں کا سلاطین کے زمرہ میں (امام غزالی: احیاء العلوم جلد اول صفحہ 54) امام ابوحنیفہ اور کئی سرکردہ علماء نے قضا کا عہدہ قبول نہیں فرمایا۔ اسماعیل بن اسحاق قاضی علمائے دنیا میں سے تھے اور قاضیوں کے سردار تھے۔ ان کا حضرت ابوالحسن بن ابوالدرداء سے بھائی چارہ تھا جو اہل معرفت میں سے تھے۔ جب اسماعیل قاضی بنے تو ابوالدرداء نے قاضی اسماعیل کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا: اے اسماعیل! جس علم نے تجھے اس جگہ بٹھایا ہے اس سے جہالت بہتر تھی۔ اسماعیل سمجھ گئے اور چہرہ پر چادر رکھ کر اس قدر روئے کہ ان کی ڈاڑھی بھیگ گئی (قوت القلوب جلد اول صفحہ 590)۔

Marfat.com

امام ابوحنیفہ اپنے تلامذہ کی مجلس میں فرماتے: جو قاضی بنایا گیا سمجھ لینا چاہیے کہ وہ سمندر میں ڈوبا۔ اگر کوئی تیرنا بھی جانتا ہو تو سمندر میں کب تک تیرتا رہے گا اور ہاتھ پاؤں مارتا رہے گا۔ حفص بن عبدالرحمٰن امام ابوحنیفہ کے شریک تجارت تھے۔ نیشاپور کی قضا کا عہدہ اختیار کیا تھا لیکن آخر میں پچھتائے اور مستعفی ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔

28- فوائدالفواد صفحہ 325، سیرالاولیاءؒ صفحہ 221

29- سیرالاولیاء صفحہ 248

30- سیرالاولیاء صفحہ 204-205

31- سیراولیاء صفحہ 215، اخبارالاخیار صفحہ 125

32- سیرالاولیاء صفحہ 213، اخبارالاخیار صفحہ 124

33- ابوالقاسم قشیری: رسالہ قشیریہ صفحہ 181

34- شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف صفحہ 394-395

35- کشف المحجوب فارسی) صفحہ 51-52

36- فوائدالفواد صفحہ 327-329

37- سیرالاولیاء صفحہ 520، فوائدالفواد صفحہ 663-665

38- فوائدالفواد صفحہ 271-273، اخبارالاخیار صفحہ 155-156

39- فوائدالفواد صفحہ 477-479

40- نفحات الانس (اردو ترجمہ) صفحہ 215

41- ابوعبدالرحمٰن السلمی: طبقات الصوفیہ صفحہ 119

42- سیرالاولیاء (قلمی نسخہ کلکتہ) صفحہ 254-255، فارسی چرنجی لال صفحہ 240، اخبارالاخیار صفحہ 177-178

43- حماد بن عماد کاشانی: احسن الاقوال (اردو ترجمہ) صفحہ 31

44- سیرالاولیاء (اردو) صفحہ 237

45- سیرالعارفین صفحہ 83-84

46- سیرالاولیاء صفحہ 232-233

47- سیرالاولیاء صفحہ 540، اخبارالاخیار صفحہ 135

48- سیرالاولیاء صفحہ 540

49- سیر الاولیاء صفحہ 92

50- شیخ ابونصر سراج فرماتے ہیں کہ صوفیاء کرام کی کچھ خصوصیات ہیں جن میں وہ باقی لوگوں سے منفرد ہیں۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جب فرائض کی ادائیگی اور افعال ممنوعہ سے اجتناب کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی اپنے سے غیر متعلق چیزوں کو علیحدہ کر دیتے ہیں اور ہر اس تعلق کو ختم کر دیتے ہیں جو ان کے اور ان کے مطلوب ومقصود یعنی اللہ تعالیٰ کے درمیان حائل ہو اور ان کا مقصود ومطلوب فقط اللہ ہی ہے (کتاب اللمع صفحہ 38-39)۔ حضرت معروف کرخی سے پوچھا گیا کہ اولیاء اللہ کی نشانیاں کیا ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کی تین نشانیاں ہیں۔ هموهم بالله وشغلهم فيه وفرارهم اليه (ان کی ساری توجہ اور دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے۔ وہ اسی میں مشغول رہتے ہیں اور اسی کی طرف فرار اختیار کرتے ہیں) طبقات الصوفیہ صفحہ 79۔

51- سیر الاولیاء صفحہ 236، فوائد الفواد صفحہ 867-869، سیر العارفین صفحہ 115، اخبار الاخیار صفحہ 127

52- قوت القلوب جلد اول صفحہ 592

53- فوائد الفواد صفحہ 543-547، محمد عبدالحی لکھنوی: الفوائد البہیہ صفحہ 63-64

ZUBAID AHMAD:THE CONTRIBUTION M.G.

OF INDO-PAKISTAN TO ARABIC LITERATURE'...48-49, 291

54- سیر الاولیاء صفحہ 213

55- سیر الاولیاء صفحہ 212-213

56- سیر العارفین صفحہ 88

57- سیر الاولیاء صفحہ 224

58- بعض مشائخ کا بیان ہے کہ جب انہیں فاقہ کا سامنا کرنا پڑتا تو فرماتے مرحبا یہ صلحاء کا شعار ہے۔

59- سیر الاولیاء صفحہ 225

60- سیر الاولیاء صفحہ 273-274

61- فوائد الفواد (فارسی) صفحہ 76

62- سیر الاولیاء صفحہ 265

Marfat.com

63- سیر الاولیاء صفحہ 226

64- سیر الاولیاء صفحہ 220-221، سیر العارفین صفحہ 88-89، اخبار الاخیار صفحہ 126، مراۃ الاسرار جلد دوم صفحہ 226، قوام العقائد (اردو ترجمہ) صفحہ 29

باب 3

1- سیر الاولیاء صفحہ 242-243

2- سیر الاولیاء صفحہ 689

3- سیر الاولیاء صفحہ 245

4- سیر الاولیاء صفحہ 238-239

5- سیر الاولیاء صفحہ 243

6- ترمذی (ابواب الادب)، ابن ماجہ (ابواب الادب) الادب المفرد صفحہ 126

7- امام غزالی: احیاء علوم الدین جلد ثانی صفحہ 237

8- سیر الاولیاء صفحہ 752

9- فوائد الفواد صفحہ 401

10- سیر الاولیاء صفحہ 794

11- سیر الاولیاء صفحہ 776-778

12- سیر الاولیاء صفحہ 522

13- ایک صوفی نے گلی میں پودینہ بیچنے والے ایک شخص کو یہ آواز لگاتے ہوئے سنا یا سعتر ابری (جنگلی پودینہ) وہ صوفی غش کھا کر گر پڑا جب ہوش میں آیا تو پوچھا گیا کہ غشی کا کیا سبب تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے پودینہ بیچنے والے کی آواز کو یوں سنا کہ جیسے وہ کہہ رہا ہو اسع تری بری (کوشش کرو گے تو میرے احسان کو پالو گے) اس حکایت کے پیش نظر بیشتر مشائخ نے وضاحت کی ہے کہ سماع کا ہر سامع پر اس کے وقت، حال اور کیفیت کے مطابق اثر ہوتا ہے (ابونصر سراج: کتاب اللمع صفحہ 480)

ایک بار کھیرے بیچنے والا شخص یہ آواز لگا رہا تھا الخیار عشرہ بدانق (کھیرے لکڑی دمڑی میں دس لے لو)۔ حضرت شبلی نے یہ سنا تو ایک چیخ ماری۔ انہیں لگا کہ ہاتف غیبی کی

طرف سے کہا جارہا ہے کہ خیار یعنی نیک لوگ دمڑی میں دس کے شمار میں ہیں۔انہوں نے فرمایا کہ جب نیک لوگ دمڑی میں دس ہیں تو بروں کا کیا حال ہوگا۔(رسالہ قشیریہ صفحہ 612 نفحات الانس صفحہ 389-390)

14- شیخ شہاب الدین سہروردی:عوارف المعارف صفحہ 246-255
15- عوارف المعارف صفحہ 305-306
16- سیر الاولیاء صفحہ 247
17- سیر الاولیاء صفحہ 227
18- سیر الاولیاء صفحہ 246
19- سیر الاولیاء صفحہ 260-261،اخبار الاخیار صفحہ 128
20- فوائد الفواد صفحہ 525-527
21- سیر الاولیاء صفحہ 247
22- خیر المجالس صفحہ 270،سیر العارفین صفحہ 100-101
23- کشف المحجوب (فارسی) صفحہ 41
24- فوائد الفواد (فارسی) صفحہ 80-81
25- فوائد الفواد (اردو ترجمہ) صفحہ 705،سیر الاولیاء صفحہ 842
26- فوائد الفواد صفحہ 1039
27- خیر المجالس (فارسی) صفحہ 105
28- سیر الاولیاء صفحہ 631،خیر المجالس (فارسی) صفحہ 104-105
29- جوامع الکلم (اردو ترجمہ) صفحہ 226
30- جوامع الکلم صفحہ 226
31- محمد جمال قوام:قوام العقائد (اردو ترجمہ) صفحہ 101-102
32- جوامع الکلم صفحہ 225
33- خیر المجالس (فارسی) صفحہ 203،سیر العارفین صفحہ 114
34- سیر الاولیاء صفحہ 734-737
35- نفحات الانس صفحہ 152

36- فوائد الفواد صفحہ 699

37- سیر الاولیاء صفحہ 348-349

38- فوائد الفواد صفحہ 487

39- سیر الاولیاء صفحہ 451

40- سیر الاولیاء صفحہ 478-479، اخبار الاخیار صفحہ 235

41- صحیح بخاری (کتاب الرقائق)

42- ابو عبد الرحمٰن السلمی: طبقات الصوفیہ صفحہ 76

43- قوت القلوب جلد اول صفحہ 500

44- رسالہ قشیریہ صفحہ 162، نفحات الانس صفحہ 262

45- قوت القلوب جلد اول صفحہ 377

46- قوت القلوب جلد اول صفحہ 378

47- قوت القلوب جلد اول صفحہ 534-535

48- عوارف المعارف صفحہ 170

49- عوارف المعارف صفحہ 574

50- عوارف العمارف صفحہ 241-242

51- سیر الاولیاء صفحہ 383

52- سیر الاولیاء صفحہ 695

53- سیر الاولیاء صفحہ 382-383

54- سیر الاولیاء (قلمی نسخہ ایشیاتک) صفحہ 283، چرنجی لال صفحہ 262

55- سیر الاولیاء صفحہ 346

56- سیر الاولیاء صفحہ 459-461

57- نفائس الانفاس (قلمی) مجلس 22

58- فوائد الفواد صفحہ 777-779

59- سیر الاولیاء صفحہ 869

60- حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت اپنی دو لڑکیوں کے ساتھ ان کے پاس آئی اور سوال

Marfat.com

کیا۔ حضرت عائشہؓ کے پاس اس وقت ایک چھوہارے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ آپ نے وہ چھوہارہ اس کو دے دیا۔ اس نے چھوہارے کے دو حصے کیے اور اپنی دونوں لڑکیوں کو دے دیا اور خود کچھ نہیں کھایا پھر اٹھی اور اپنی لڑکیوں کو لے کر چلی گئی۔ اتنے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ حضرت عائشہؓ نے اس عورت کا واقعہ آپؐ سے بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو اپنی بیٹیوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں مبتلا ہو اس کیلئے یہ دوزخ سے پردہ ثابت ہوں گی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی تین بیٹیاں یا بہنیں ہوں، ان کو اس نے پالا پوسا اور اچھی طرح پرورش کی اور ان کے ساتھ شفقت ومرحمت کا سلوک کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلتہ والادب)، ترمذی (ابواب البر والاحسان)، مصنف (عبدالرزاق، الجزالعاشر صفحہ 459)

61- حافظ شمس الدین ذہبی: تذکرۃ الحفاظ (اردو ترجمہ) جلد اول صفحہ 174

62- ابن الجوزی: منہاج القاصدین (اردو ترجمہ) جلد اول صفحہ 44

63- منہاج القاصدین صفحہ 216-217

64- منہاج القاصدین صفحہ 218، جامع بیان العلم وفضلہ صفحہ 228-229

65- خواجہ فریدالدین عطار: تذکرۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) صفحہ 130

66- الہدیہ چشتی: روضتہ الاقطاب صفحہ 86

67- سیرالاولیاء صفحہ 138

68- ضیاءالدین برنی: تاریخ فیروز شاہی (اردو ترجمہ) صفحہ 320

69- فوائدالفواد صفحہ 527، 679، 681، سیرالاولیاء صفحہ 400

70- فوائدالفواد صفحہ 971، سیرالاولیاء صفحہ 176

71- تاریخ فیروز شاہی صفحہ 219-220

72- تاریخ فیروز شاہی صفحہ 570

73- تاریخ فیروز شاہی صفحہ 95-96

74- سیرالاولیاء صفحہ 252

75- سیرالاولیاء صفحہ 251، اخبارالاخیار صفحہ 129

76- تاریخ فیروز شاہی صفحہ 571-572

77- سیر الاولیاء صفحہ 272، سیر العارفین صفحہ 101-104

78- سیر الاولیاء صفحہ 83-85

79- سیر العارفین 120-121

80- سیر الاولیاء صفحہ 801-806

81- سیر العارفین صفحہ 120-121

82- تاریخ فیروز شاہی صفحہ 500-506

83- سیر الاولیاء صفحہ 542-543

84- سیر الاولیاء صفحہ 277

85- سیر الاولیاء صفحہ 274-275، اخبار الاخیار صفحہ 131

86- سیر الاولیاء صفحہ 259

باب 4

1- فوائد الفواد صفحہ 473

2- فوائد الفود صفحہ 209

3- صحیح بخاری (کتاب الرقائق) ترمذی (ابواب الزہد)

4- ترمذی (ابواب الزہد)

5- ابن ماجہ (ابواب الزہد)

6- ترمذی (ابواب الزہد)

7- ترمذی (ابواب الزہد)

8- ابن ماجہ (ابواب الزہد)

9- بخاری (کتاب الرقائق) ترمذی (ابواب الزہد)

10- ابن ماجہ (ابواب الزہد)

11- بخاری (کتاب الرقائق) ترمذی (ابواب الزہد) ابن ماجہ (ابواب الفتن)

12- ترمذی (ابواب الزہد) ابن ماجہ (ابواب الفتن)

13- ترمذی (ابواب القیامتہ والرقائق)

Marfat.com

14- امام عبداللہ بن مبارک: کتاب الزہد والرقائق صفحہ 106-107، امام غزالی: المنقذ من الضلال (اردو ترجمہ) صفحہ 22

15- رسالہ قشیریہ صفحہ 268

16- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 103

17- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 173

18- ابوعبداللہ یافعی: روض الریاحین (اردو ترجمہ) صفحہ 700

19- مولانا مناظر احسن گیلانی: مقالات احسانی صفحہ 208-209

20- قوت القلوب جلد اول صفحہ 928، طبقات الصوفیہ صفحہ 12-13، رسالہ قشیریہ صفحہ 282

21- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 96

22- طبقات الصوفیہ صفحہ 180

23- طبقات الصوفیہ صفحہ 72-73

24- امام رضی الدین حسن صغانی: مشارق الانوار صفحہ 554 بحوالہ صحیح مسلم، صحیح بخاری (کتاب الایمان)

25- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 393

26- رسالہ قشیریہ صفحہ 281

27- سیر الاولیاء صفحہ 825

28- فوائد الفواد صفحہ 633۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بہت سی دنیا کی طرح کی چیزیں دنیا نہیں ہیں یعنی بہت سی چیزیں جو بظاہر دنیا معلوم ہوتی ہیں اگر دینی جذبہ سے ہوں تو وہ دنیا نہیں ہیں (کتاب الزہد والرقائق صفحہ 4)

29- فوائد الفواد فارسی صفحہ 12-13، سیر الاولیاء صفحہ 826

30- فوائد الفود صفحہ 821

31- سیر الاولیاء صفحہ 685

32- فوائد الفواد صفحہ 861

33- خیر المجالس (فارسی) صفحہ 68

34- سیر الاولیاء صفحہ 689

35- ترمذی (ابواب الزہد)

36- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 47

37- قوت القلوب جلد دوم صفحہ 848

38- تذکرۃ الاولیاء صفحہ 156

39- رسالہ قشیریہ صفحہ 259-260

40- تذکرۃ الاولیاء صفحہ 25

41- مولانا مناظر احسن گیلانی: مقالات احسانی صفحہ 37-46

42- رسالہ قشیریہ صفحہ 258

43- نفحات الانس صفحہ 538

44- عوارف المارف صفحہ 304-305

45- ترمذی (ابواب القیامتہ والرقائق)، کتاب الزہد والرقائق صفحہ 56

46- رسالہ قشیریہ صفحہ 330

47- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 90

48- بخاری (کتاب الرقائق)، دارمی (کتاب الرقائق)

49- عوارف المعارف صفحہ 420

50- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 86

51- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 266

52- قوت القلوب جلد اول صفحہ 311

53- طبقات الصوفیہ صفحہ 81، رسالہ قشیریہ صفحہ 147

54- طبقات الصوفیہ صفحہ 73، رسالہ قشیریہ صفحہ 145

55- رسالہ قشیریہ صفحہ 253

56- آداب المریدین (اردو ترجمہ) صفحہ 47

57- کشف المحجوب صفحہ 219

58- تذکرۃ الاولیاء صفحہ 148

59- تذکرۃ الاولیاء صفحہ 78

60- فوائدالفواد صفحہ 217

61- فوائدالفواد صفحہ 613، سیر الاولیاء صفحہ 842-843

62- رسالہ قشیریہ صفحہ 239-240، احیاء علوم الدین جلد ثالث صفحہ 3-4

63- رسالہ قشیریہ صفحہ 240، آداب المریدین صفہ 57

64- عوارف المعارف صفحہ 255

65- صحیح بخاری (کتاب الرقائق) ابن ماجہ (ابواب الفتن)

66- مشکوٰۃ (کتاب الفتن)، منہاج القاصدین صفحہ 184

67- ترمذی (ابواب الفتن)

68- منہاج القاصدین صفحہ 184

69- رسالہ قشیریہ صفحہ 261، تذکرۃ الاولیاء صفحہ 107

70- تذکرۃ الاولیاء صفحہ 129-130

71- بستان العارفین صفحہ 106

72- عوارف المعارف صفحہ 359-360

73- طبقات الصوفیہ صفحہ 43

74- رسالہ قشیریہ صفحہ 257

75- الفتح الربانی مجلس 10 صفحہ 69

76- عوارف المعارف صفحہ 582

77- سیر الاولیاء صفحہ 641

78- سیر الاولیاء صفحہ 479

79- ترمذی (ابواب القیامتہ والرقائق) دارمی (کتاب الرقائق) کتاب الزہد والرقائق صفحہ 130

80- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 129

81- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 129

82- بستان العارفین صفحہ 88

83- طبقات الصوفیہ صفحہ 84

Marfat.com

84- قوت القلوب جلد اول صفحہ 373
85- عبدالرحمٰن مومن: "تقلیل طعام اسلامی آثار وروایات کی روشنی میں" ہمدرد صحت (کراچی) اپریل 1985 صفحہ 82-91
86- مسند الامام الاعظم (کتاب الرقائق)، محمد بن حسن الشیبانی کتاب الآثار (باب الزہد)
87- قاضی عیاض مالکی: کتاب الشفاء صفحہ 83-84
88- مشکوٰۃ (کتاب الرقائق)
89- صحیح بخاری (کتاب الاطعمہ)
90- ازالتہ الخفاء عن خلافتہ الخلفاء جلد 4 صفحہ 26
91- مصنف عبدالرزاق جلد 11 (باب التنعم والسمن)، ازالتہ الخفاء عن خلافتہ الخلفاء جلد 3 صفحہ 520، بستان العارفین صفحہ 96
92- محمد بن یوسف الصالحی الدمشقی: عقود الجمان فی مناقب النعمان صفحہ 241، قاضی ابوعبداللہ الصمیری: اخبار ابی حنیفہ واصحابہ صفحہ 116
93- قوت القلوب جلد اول صفحہ 384
94- رسالہ قشیریہ صفحہ 148
95- تذکرۃ الاولیاء صفحہ 149
96- کشف المحجوب (فارسی) صفحہ 358-359
97- عوارف المعارف صفحہ 373، صفحہ 638
98- سیر الاولیاء صفحہ 825۔ محمد بن فضل بلخی کا قول ہے: الدنیا بطنک فبقدر زھدک فی بطنک زھدک فی الدنیا (طبقات الصوفیہ صفحہ 208، قوت القلوب جلد دوم صفحہ 601)
99- سیر الاولیاء صفحہ 642
100- عوارف المعارف 374-376
101- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو راقم السطور کا مقالہ: Toward an Islamic Medical Anthroplogy جو گزشتہ برس امریکہ میں منعقدہ ایک عالمی کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا۔ یہ مقالہ وہاں سے شائع ہونے والے رسالہ
Journal of the Islamic Medical Association fo North America (1996)

Marfat.com

میں شائع ہوا ہے۔

102- کشف المحجوب (فارسی) صفحہ 41

103- فوائد الفواد صفحہ 953

104- فوائد الفواد صفحہ 481، سیر الاولیاء صفحہ 842

105- فوائد الفواد صفحہ 513 حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے من مالہ مباح ودمہ ھدر (جس کا مال مباح ہو اور خون معاف) الرسائل القشیریہ صفحہ 60

106- فوائد الفواد صفحہ 865

107- سیر الاولیاء صفحہ 243

108- فوائد الفواد صفحہ 227، سیر الاولیاء صفحہ 631

109- سیر الاولیاء صفحہ 631

110- فوائد الفواد صفحہ 991، سیر الاولیاء صفحہ 844، قوام العقائد صفحہ 128

111- درد نظامی (اردو ترجمہ) صفحہ 189

112- ترمذی (ابواب البر والاحسان)

113- ریاض الصالحین صفحہ 263 (باب حسن الخلق)

114- موطا (باب حسن الخلق)

115- امام بخاری: الادب المفرد صفحہ 45

116- الادب المفرد صفحہ 42، ریاض الصالحین صفحہ 263

117- الادب المفرد صفحہ 42

118- بستان العارفین صفحہ 127-128

119- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 239

120- الادب المفرد

121- ریاض الصالحین صفحہ 136 بحوالہ صحیح مسلم

122- صحیح مسلم (کتاب البر والصلۃ والادب)

123- طبرانی

124- الادب المفرد صفحہ 58، عوارف المعارف صفحہ 398

Marfat.com

125- روض الریاحین صفحہ 618

126- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 258

127- عوارف المعارف صفحہ 179

128- روض الریاحین صفحہ 608

129- رسالہ قشیریہ صفحہ 458

130- طبقات الصوفیہ صفحہ 44

131- عوارف المعارف صفحہ 358

132- رسالہ قشیریہ صفحہ 562-563

133- فوائد الفواد صفحہ 293، 589، سیر الاولیاء صفحہ 551-552

134- سیر الاولیاء صفحہ 415

135- دارمی (کتاب الرقائق)

136- تذکرۃ الاولیاء صفحہ 193

137- کتاب اللمع صفحہ 523

138- نفحات الانس صفحہ 380

139- کتاب اللمع صفحہ 532

140- کتاب اللمع صفحہ 533

141- رسالہ قشیریہ صفحہ 179-180

142- عوارف المعارف صفحہ 173

143- رسالہ قشیریہ صفحہ 411، عوارف المعارف صفحہ 174، 363

144- کشف المحجوب صفحہ 528

145- آداب المریدین صفحہ 21، رسالہ قشیریہ صفحہ 616، بستان العارفین صفحہ 120

146- عوارف المعارف صفحہ 369-370

147- عوارف المعارف صفحہ 175

148- نفحات الانس صفحہ 174

149- قوت القلوب جلد اول صفحہ 261

Marfat.com

150- فوائد الفواد صفحہ 317

151- قوام العقائد صفحہ 121-122

152- فوائد الفواد صفحہ 265

153- سیر الاولیاء صفحہ 690-691

154- امام بخاری نے یہ حدیث الجامع الصحیح میں سات جگہ روایت کی ہے۔اس حدیث کے راوی 200 سے زیادہ ہیں۔امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور دوسرے اہل علم کا قول ہے کہ اس حدیث میں ایک تہائی علم ہے۔

155- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 50

156- مشارق الانوار صفحہ 551 بحوالہ صحیح مسلم

157- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 392

158- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 45

159- مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی: اعیان الحجاج جلد دوم صفحہ 2

160- تذکرۃ الاولیاء صفحہ 111

161- رسالہ قشیریہ صفحہ 145، بستان العارفین صفحہ 64

162- عوارف المعارف صفحہ 212-213

163- بستان العارفین صفحہ 64

164- نفحات الانس صفحہ 245

165- بستان العارفین صفحہ 63-64

166- دارمی (باب الرحلۃ فی طلب العلم)، ابن عبدالبر: جامع بیان العلم وفضلہ (باب جامع فی فضل العلم)

167- ترمذی (ابواب الدعاء)

168- سیر الاولیاء صفحہ 182

169- سیر الاولیاء صفحہ 815

170- فوائد الفواد صفحہ 333

171- فوائد الفواد صفحہ 795

Marfat.com

172- سیر الاولیاء (چرنجی لال) صفحہ 329
173- ترمذی، سنن دارمی (باب العمل بالعلم وحسن النیۃ فیہ)
174- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 15، منہاج القاصدین صفحہ 42
175- قوت القلوب جلد اول صفحہ 260
176- مشکوٰۃ (کتاب الایمان)، جامع بیان العلم وفضلہ صفحہ 226-227
177- امام غزالی: احیاء العلوم الدین جز اول صفحہ 52
178- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 14
179- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 26
180- احیاء العلوم الدین جز اول صفحہ 53، جامع بیان العلم وفضلہ صفحہ 231۔ مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری سے عالم کی سزا کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا دل کی موت۔ میں نے پوچھا کہ دل کی موت کیا ہے۔ فرمایا کہ آخرت کے عمل سے دنیا طلب کرنا (کتاب الزہد والرقائق صفحہ 532)
181- کتاب الزہد والرقائق صفحہ 56
182- نفحات الانس صفحہ 226
183- احیاء العلوم الدین جز اول صفحہ 53

باب 5

1- سیر الاولیاء صفحہ 696
2- سیر الاولیاء صفحہ 699-700
3- سیر الاولیاء 705-706
4- سیر الاولیاء صفحہ 706
5- ترمذی میں دعا کے الفاظ اس طرح ہیں: **اللھم انی اسئلک حبک وحب من یحبک والعمل الذی یبلغنی حبک اللھم اجعل حبک احب الی من نفسی واھلی ومن الماء البارد.** محی الدین زکریا نووی: کتاب الاذکار صفحہ 250، ریاض الصالحین صفحہ 473 (کتاب الدعوات)

6- سیرالاولیاء صفحہ 711

7- سیرالاولیاء صفحہ 697

8- حضرت سمنون شیخ ابوالحسین نوری کے معاصرین میں سے ہیں۔ حضرت سری سقطی اور شیخ محمد بن علی قصاب کی صحبت میں رہے۔ (نفحات الانس صفحہ 267-269)

9- کشف المحجوب صفحہ 438-439

10- سیرالاولیاء صفحہ 269-270

11- طبقات الصوفیہ صفحہ 78

12- عوارف المعارف صفحہ 674

13- احیاء العلوم الدین جز رابع صفحہ 252، کیمیائے سعادت صفحہ 1104

14- فوائدالفواد صفحہ 365

15- فوائدالفواد صفحہ 575

16- فوائدالفواد صفحہ 379

17- کشف المحجوب صفحہ 251

18- کشف المحجوب صفحہ 253

19- رسالہ قشیریہ صفحہ 394

20- رسالہ قشیریہ صفحہ 395

21- قوت القلوب جلد دوم صفحہ 140

22- کشف المحجوب صفحہ 252

23- قوت القلوب جلد دوم صفحہ 228، عوارف المعارف صفحہ 671

24- فوائدالفواد صفحہ 223-225

25- کشف المحجوب صفحہ 265

26- تعرف صفحہ 184

27- کشف المحجوب صفحہ 263-264

28- عوارف المعارف صفحہ 698

29- صوفیاء کے نزدیک مبتدی کو مرید اور منتہی کو مراد کہتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی سے پوچھا گیا

Marfat.com

کہ مرید اور مراد میں کیا فرق ہے۔فرمایا کہ مرید کو اس کا علم چلاتا ہے اور مراد کی نگہبانی حق سبحانہ وتعالیٰ کرتا ہے۔(رسالہ قشیریہ صفحہ 409)۔شیخ ابونصر سراج فرماتے ہیں کہ مراد ایسا عارف ہے جس کا اپنا کوئی ارادہ باقی نہ رہے جس نے تمام احوال ومقامات اور مقاصد وارادات طے کر لیے ہوں (کتاب اللمع صفحہ 561)

30- سیر الاولیاء صفحہ 546-545

31- فوائد الفواد صفحہ 685-683

32- فوائد الفواد صفحہ 237

33- سیر الاولیاء صفحہ 684

34- سیر الاولیاء صفحہ 687۔مراقبہ کی اصل حدیث احسان ہے جسے ہم نے اس کتاب کے مقدمہ میں نقل کیا ہے۔ابن عطا سے پوچھا گیا کہ افضل ترین عبادت کون سی ہے۔فرمایا کہ ہر دم اللہ کو نگاہ میں رکھنا۔ابوعبدالرحمٰن السلمی فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعثمان مغربی سے سنا کہ طریقت میں سب سے افضل چیز جسے انسان کو اپنے اوپر لازم قرار دینا چاہیے وہ یہ ہے کہ اپنا محاسبہ کرے، اللہ کو نگاہ میں رکھے اور اپنے علم کے ذریعہ سے اپنے اعمال کی نگہداشت کرے (رسالہ قشیریہ صفحہ 390-391)

35- بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو خطرے اور خیال دل میں آتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ میری امت سے معاف کر دیئے ہیں جب تک کہ اس کو نہ بولیں یا اس پر عمل نہ کریں (مشارق الانوار صفحہ 31)

36- فوائد الفواد صفحہ 241

37- سیر الاولیاء صفحہ 414

38- سیر الاولیاء صفحہ 685

39- سیر الاولیاء صفحہ 680۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دل کو کسی وقت رغبت ہوتی ہے اور وہ متوجہ ہوتا ہے اور کسی وقت بے رغبت ہوتا ہے تو جس وقت اس کو توجہ ہو اس کو غنیمت سمجھو اور اللہ کو یاد کر لو اور جس وقت کند ہو اور بے توجہ ہو اس وقت چھوڑ دو (حنیفہ رضی: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ صفحہ 166)

Marfat.com

40- فوائد الفواد صفحہ 340

41- سیر الاولیاء صفحہ 508

42- فوائد الفواد صفحہ 257

43- ریاض الصالحین صفحہ 177 بحوالہ ابوداؤد و ترمذی

44- کشف المحجوب صفحہ 483-486

45- فوائد الفواد صفحہ 263

46- سیر الاولیاء صفحہ 593

47- کشف المحجوب صفحہ 524

48- عوارف المعارف صفحہ 311

49- کیمیائے سعادت (اردو ترجمہ) صفحہ 215-216

50- کشف المحجوب صفحہ 519

51- عوارف المعارف صفحہ 308-309

52- فوائد الفواد صفحہ 713-715

53- حضرت سہل بن عبداللہ تستری سے عورتوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا الصبر عنهن خیر من الصبر علیهن و الصبر علیهن خیر من الصبر علی النار (عورت کے نہ ہونے پر صبر کر لینا اس کی باتوں پر صبر کر لینے سے بہتر ہے اور ان کے معاملات پر صبر کر لینا جہنم کے عذاب سے بہتر ہے (عوارف المعارف صفحہ 301) قوت القلوب جلد دوم صفحہ 821 میں یہ قول حضرت ابو محمد سے منقول ہے۔ احیاء العلوم (الجزء الثانی صفحہ 22) میں اسے حضرت ابو سلیمان دارانی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

54- سیر الاولیاء صفحہ 872

55- سیر الاولیاء صفحہ 480

56- صحیح مسلم (کتاب الشعر)

57- تعرف صفحہ 260، قوت القلوب جلد دوم صفحہ 222، رسالہ قشیریہ صفحہ 601، عوارف المعارف صفحہ 323-324

58- کتاب اللمع صفحہ 450

Marfat.com

59- رسالہ قشیریہ صفحہ 600

60- عوارف المعارف صفحہ 324

61- نفحات الانس صفحہ 547

62- تعرف صفحہ 258

63- کتاب اللمع صفحہ 477-478

64- کیمیائے سعادت صفحہ 472-477

65- شیخ ضیاءالدین سہروردی: آداب المریدین صفحہ 24

66- سیر الاولیاء صفحہ 751

67- فوائد الفواد صفحہ 754

68- سیر الاولیاء صفحہ 757

69- فوائد الفواد صفحہ 265، سیر الاولیاء صفحہ 732

70- فوائد الفواد صفحہ 365

71- فوائد الفواد صفحہ 371-373

72- فوائد الفواد صفحہ 651، سیر الاولیاء صفحہ 874

73- فوائد الفواد صفحہ 266-267

74- فوائد الفواد صفحہ 981

باب 6

1- رسالہ قشیریہ صفحہ 135

2- سیر الاولیاء صفحہ 540، اخبار الاخیار صفحہ 135

3- نفحات الانس صفحہ 306

4- اخبار الاخبار صفحہ 74

5- سیر الاولیاء صفحہ 232

6- سیر الاولیاء صفحہ 212

7- جوامع الکلم (اردو ترجمہ) صفحہ 138

Marfat.com

8- جوامع الکلم صفحہ 139-138

9- سیر الاولیاء صفحہ 498

10- تاریخ فیروز شاہی صفحہ 514

11- سیر الاولیاء صفحہ 371-370

12- سیر الاولیاء صفحہ 417-416

13- یہ شیخ بایزید بسطامی کا قول ہے

14- فوائد الفواد صفحہ 769

15- فوائد الفواد صفحہ 396-395

16- فوائد الفواد صفحہ 741

17- فوائد الفواد صفحہ 889

18- صحیح بخاری (کتاب الاطعمہ)، دارمی (کتاب الاطعمہ)، صحیح بخاری میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں اذا اکل احدکم طعاماً فلایمسع اصابعه حتی یلعقها اویلعقها

19- سیر الاولیاء صفحہ 209-208

20- سنن دارمی (باب الرحلۃ فی طلب العلم)

21- مولانا مناظر احسن گیلانی: تدوین حدیث صفحہ 186

22- نفحات الانس صفحہ 416

23- فوائد الفواد صفحہ 955

24- فوائد الفواد صفحہ 515-513

25- سیر الاولیاء صفحہ 542

26- فوائد الفواد صفحہ 597

27- سیر الاولیاء صفحہ 698

28- فوائد الفواد صفحہ 447

29- فوائد الفواد صفحہ 627-625

30- فوائد الفواد صفحہ 401

31- سیر الاولیاء صفحہ 476

32- یہ حضرت ابو علی رود باری کا قول ہے (کتاب اللمع صفحہ 551,290)

33- احسن الاقوال صفحہ 12

34- سیر الاولیاء صفحہ 755-756

35- فوائد الفواد صفحہ 329

36- سیر الاولیاء صفحہ 257

37- کتاب اللمع صفحہ 572

38- فوائد الفواد صفحہ 279

39- سیر الاولیاء صفحہ 256

40- سیر الاولیاء صفحہ 712

41- فوائد الفواد صفحہ 521

42- فوائد الفواد صفحہ 881

43- فوائد الفواد صفحہ

44- فوائد الفواد صفحہ 367

45- سیر الاولیاء صفحہ 869، اخبار الاخیار صفحہ 131

46- سیر الاولیاء صفحہ 345

47- سیر الاولیاء صفحہ 338-339

48- اخبار الاخیار صفحہ 234-235

49- فوائد الفواد صفحہ 473

50- فوائد الفواد صفحہ 649

باب 7

1- سیر الاولیاء صفحہ 366-368

2- عہد علائی کے ممتاز علماء میں سے تھے (تاریخ فیروز شاہی صفحہ 514)

3- سیر الاولیاء صفحہ 421-423

4- سیر الاولیاء صفحہ 42-424

Marfat.com

5- سیر الاولیاء صفحہ 434

6- فخر الدین زرادی: اصول السماع

7- سیر الاولیاء صفحہ 430، اخبار الاخیار صفحہ 200-201

8- اخبار الاخیار صفحہ 212، گلزار ابرار (اردو ترجمہ) صفحہ 108، ماثر الکرام صفحہ 256

9- سیر الاولیاء صفحہ 378-380

10- سیر الاولیاء صفحہ 372

11- اخبار الاخیار صفحہ 211-212

12- خیر المجالس صفحہ 38

13- سیر الاولیاء صفحہ 381، سیر العارفین صفحہ 127

14- سیر الاولیاء صفحہ 383، اخبار الاخیار صفحہ 176-177

15- اخبار الاخیار صفحہ 178

16- سیر الاولیاء صفحہ 388

17- اخبار الاخیار صفحہ 183

18- اخبار الاخیار صفحہ 196

19- سیر الاولیاء صفحہ 413

20- سیر الاولیاء صفحہ 415

21- سیر الاولیاء صفحہ 490، اخبار الاخیار صفحہ 196

22- سیر الاولیاء صفحہ 458-460، اخبار الاخبار صفحہ 212

23- اخبار الاخیار صفحہ 203-204، گلزار ابرار صفحہ 86

24- مراۃ الاسرار (قلمی)

25- غلام علی آزاد بلگرامی: روضۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) صفحہ 11

26- نفائس الانفاس (قلمی) مجلس 11

27- روضۃ الاولیاء صفحہ 26

28- سیر الاولیاء صفحہ 440-48، اخبار الاخیار فارسی صفحہ 94

29- نفائس الانفاس، مجلس 25

Marfat.com

30- خیرالمجالس صفحہ 11، 279، اخبارالاخیار (فارسی) صفحہ 86
31- سیرالاولیاء صفحہ 391-399
32- سیرالاولیاء صفحہ 400
33- سیرالاولیاء صفحہ 405، اخبارالاخیار صفحہ 193-195، گلزارابرار صفحہ 96
34- اخبارالاخیار صفحہ 214-215، گلزارابرار صفحہ 87
35- سیرالاولیاء صفحہ 466-467
36- تاریخ فیروز شاہی صفحہ 522
37- سیرالاولیاء صفحہ 483482، اخبارالاخیار صفحہ 218-221، گلزارابرار صفحہ 93-95
38- سیرالاولیاء صفحہ 472

باب 8:

1- سورۂ آل عمران آیت 140
T.B. IRVING:ISLAM
RESURGENT,P.3
2- بخاری (کتاب العلم) سنن دارمی (باب فی ذھاب العلم)
3- سنن دارمی (کتاب الرقائق)
4- مشکوٰۃ (کتاب الایمان) بیہقی: شعب الایمان
5- ترمذی (ابواب الزہد)، کتاب الزہدوالرقائق صفحہ 17
6- ابن عبدالبر: جامع بیان العلم وفضلہ صفحہ 229-230
7- کتاب الزہدوالرقائق صفحہ 520
8- طبقات الصوفیہ صفحہ 30-31، الفتح الربانی (مجلس (29) صفحہ 208
9- قوت القلوب جلداول صفحہ 622
10- امام غزالی: کیمیائے سعادت صفحہ 832
11- کتاب الزہدوالرقائق صفحہ 18-19
12- التعروف صفحہ 234، تزکرۃ الاولیاء صفحہ 184

Marfat.com

13- قوت القلوب جلد اول صفحہ 617

14- کیمیائے سعادت صفحہ 537-538

15- مناظر احسن گیلانی: مقالات احسانی صفحہ 47-55

16- عوارف العمارف صفحہ 219

17- عوارف المعارف صفحہ 219

18- عوارف المعارف صفحہ 336

ضمیمہ:

1- جمالی: سیر العارفین صفحہ 118، سیر الاولیاء صفحہ 483

2- اردو ترجمہ از غلام احمد بریاں (طبع کراچی 1978ء)، ارشاد محبوب (اردو ترجمہ از مسلم احمد نظامی)، اردو ترجمہ از خواجہ حسن ثانی نظامی (طبع دہلی 1990ء) یہ تمام اردو تراجم میں سب سے بہتر ہے اور ہم نے اس کتاب میں اسی کے حوالے دیئے ہیں۔

3- طبع لاہور 1996ء

4- اس مخطوطہ کا مائکروفلم جناب مسلم احمد نظامی کے پاس ہے۔ اس سے ہم نے استفادہ کیا ہے۔

5- سیر الاولیاء (طبع موسسہ انتشارات اسلامی لاہور 1978ء)

6- خیر المجالس (شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ 1959ء)

7- اخلاق حسین دہلوی: آئینہ ملفوظات، سید صباح الدین عبدالرحمٰن: بزم صوفیاء (ضمیمہ 606-631)

Marfat.com

کتابیات

فوائدالفواد (فارسی)	امیر حسن سنجری	ملک سراج الدین اینڈ سنز
	(مرتبہ لطیف ملک)	لاہور 1966ء
(اردو ترجمہ)	(خواجہ حسن ثانی نظامی)	اردو اکادمی دہلی 1990ء
(اردو ترجمہ)	(پروفیسر محمد سرور)	علماء اکیڈمی لاہور 1973ء
ارشاد محبوب	(مسلم احمد نظامی)	دہلی 1972ء
(اردو ترجمہ)		
سیر الاولیاء (فارسی)	سید محمد بن مبارک کرمانی	موسسہ انتشارات اسلامی
عکسی نقل نسخہ چرنجی لال)		لاہور 1978ء
(اردو ترجمہ)	(اعجاز الحق قدوسی)	مرکزی اردو بورڈ لاہور 1980ء
سیر العارفین	جمال دہلوی	
(اردو ترجمہ)	(ڈاکٹر محمد ایوب قادری)	مرکزی اردو بورڈ لاہور 1976ء
خیر المجالس (فارسی)	حمید قلندر	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی 1959ء
	(مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی)	
(اردو ترجمہ)	احمد علی بن محمد علی	واحد بک ڈپو کراچی
مراۃ الاسرار	عبدالرحمٰن چشتی	
(اردو ترجمہ)	(کپتان واحد بخش سیال)	صوفی فاؤنڈیشن لاہور 1982ء
جوامع الکلم	سید محمد الحسینی گیسو دراز	
(اردو ترجمہ)	(پروفیسر معین الدین دردائی)	نفیس اکیڈمی کراچی 1980ء

اخبار الاخیار (فارسی)	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	فاروق اکیڈمی پاکستان
(اردو ترجمہ)	(مولانا سبحان محمود)	مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
درد نظامی	مولانا علی محمود بن جاندار	
(اردو ترجمہ)	(محمد یاسین علی نظامی)	کتب خانہ نذیریہ دہلی
احسن الاقوال	حماد بن عماد کاشانی	طبع اورنگ آباد
(اردو ترجمہ)	(عبدالمجید خالد آبادی)	
تذکرۃ الاولیاء	خواجہ فرید الدین عطار	
(اردو ترجمہ)	(مولانا طفیل احمد جالندھری)	ملک اینڈ کمپنی لاہور
کتاب الزہد والرقائق (عربی)	امام عبداللہ مبارک (تحقیق وتعلیق مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی)	مالیگاؤں 1966ء
کتاب اللمع فی التصوف	ابونصر سراج طوسی	
(اردو ترجمہ)	(سید اسرار بخاری)	اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور 1984ء
التعرف لمذہب اہل التصوف	امام ابوبکر کلاباذی	
(اردو ترجمہ)	(ڈاکٹر پیر محمد حسن)	اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور 1978ء
قوت القلوب	امام ابوطالب مکی	
(اردو ترجمہ)	(محمد منظور الوجیدی)	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور 1984ء
رسالہ قشیریہ	امام ابوالقاسم قشیری	
(اردو ترجمہ)	(ڈاکٹر پیر محمد حسن)	ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد 1970ء

الرسائل القشیریہ (عربی)	امام ابوالقاسم قشیری	المعہد المرکزی للابحاث الاسلامیہ کراچی 1964ء
کشف المحجوب (فارسی)	سید علی ہجویری	طبع لاہور
(اردو ترجمہ)	(مفتی غلام معین الدین نعیمی)	مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی 1980ء
احیاء علوم الدین (عربی)	امام غزالی	مطبع البابی الحلبی مصر 1346ھ
کیمیائے سعادت	امام غزالی	
(اردو ترجمہ)	(پروفیسر غلام یزدانی)	ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور 1973ء
المنقذ من الضلال	امام غزالی	
(اردو ترجمہ)	(عبدالرسول ارشد)	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
عوارف المعارف	شیخ شہاب الدین سہروردی	
(اردو ترجمہ)	(شمس بریلوی)	مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی 1977ء
الفتح الربانی (عربی)	سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی	
(اردو ترجمہ)	(مولوی عاشق الٰہی میرٹھی)	مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی 1982ء
نفحات الانس	مولانا عبدالرحمٰن جامی	طبع کراچی
(اردو ترجمہ)	(شمس بریلوی)	
سیر الاقطاب	الہدیہ بن شیخ عبدالرحیم چشتی	نفیس اکیڈمی کراچی
(اردو ترجمہ)	(محمد معین الدین دردائی)	
تاریخ فیروز شاہی	ضیاء الدین برنی	
(اردو ترجمہ)	(ڈاکٹر سید معین الحق)	اردو سائنس بورڈ لاہور 1983ء

Marfat.com

سفینۃ الاولیاء	داراشکوہ	مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی 1982ء
(اردوترجمہ)	(محمد علی لطفی)	
گلزارابرار	محمد غوثی شطاری مانڈوی	اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور 1995ء
(اردوترجمہ)	(فضل احمد جیوری)	
خزینۃ الاصفیاء	مفتی غلام سرور لاہوری	مکتبہ نبویہ لاہور 1983ء
(اردوترجمہ)	(اقبال احمد فاروقی)	
ماثرالکرام	میر غلام علی آزاد بلگرامی	دائرۃ المصنفین کراچی 1983ء
(اردوترجمہ)	(شاہ محمد خالد فاخری)	
تاریخ مشائخ چشت (جلداول)	خلیق احمد نظامی	ادارہ ادبیات دہلی 1980ء
سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات	خلیق احمد نظامی	ندوۃ المصنفین دہلی 1981ء
روضۃ الاولیاء	مولانا غلام علی آزاد بلگرامی	اورنگ آباد
(اردوترجمہ)	(عبدالمجید خلد آبادی)	
مقالات احسانی	مولانا مناظر احسن گیلانی	ادارہ مجلس علمی کراچی 1399ھ
ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء	شاہ ولی اللہ دہلوی	قدیمی کتب خانہ کراچی
(فارسی متن مع اردوترجمہ)		
تذکرۂ صوفیائے سندھ	اعجازالحق قدوسی	اردو اکیڈمی سندھ کراچی 1975ء
اردودائرہ معارف اسلامیہ		پنجاب یونیورسٹی لاہور
قوام العقائد	محمد جمال قوام	
(اردوترجمہ)	(پروفیسر نثار احمد فاروقی)	رام پور 1994ء
منہاج القاصدین	عبدالرحمٰن ابن الجوزی	

(اردو ترجمہ)	(محمد سلیمان گیلانی)	ادارہ معارف اسلامی لاہور
		1985ء
جامع بیان العلم وفضلہ (عربی)	ابن عبدالبر	دارالکتب الحدیثہ قاہرہ
روض الریاحین	ابوعبداللہ یافعی	
(اردو ترجمہ)	(مولانا جعفر علی نگینوی)	سعید اینڈ کمپنی کراچی
آداب المریدین	ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی	
(اردو ترجمہ)	(محمد عبدالباسط)	اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور
		1980ء
بستان العارفین	محی الدین بن شرف نووی	
(اردو ترجمہ)	(مولانا حامد الرحمٰن صدیقی)	کلام کمپنی کراچی
اصول السماع	مولانا فخر الدین زرادی	مسلم پریس جھجر 1311ھ
بزم صوفیاء	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	دارالمصنفین اعظم گڑھ
روضۃ اقطاب	صاحبزادہ محمد بلاق	
(اردو ترجمہ)		کتب خانہ نذیریہ دہلی
آئینہ ملفوظات	اخلاق حسین دہلوی	کتب خانہ انجمن ترقی اردو
		1983ء
علماء سلف اور نابینا علماء	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی	دارالاشاعت کراچی 1979
غناء وسماع اصفیاء	مولانا ابوالحسن زید فاروقی	شاہ ابوالخیر اکادمی دہلی 1991

BOOK HOME

حضرت نظام الدین اولیاءؒ

پروفیسر عبدالرحمٰن مومن

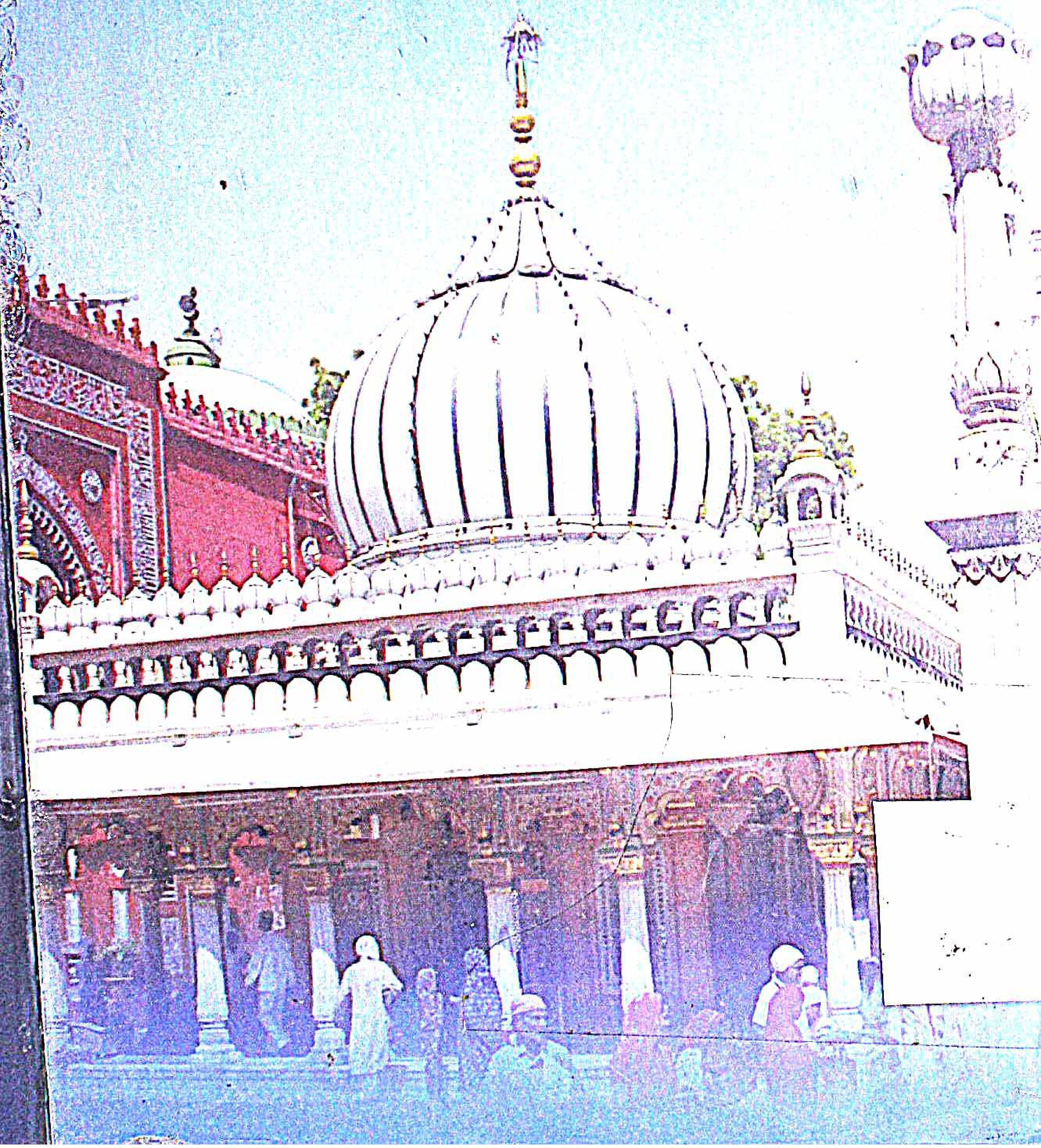

Marfat.com